فیضِ سلیمانی

(جلد اوّل)

یعنی

عالمِ ربانی حضرت **مولانا سلیمان صاحب** حافظ جی قاسمیؒ، بارڈولی

(خادمِ خاص شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنیؒ)

کی سوانحِ حیات

مع

تذکرۂ علماو تاریخِ بارڈولی

مرتب

مفتی محمود بن مولانا سلیمان حافظ جی بارڈولی

استاذ تفسیر و حدیث: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

جامعہ دار الاحسان بارڈولی، نواپور، نورانی مکاتب

فیضِ سلیمانی

(جلداول)

یعنی

عالمِ ربانی حضرت مولانا سلیمان صاحب حافظجی قاسمی، بارڈولی

(خادمِ خاص شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ)

کی سوانحِ حیات

مع

تذکرۂ علماوتاریخِ بارڈولی

مرتب

مفتی محمود بن مولانا سلیمان حافظ جی بارڈولی

استاذِ تفسیر وحدیث: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

ناشران

جامعہ دارالاحسان بارڈولی، نواپور، نورانی مکاتب

تفصیلات

نام کتاب:............................ فیضِ سلیمانی

مرتب:..........حضرت مولانا مفتی محمود صاحب بارڈولی دامت برکاتہم

صفحات:.................................. ۳۰۴

ناشر:............................نورانی مکاتب

ملنے کے پتے

مولانا یوسف صاحب آسنوی، سملک، محمودنگر ڈابھیل۔98240,96267

Email id: yusuf_bhana@hotmail.com

ادارۃ الصدیق ڈابھیل، گجرات۔99048,86188 \ 99133,19190

جامعہ دارالاحسان، بارڈولی، سورت، گجرات

جامعہ دارالاحسان، نواپور، نندوربار، مہاراشٹر

فہرستِ مضامین

(۲) محترم حافظ قاری مولوی محمود صالح پانڈور

(۳) قاری سلیمان سورتی، وانکانیری

حصۂ دوم: سوانحِ حیات

بابِ اول

بابِ دوم: حصولِ علم کا شوق اور عبادات

عبادات

باب سوم: دینی خدمات

بابِ چہارم: معمولاتِ زندگی

بابِ ششم: متفرقات

بابِ ہفتم:

ذوقِ مطالعہ، مضمون نگاری اور اشعار کی ایک جھلک

بابِ دہم: تعزیتی خطوط



پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین وعلی الہ وصحبہ ومن تبعھم بإحسان إلی یوم الدین، أما بعد:

یہ کتاب جو اس وقت آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے، حقیقی بات یہ ہے کہ محض اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فضل و کرم ہے، ورنہ کسی جگہ کی تاریخ اور کسی شخصیت کی سوانح لکھنا یہ نہایت مشکل ترین کام ہے، خاص کر جب وہ بستی ایسی ہو جس کے لیے مستند مآخذ موجود نہ ہوں اور جس شخصیت کی سوانح لکھنی ہو وہ شہرت طلبی سے بہت دور ہو، وہ گوشۂ گم نامی میں رہنے کو پسند کرتے ہو، یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کی تیاری وترتیب میں کافی وقت لگ گیا۔

بارڈولی اور بارڈولی میں آنے والے علما کی تاریخ کے سلسلے میں جو کچھ اس وقت مل سکا وہ اس کتاب میں جمع کر دیا گیا۔

اِس بستی کے علما، صلحا اور دین کا مثالی کام کرنے والے حضرات کی ایک مفصل تاریخ لکھنے کی ضرورت ہے، جتنی معلومات مجھے حاصل ہو سکیں اسے آپ کی خدمت میں پیش کرنے کو سعادت سمجھتا ہوں، اس کے علاوہ زُعما اور دانشورانِ قوم اور ان کے کارناموں کو بھی جمع کرنے کی ضرورت ہے، اِس کتاب کے سرِ ورق پر اسی لیے "جلدِ اول کا عنوان لگایا ہے، ان شاء اللہ! اس سلسلے میں آگے کام کی کوشش کی جائے گی

ساتھ ہی اِس کتاب کا زیادہ تر حصہ میرے والد مرحوم "حضرت مولانا سلیمان صاحب حافظ جی قاسمی" کی سوانح پر مشتمل ہے، وہ ایک کامل مربی، نہایت مشفق والد

ہونے کے ساتھ ساتھ میرے استاد اور مصلح بھی تھے، قرآنِ مجید ناظرہ اور دینیات کی ضروری تعلیم اور اردو، فارسی کی کچھ مقدار والدِ مرحوم سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، رہی ان کی تربیت! تو وہ زندگی کے آخری دن تک جاری اور ساری رہی اور آپ کی مثالی تربیت کے مقبول ہونے کی منامی بشارت حضرت نبیٔ کریم ﷺ کی خواب میں زیارت کے ذریعہ حاصل ہوئی ہے۔

اس کتاب سے آپ کیا سیکھیں گے؟

(۱) ایک بندے کا اپنے اللہ سے کیسا تعلق ہونا چاہیے؟

(۲) احیائے سنت کی کیسی لگن ہونی چاہیے؟

(۳) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کس طرح کرنا چاہیے؟

(۴) طالبِ علم کو اپنے استاذ اور اپنے استاذ کے گھر والوں سے کیسا تعلق ہونا چاہیے؟

(۵) مادرِ علمی سے کس طرح وابستہ رہنا چاہیے؟

(۶) بنیادی مکتب کی تعلیم کس طرح دینی چاہیے؟

(۷) استاذ کا اپنے طلبہ سے کیسی شفقت کا برتاؤ ہونا چاہیے؟

(۸) مدارس و دینی اداروں کا حسابی، مالی نظام کیسا صاف ستھرا اور مستحکم ہونا چاہیے؟

(۹) ہر ایک کے ساتھ خاص طور پر ملازمین اور مزدوروں کے ساتھ کیسی خیر خواہی ہونی چاہیے؟

(۱۰) اپنے ماتحتوں کی عملی تربیت کس طرح کرنا ہے؟

(۱۱) مہمان نوازی کیسی ہونی چاہیے؟

تو آئیے! اِن تمام سوالوں کے جوابات ہم اس کتاب میں عملی واقعات کے

ذریعہ سے پڑھ لیں۔

قارئین کی خدمت میں ایک خاص اپیل

جو حضرات ہمارے بارڈولی کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت رکھتے ہوں یا کسی کتاب میں بارڈولی کا تذکرہ نظروں سے گذرا ہو تو ضرور مطلع فرمائیں، اسی طرح بارڈولی کے علما، زعما اور دانشورانِ قوم وملت کی کسی بھی طرح کی کوئی بھی معلومات ہوں تو اس سے برائے کرم مطلع فرمادیں۔

اسی طرح کسی خاندان کا کوئی خاص واقعہ یا کوئی کارنامہ ہو تو اس کو بھی لکھ کر عنایت فرمائیں ان شاء اللہ تعالیٰ! کتاب کی آگے والی جلد میں اس کو ضرور شامل کرلیا جائے گا۔

کلماتِ تشکر

اِس کتاب کی تیاری میں جن حضرات کا جس طرح کا بھی تعاون رہا ہو میں ان تمام کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو دنیا وآخرت میں اپنی رضا کی دولت سے مالا مال فرمائیں۔

خصوصاً عزیزم قاری عرفان صاحب گودھروی (مدرس: جامعہ دارالاحسان، بارڈولی) انھوں نے اِس کتاب کی تیاری میں گراں قدر وقت لگایا ہے اور بہت سارے کام انھوں نے کیے ہیں۔

ساتھ ہی میں عزیزِ گرامی قدر مفتی زکریا نصیرپوری (مدرس جامعہ دارالاحسان، بارڈولی) اور مفتی سلمان ایلولوی و مفتی اویس کنجری (فاضلان: دارالافتا، جامعہ تعلیم الدین، ڈابھیل) اور مفتی معاذ بمبوی (مدرس: جامعہ ڈابھیل) کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ

اِن تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

نیز جامعہ دارالاحسان، بارڈولی کے ناظم برادرِ مکرم مفتی ابراہیم صاحب گجیا مدظلہ اور برادرِ بزرگوار حاجی احمد حافظ جی صاحب جنھوں نے والد صاحب مرحوم کے متعلق مضامین دے کر تعاون کیا، اللہ تعالیٰ ان کو بھی دارین میں فلاح وکامیابی عطا فرمائے اور نظرِ بد سے ان کی حفاظت فرمائے، آمین۔

اسی طرح میرے محسن و مشفق استاد، مرشدِ ثانی: حضرت شیخ الحدیث مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ اور حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب، انھوں نے اپنے کلماتِ بابرکت اِس کتاب کے لیے عنایت فرمائے جزاھم اللّٰہ خیر أحسن الجزاء۔

اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں خوب برکت عطا فرمائیں اور ان کی دینی خدمات کو قبول فرمائیں، آمین۔

عہدوں سے اپنے آپ کو دور رکھنے کی کوشش

والدِ مرحوم کو کئی اداروں، تنظیموں اور مساجد وغیرہ کے بہت سارے عہدے پیش کیے گئے؛ لیکن آں مرحوم نے اپنے آپ کو ہمیشہ عہدوں اور شہرت سے دور رکھنا ہی پسند فرمایا۔

جامعہ ڈابھیل کے تاریخ ساز سابق مہتمم حضرت مولانا محمد سعید صاحب بزرگؒ کے وصال کے بعد جامعہ کے لیے ایک قابل ولائق مہتمم کی ضرورت تھی، اُس وقت جن دو چار عالموں کی طرف نظرِ انتخاب تھی، ان میں ایک نام مرحوم والد صاحب کا بھی تھا۔

حضرت مولانا معین الدین صاحب — دارالعلوم ہدادیہ، مراداباد، پھر دارالعلوم

انکلیشور کے شیخ الحدیث — جب افریقہ میں تھے تب جامعہ ڈابھیل کے ساؤتھ افریقہ ٹرسٹ کے ٹرسٹیانِ گرامی ایک وفد کی شکل میں حضرت مولانا معین الدین صاحب کی خدمت میں آئے تھے اور انھوں نے یہ خصوصی درخواست کی تھی کہ آپ ہمیں جامعہ ڈابھیل کے لیے کسی لائق مہتمم کا نام بتائیں۔

اس موقع پر حضرت مولانا معین الدین صاحب نے پورے اعتماد کے ساتھ مرحوم والد صاحب کا نام پیش کیا تھا۔

شہرت سے دور رہنے کا حال تو یہ تھا کہ جامعہ ڈابھیل کے رکنِ شوریٰ ہونے کے باوجود کبھی جامعہ کے کسی اجلاس میں آپ کو اسٹیج پر بیٹھے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا؛ حالاں کہ جامعہ کے تقریباً تمام ہی اجلاس میں آپ کی حاضری ہوتی تھی۔

خودستائی کا شبہ اور اس پر اعتذار

بندے نے اپنے والد صاحب کی سوانح لکھی اس پر خودستائی کا شبہ ہوسکتا ہے، اس پر عالَمِ اسلام کے مشہور عالمِ دین ''حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب ندویؒ کی ایک بات عرض کرتا ہوں:

یہ کہانی جو کسی قدر خودستائی سے خالی نہیں ذرا تفصیل سے اس لیے سنانی پڑی کہ سوانح نگاری اور تذکرہ نویسی کی طویل و مسلسل مشغولیت میں کچھ مصنف کو خیال نہیں آیا کہ اپنے والدِ مرحوم ''مولانا حکیم سید عبدالحیؒ صاحب'' کی سوانحِ حیات مرتب کرے، کسی صاحبِ علم فرزند کے لیے کبھی یہ بات شرم اور معذرت کی نہیں سمجھی گئی کہ وہ اپنے نامور اور صاحبِ کمال باپ کی سوانح لکھے اور اس کے وہ صحیح حالات و وقعاتِ زندگی،

علمی و دینی خدمات اور تصنیفی کارنامے دنیا کے سامنے پیش کرے جس میں نئی نسل کے لیے استفادہ ورہنمائی کا وافر سامان ہے، خاص طور پر جب صاحبِ سوانح کی پوری عمر اسلاف پیشروؤں کے کارناموں کی حفاظت واشاعت اوران کے نام اور کام کو زندہ رکھنے میں گذاری ہو۔(از: پیش لفظ: حیاتِ عبدالحیؒ از: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

بس حضرت مفکرِ اسلامؒ کی اس تحریر کے بعد خودستائی کا کوئی شک وشبہ کسی کے ذہن میں نہیں آنا چاہیے۔

اَللّٰھُمَّ أَعِذْنَامِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَاوَمِنْ سَیِّئَاتِ أَعْمَالِنَا

عملی تربیت اور شرعی امور میں والدِ مرحوم نہایت بیدار مغز زندگی گذار کر مسکنِ راحت کی طرف چل بسے۔

اللہ تعالیٰ اس کوشش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائیں، اپنی رضا کا ذریعہ بنائے، تمام معاونین کو بھی جزائے خیر عطا فرمائیں۔

والدین کے حقوق کی ادائیگی اور خدمت میں یہ بھی ایک اہم موضوع ہے، کہ ان کی سوانح کو آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ بنایا جائے، قطعِ نظر اس سے کہ اس کام کو کماحقہ کرنے سے قاصر ہوں۔ فقط والسلام

العبد: (مفتی) محمود حافظ جی، بارڈولی
جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل، سملک
رکن مجلسِ منتظمہ جمعیت علمائے ہند
رکن: آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ

کلماتِ بابرکت

مشفقی و محسنی حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

(شیخ الحدیث جامعہ ڈابھیل و رکنِ شوریٰ دار العلوم دیوبند و ندوۃ العلما لکھنؤ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزِ گرامی مفتی محمود صاحب بارڈولوی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ وعافاہ کے والدِ بزرگوار حضرت مولانا سلیمان صاحب حافظ جی نور اللہ مرقدہ دار العلوم دیوبند کے فاضل اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے شاگردِ رشید اور مریدِ باصفا، ایمانی غیرت اور دینی حمیت سے بھرپور، اصول کے پابند، ذاکر، شاغل، حق گو اور اکابرِ دیوبند کے دِلدادہ؛ بہت ساری خوبیوں کے مالک تھے۔

زندگی کی آخری سانس تک للہ فی اللہ تدریس کا مشغلہ جاری رکھا، حق گوئی آپ کا ایک خصوصی وصف تھا، ماتحتوں کی تعلیم و تربیت کا بھی بڑا اہتمام تھا۔

ماضی قریب کے ہمارے بہت سارے اکابر کو دیکھا، ان کی صحبت بھی اٹھائی، جس کے اثرات آپ کی زندگی میں نمایاں طور پر نظر آتے تھے۔

مولانا مرحوم کی سوانحِ حیات آپ ہی کے فرزندِ ارجمند مولانا مفتی محمود صاحب نے تیار فرما کر قارئین کے سامنے ایک باخدا عالمِ باعمل کا نمونہ پیش کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس سوانحی خاکے سے پڑھنے والوں کو بیش از بیش فائدہ پہنچائے اور جامع و مرتب کے حق میں صدقۂ جاریہ بنائے۔

از: احمد خانپوری

مؤرخہ: ۲۶ / جمادی الاخریٰ ۱۴۳۷ھ

تقریظ

حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب سملکی مدظلہ العالی

(مہتمم: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل وخلیفۂ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، أما بعد:

صاحبِ سوانح حضرت مولانا سلیمان صاحب نور اللہ مرقدہ کا شمار اِس علاقے کے مؤقر علما میں ہے، سرزمینِ ڈابھیل وسملک جیسی مردم خیز بستی میں اُن کی زندگی کے قیمتی لمحات گذرے ہیں، دونوں بستیوں میں اُن کی دینی خدمات کے یادگار نقوش ثبت ہیں۔

"مجلسِ خدام الدین سملک" جو گجرات کا قدیم اور تاریخی دینی ادارہ ہے، جس کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، موصوف کئی سال تک اِس ادارے سے وابستہ رہے اور اپنی خداداد صلاحیت سے بڑی خاموشی کے ساتھ وقیع خدمات انجام دیں۔

موصوف اہل وعیال کے ساتھ سملک میں مقیم تھے، اُسی دور میں ان سے ہمارے گھریلو تعلقات بھی قائم ہوئے، ہم مشرب ہونے کی وجہ سے اِس تعلق میں دِن بہ دِن گہرائی پیدا ہوئی، یعنی موصوف کو اور ہمارے گھرانے کو شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت کا شرف حاصل ہے، اسی وجہ سے اُن کی ہمارے گھر آمد ورفت رہتی اور گھریلو دینی امور میں ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تبادلۂ خیال ہوتا رہتا تھا، موصوف کی بعض اولاد نے سملک کی اسکول میں عصری تعلیم حاصل کی، اس میں بھی رفاقت رہی۔

۱۴۱۱ھ میں جامعہ ڈابھیل کے سابق مہتمم، میرے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد سعید صاحب بزرگ سملکی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا، اُس وقت سب سے اہم سوال

جامعہ ڈابھیل کے منصبِ اہتمام کو سنبھالنے کا پیش آیا، اُس دور میں جن لائق و فائق شخصیات کی طرف اہلِ رائے حضرات کی اِس منصب کو پُر کرنے کے لیے نظریں اٹھیں تھیں اُن میں سے ایک موصوف بھی تھے، اِسی سے اِس علاقے میں اُن کی صلاحیت اور وجاہت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

موصوف کو جامعہ ڈابھیل سے قلبی تعلق تھا، شاید یہی وجہ ہے کہ کئی سال تک اللہ تعالیٰ نے اُن کو رکنِ شوریٰ کی صورت میں منتخب کرلیا تھا۱۴ر سال موصوف کو جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کے رکنِ شوریٰ ہونے کا شرف حاصل رہا۔

ایں سعادت بہ زورِ بازو نیست	تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اراکینِ شوریٰ کا انتخاب ہر سات سال میں ہوتا ہے، موصوف کو دو مرتبہ منتخب کیا گیا: پہلی مرتبہ مؤرخہ: ۸ر ستمبر ۱۹۹۱ء سے سات سال۔

دوسری مرتبہ مؤرخہ: ۱۳؍۱ اکتوبر ۱۹۹۸ء سے دوسرے سات سال۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ نے حق بات ظاہر کرنے اور دو ٹوک کہنے کا خاص وصف عطا فرمایا تھا، اِس معاملے میں وہ کسی نرم گوشے کے روادار نہ تھے، حق بات کہنے میں وہ کسی کی پروانہ کرتے تھے، مجلس شوریٰ میں اُن کا یہ وصف وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتا رہتا تھا اسی طرح دینی رسائل، ماہناموں کے مضامین میں کوئی بات ان کو کھٹکتی تو فوراً نشان دِہی فرماتے۔

شوریٰ کے دن احاطۂ جامعہ میں چکّر لگاتے، جامعہ کے مفاد و مصالح کی کوئی بات ہوتی تو توجہ دلاتے، طلبہ و اساتذہ کی سہولیات کا برابر خیال فرماتے۔

ان کی قابلِ ذکر حسنات میں ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے: موصوف ایک مرتبہ کسی ضرورت سے جامعہ کے دارالافتا میں تشریف لائے، دارالافتا سے متصلاً استنجا خانہ اور

وضوخانہ کی ضرورت محسوس کی، اس کو نوٹ کیا اور آئندہ مجلسِ شوریٰ میں دیگر زیرِ غور امور میں اس تجویز کو پاس کروایا اور دار الافتا کی مذکورہ ضرورت کو پورا کر کے دَم لیا۔

چھوٹوں کو آگے بڑھا کر ان سے کام لینے کا جذبہ بھی خوب تھا، اِسی سلسلے کی ایک ناقابلِ فراموش اور اہم خدمت بندے کو تادمِ آخر اہتمام سپرد کرنا ہے۔

۱۴۱۱ھ میں میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی وجہ سے بندے کے کاندھوں پر اہتمام کی گراں بار ذمے داری آپڑی، مجلسِ شوریٰ نے پہلے عارضی اور وقتی طور پر اہتمام کے لیے بندے کو منتخب کیا تھا، مولانا موصوف کی دلی خواہش یہ تھی کہ اہتمام کا منصب دائمی طور پر سپرد کر دیا جائے؛ تاکہ دِل جمعی سے کام ہو۔

چنانچہ ۱۷؍ربیع الآخر ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۳؍ستمبر ۱۹۹۵ء کے روز مجلسِ شوریٰ میں یہ تجویز پیش کی گئی، جس میں مولانا مرحوم نے خاص زور دیا تھا:

دستور میں گنجائش ہو تو مولانا احمد بزرگ صاحب کا دائمی طور پر اہتمام کے لیے تقرر کر لیا جائے۔ چنانچہ اکثر اراکینِ شوریٰ کی رائے سے یہ تجویز پاس ہوگئی۔

پس ۱۴؍ستمبر ۱۹۹۵ء سے دائمی طور پر اہتمام کے لیے بندے کو منتخب کیا گیا۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی تمام دینی وملّی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائیں، جنت الفردوس میں اُن کے درجات بلند فرمائیں، جامعہ کی خدمات کا اپنی شایانِ شان بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائیں، آمین۔ فقط

(مولانا) احمد بزرگ (صاحب)

خادمِ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک

۲۴؍رجب المرجب ۱۴۳۷ھ

حصہ اول

تذکرہ علما و تاریخِ بارڈولی

تجویدوقراءات کے متعلق بارڈولی کی ایک تاریخی بات

امام الفن فی التجوید والقراءات ''حضرت قاری عبدالرحمن صاحب مکیؒ''، جن کو ایک خواب کے ذریعہ حضرت نبیٔ کریم ﷺ کی طرف سے ہندوستان آکر فنِ تجوید وقراءات کی خدمت کی بشارت ملی، ان کی خدمت میں ہمارے بارڈولی کے ''قاری سلیمان اسرولیا مرحوم'' کو سات سال کا طویل عرصہ مستقل قیام کرکے قراءاتِ سبعہ وعشرہ کی مکمل تعلیم حاصل کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

قاری عبدالرحمن صاحب مکیؒ کے تلامذہ کی فہرست میں کئی جگہوں پر قاری سلیمان سورتی کا تذکرہ ملتا ہے، یہ وہی قاری سلیمان اسرولیا بارڈولی کے ہیں؛ لیکن ضلع کی نسبت کے اعتبار سے آپ کے نام کے ساتھ سورتی لکھا جاتا ہے، جن کا قدرے تذکرہ آپ اس کتاب میں پڑھیں گے۔

آں مرحوم نے جامعہ ڈابھیل کے بالکل ابتدائی دور میں جب علامہ کشمیریؒ کی ڈابھیل تشریف آوری بھی نہ ہوئی تھی تب تجوید وقراءات کی تدریسی خدمت بھی انجام دی ہے۔



بارڈولی کا تعارف

ہندوستان کے صوبۂ گجرات میں ضلع سورت کے ماتحت بارڈولی ایک تاریخی قصبہ ہے۔

بارڈولی کی وجہ تسمیہ

وجہ تسمیہ کی پوری تحقیق تو معلوم نہ ہو سکی ؛لیکن کچھ اس طرح کی بات مشہور ہے کہ ایک خاص قسم کی ''بارہ ڈولیاں'' کسی زمانے میں یہاں سے چلی تھی یا یہاں آئی تھی جس پر سے یہ بارڈولی نام مشہور ہو گیا۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ ایک بزرگ کی وفات کے وقت ان کے جنازہ کے لیے اور ان کے بہ قیدِ حیات اہلِ خانہ و متعلقین کے لیے ''بارہ ڈولیاں'' تیار کی گئی تھیں، اسی نسبت سے اس بستی کا نام بارڈولی بن گیا واللہ سبحانہ وتعالی أعلم۔

بارڈولی کی کچھ دینی یادگار

اِس شہرِ بارڈولی میں زیادہ تر مسلمان اور ہندو، دو قوموں کے لوگ قدیم زمانے سے آباد ہیں اور دیگر اقوام کے بھی کچھ کچھ لوگ آباد ہیں۔

اِس شہر میں باقاعدہ بارہ (۱۲) مساجد اور تین عبادت خانے ہیں۔

دینی تعلیم کے لیے کئی مکاتب قائم ہیں اور اعلیٰ دینی تعلیم کے لیے ''جامعہ دار الاحسان'' کے نام سے ایک ادارہ مع دار الاقامہ مؤرخہ یکم جون ۲۰۰۴ء سے قائم ہے۔

عصری تعلیم کے لیے مسلمانوں کا ایک بڑا مدرسہ ہائی اسکول اور ایک چھوٹا میمن

ہائی اسکول اور انگریزی تعلیم کے لیے بھی ایک اسکول موجود ہے۔

نیز غیر مسلم بھائی کی دی ہوئی زمین پر ''جمنا با'' کے نام سے ایک بڑا مسلم ہسپتال قائم ہے۔

قدیم زمانے میں یہاں علما، صلحا اور دین کے داعیوں کی آمد ہوتی رہی، آج بھی بستی کے مختلف حصوں میں اولیائے کرام کے مزارات ہیں، یہ مزارات پہلے بستی کے باہر تھے؛ لیکن اب آبادی کے بڑھ جانے کی وجہ سے ان میں سے اکثر بستی کے اندر شامل ہو گئے ہیں۔

قریب کی بعض بستیوں میں کچھ قدیم دور کی قبریں ہیں، مثلاً قریب کی ایک بستی ''دھامروڈ'' میں بھی قبریں موجود ہیں، خود وہاں کے غیر مسلمین اس کی حفاظت کرتے ہیں اور یہ بھی بات سامنے آئی کہ اس کے لیے اوقاف بھی کچھ تھے اور لال رنگ کے پتھر کی تقریباً تین صدی قدیم قبریں معلوم ہوتی ہیں۔

جامعہ دارالاحسان کے قریب مکی مسجد کے پڑوس میں مشہور ''مکی قبرستان'' میں بھی ایک بزرگ کا مزار موجود ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہ کوئی صاحبِ کرامت ولی ہے، ان کی زندگی کے احوال کا تو پتہ نہیں لگ سکا؛ لیکن کہتے ہیں کہ: بارڈولی کے علاوہ کسی اور جگہ میں ان کی وفات ہوئی تھی، ان کے متعلقین میں سے ہر ایک کی یہ چاہت ہوئی کہ ان کو اپنی بستی میں دفن کرے۔

جب اس سلسلے میں تنازع جیسی شکل پیدا ہوگئی تو آپس کے مشورے سے یہ بات طے ہوئی کہ بغیر نتھنے کے بیلوں کو جوڑ کر ڈولی تیار کی جائے اور بیلوں کو چلایا جائے، جس جگہ جا کر وہ بیل رک جائے وہاں ان کو دفن کر دیا جائے۔

کہتے ہیں کہ: وہ بیل چلتے چلتے اس بستی میں داخل ہوئے، قدیم راستہ ندی سے ہوکر آتا ہے جو قبرستان کے بالکل متصل ہے، وہاں ایک ٹیلے پر آکر وہ بیل رک گئے، اُس زمانے میں ندی پر سے جانے کے لیے پُل نہیں تھا؛ اس لیے ندی میں سے گذر کر بستی میں داخل ہونا پڑتا تھا، تو اس جگہ آکر وہ بیل رک گئے اور اسی جگہ پر ان کو دفن کیا گیا اور جس جگہ پر یہ قبرستان اور مزار ہے بستی کی دوسری زمینوں کی سطح کے مقابلہ میں قبرستان والا یہ حصہ ٹیلے کی شکل میں اونچا ہے۔

اکابر علمائے دیوبند کی بارڈولی تشریف آوری

نمبر شمار	اسمائے گرامی حضرات اکابرین
۱	حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ
۲	حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ
۳	حضرت علامہ سید بدر عالم صاحب میرٹھیؒ
۴	حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ
۵	حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ
۶	حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ
۷	حضرت مولانا شاہ عطاء اللہ صاحب بخاریؒ
۸	حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانویؒ
۹	حضرت مولانا عمران خان صاحب بھوپالیؒ
۱۰	حضرت میاں سید اصغر حسین صاحب محدث دیوبندیؒ

۱۱	حضرت مولانا سید خلیل میاں صاحبؒ
۱۲	حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب جلال آبادیؒ
۱۳	حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ
۱۴	حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانیؒ
۱۵	حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہارویؒ
۱۶	حضرت مولانا قاری حفظ الرحمن صاحبؒ (صدر القراء دار العلوم دیوبند)
۱۷	حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ
۱۸	حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب مجددی جے پوریؒ
۱۹	حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ
۲۰	حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلویؒ
۲۱	حضرت حاجی عبد الجلیل میاں صاحب دیوبندیؒ
۲۲	حضرت مولانا عبد الاحد صاحب دیوبندیؒ
۲۳	حضرت مولانا شیر علی صاحب افغانیؒ
۲۴	حضرت مولانا ذو الفقار صاحب نروریؒ
۲۵	شیخ الحدیث حضرت مولانا اکرام صاحب بھاگلپوریؒ
۲۶	حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحب ہردوئیؒ
۲۷	حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب سملکیؒ

۶۲	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم
۶۳	حضرت مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی دامت برکاتہم
۶۴	حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم
۶۵	حضرت مولانا سید محمود مدنی صاحب دامت برکاتہم
۶۶	حضرت مولانا منیر صاحب کالینا دامت برکاتہم
۶۷	حضرت مولانا اسماعیل صاحب گودھرا دامت برکاتہم
۶۸	حضرت مولانا غلام صاحب وستانوی دامت برکاتہم
۶۹	حضرت مولانا احمد صاحب لاٹ دامت برکاتہم
۷۰	حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولا دامت برکاتہم
۷۱	حضرت مولانا سید سلمان صاحب حسینی ندوی دامت برکاتہم
۷۲	سماحۃ الشیخ عائض القرنی المدنی حفظہ اللہ
۷۳	مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی
۷۴	مفتی عباس صاحب بسم اللہ
۷۵	مولانا ابراہیم صاحب پٹنی
۷۶	مولانا سالم ابن مولانا قاری طیب صاحب
۷۷	مفتی حبیب الرحمن خیرآبادی
۷۸	مولانا فضل الرحمن اعظمی مدظلہ (ایک رمضان منارہ مسجد میں تراویح وتفسیر)

بارڈولی ''منارہ مسجد'' کے افتتاح پر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی تشریف آوری

ہمارے یہاں پُرانی ''منارہ مسجد'' جب کہ وہ نیچے تھی، پھر اس کو نئی تعمیر کر کے اوپر منتقل کر دیا گیا، اس وقت افتتاح کے لیے حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ تشریف لائے تھے اور حضرت کو مسجد کے بارے میں بتایا گیا کہ: یہ مسجد قدیم تھی اور نیچے والے حصے میں تھی، پھر اس کو اوپر منتقل کیا ہے، تو حضرت نے افتتاح کے لیے نماز اوپر نہیں پڑھائی؛ بلکہ قدیم مسجد کا جو حصہ نیچے والی نئی تعمیر میں تھا اسی حصے میں حضرت نے نماز پڑھائی اور حضرت نے کچھ ناراضگی کا بھی اظہار فرمایا۔

اب ذکر ''منارہ مسجد'' کا نکلا ہے تو ساتھ میں یہ بھی عرض کر دوں کہ وہ مسجد جب کہ نیچے تھی اور راستے کی ٹریفک کے بڑھ جانے کی وجہ سے اس کو نئی بنا کر اوپر منتقل کر دیا گیا تو اس پر بہت سارے اشکالات ہوئے، دارالعلوم دیوبند کے مہتمم ''حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ'' بھی تشریف لائے، انھوں نے بھی بتایا کہ آپ لوگوں نے مسجد کو اوپر منتقل کر کے مناسب کام نہیں کیا ہے۔

مرشدی حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی بارڈولی تشریف آوری ''منارہ مسجد'' کا قضیہ

اُس وقت ہمارے بارڈولی کے ذمے داروں نے میرے پیر ومرشد حضرت اقدس فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ — جو اس وقت دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی تھے، ان — کو دعوت دی، حضرت تقریباً ایک ہفتہ بارڈولی میں مقیم رہے اور مرحوم

سلیمان بھائی آبوت کے پرانے مکان — یعنی حارث بھائی آبوت کا پرانا مکان جو اسٹیشن روڈ، کنٹرول کے بازو میں ہے اس — کے اوپر والے حصہ میں مقیم تھے اور گجرات کے بہت سارے مفتیانِ کرام کو بھی یہاں بلایا گیا، پھر حضرت نے پوری بات سن کر مفصل فیصلہ لکھوایا تھا۔

اس فیصلے میں حضرت نے یہ فرمایا تھا: جماعت خانہ (مسجدِ شرعی) کے نیچے جو حوض ہے اس کو فوراً بند کر دیا جائے اور نیچے والا پورا جماعت خانہ بند کر دیا جائے اور روزانہ ایک دو نمازیں اوپر، اور باقی نمازیں نیچے پڑھی جائے۔

اس طرح فیصلہ حضرت نے لکھوایا تھا؛ لیکن بہت طویل زمانے کے بعد نیچے والا حوض بند کیا گیا اور جماعت خانہ بھی بند کر دیا گیا؛ لیکن نماز تو مستقلاً اوپر کے جماعت خانے میں ہی ادا کی جاتی ہے، گویا اس مسئلے پر عمل نہ ہوا۔

منارہ مسجد کے قضیے کی تفصیلات حضرتؒ کے مکتوبات کی روشنی میں

اس کی تفصیلات حضرت اقدس فقیہ الامتؒ کے مکتوبات سے نقل کی جاتی ہیں:

بارڈولی قصبہ کی وہوروواڑ کی مینارہ مسجد کا مسئلہ اس جدید تعمیر میں کچھ تبدیلیوں کی وجہ سے خود محلے والوں کے درمیان متنازع فیہ تھا اور تنازع ختم نہیں ہو رہا تھا، وہاں کے بڑوں کا حضرت مہتمم صاحبؒ (جامعہ ڈابھیل کے مہتمم حضرت مولانا محمد سعید بزرگؒ) اور جامعہ ڈابھیل کے اُس وقت کے صدر مفتی حضرت مفتی اسماعیل کچھولوی صاحب پر اصرار تھا کہ حضرت کو اس نزاع کے تصفیہ کے لیے ہماری طرف سے دعوت دیں، چنانچہ حضرت فقیہ الامتؒ کی بارڈولی تشریف آوری ہوئی، اسی سلسلے میں قائم کیے گئے سوال کا جواب

بھی دیو بند جا کر عنایت فرمایا، سوال و جواب حسب ذیل ہے:

مسجد کی تحتانی یا بالائی منزل میں جماعت، صفوف، اعتکاف وغیرہ کے شرعی احکام پر مشتمل فیصلہ

باسمہ سبحانہ وتعالی

مبسملاً و محمدلاً و مصلیاً و مسلماً

۱۶/ ۴/ ۹۶ کو بارڈولی حاضر ہو کر منارہ مسجد کا مشاہدہ کیا، فریقین کے بیانات لیے اور حسب ذیل امور طے ہوئے:

(۱) یہ مسجد تقریباً پچیس سال سے ہے، قدیم مسجد کی تنگی کی وجہ سے توسیع کی غرض سے از سرِ نو تعمیر ہوئی۔

(۲) یہ مسجد دو منزل بنا کر تعمیر کی گئی۔

(۳) جدارِ قبلہ میں جو سابق مسجد کی محراب تھی وہ ختم کر دی گئی، جس کا حصہ پشتِ مسجد پر سڑک کی جانب اب بھی ظاہر ہے۔

(۴) تحتانی منزل میں منبر نہیں بنایا گیا۔

(۵) جانبِ جنوب حدودِ مسجد میں ایک حجرہ تعمیر کیا گیا جس پر مینارہ بنایا گیا، گویا یہ حصہ مسجد سے منقطع کر دیا گیا۔

(۶) بالائی منزل پر جانے کے لیے زینہ مسجد کے اندر ہی بنایا گیا اور موڑ پر زینہ کے نیچے کوٹھڑی بنادی گئی، یہ حصہ بھی مسجد سے جدا ہو گیا۔

(۷) کثیر تعداد میں ستون قائم کر دیے گئے، جن کی وجہ سے صفوف میں

موزونیت نہیں رہی۔

(۸) حصۂ سقف اور صحن کے درمیان کچھ جگہ پانی کے مٹکے وغیرہ رکھنے کے لیے مسجد سے خارج ہے۔

(۹) بالائی منزل اس انداز سے بنائی گئی کہ جانبِ جنوب بصورتِ برآمدہ کچھ حصہ خارجِ مسجد معلوم ہوتا رہے؛ حالاں کہ وہ مسجدِ قدیم کے اندر ہے۔

(۱۰) جانبِ قبلہ میں بھی کچھ جگہ چھوڑ دی گئی جو خارجِ مسجد معلوم ہوتی ہے؛ حالاں کہ یہ بھی مسجدِ قدیم کے اندر ہے۔

(۱۱) حوض بالائی منزل کے نیچے اندرونِ مسجد ہے۔

(۱۲) حصۂ سقف کے اختتام پر صحن میں آنے کے لیے پانچ دروازے قائم کیے گئے ہیں، درمیانی بڑے دروازے کا نصف اور اس کے جنوبی سمت میں دروازے داخلِ مسجد ہیں، جن کے کچھ بعد مسجد کا صحن ہے اور درمیانی بڑے دروازے کا نصف حصہ اور اس کے شمالی جانب میں دو دروازے خارجِ مسجد ہیں۔

(۱۳) ان دو شمالی دروازوں سے حصۂ سقف میں صرف حوض پر وضو کا کام لیا جاتا ہے اور اس حصۂ سقف کے سامنے صحن ہے جو کہ خارجِ مسجد ہے جس پر نماز نہیں پڑھی جاتی؛ بلکہ افطاری وغیرہ کے لیے یہ جگہ استعمال ہوتی ہے۔

(۱۴) سڑک سے مسجد میں آنے کے لیے صدر دروازہ اس طرح بنایا گیا ہے کہ اس کے سامنے تحتانی اور فوقانی حصہ خارجِ مسجد ہے۔

(۱۵) یہ مسجد سڑک کے سامنے بالکل قریب ہے، گوناگوں سواریوں کے گذرنے سے شور و شغف رہتا ہے، سکون نہیں ہوتا۔

(۱۶) بجلی نہ رہنے کے وقت حصۂ تحتانی میں گرمی ہوتی ہے، کھڑکیاں، دروازے بہت سے ہونے کے باوجود ہوا کی قلّت محسوس ہوتی ہے۔

(۱۷) مسجد کی حیثیت کے مطابق چھت بلند نہیں رکھی گئی۔

(۱۸) اکثر نمازیوں کی خواہش ہے کہ نماز بالائی منزل میں ہوا کرے، عموماً ایسا ہوتا بھی ہے۔

(۱۹) بعض کا کہنا ہے کہ نماز کی جماعت تحتانی منزل میں ہوا کرے؛ کیوں کہ مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے، وہاں نماز بھی مکروہ ہوگی، ہاں! اگر نمازی زائد ہیں اور تحتانی منزل بھر جائے تو باقی لوگ بالائی منزل پر جا کر کھڑے ہوجائیں، اس میں کراہت نہیں۔

(۲۰) ان بعض حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر امام فوقانی منزل میں کھڑا ہو کر نماز پڑھائے اور کچھ مقتدی تحتانی منزل میں اقتدا کریں تو یہ اقتدا درست نہیں۔

امورِ بالا کے پیشِ نظر اصلاحات حسبِ ذیل کرلی جائیں:

(۱) تحتانی منزل میں محراب ومنبر بنالیں۔

(۲) جنوبی سمت میں جو حجرہ حصۂ مسجد میں بنالیا گیا ہے، جس پر منارہ ہے اس میں ایک دروازہ اس طرح کھول دیا جائے کہ صف میں کھڑے ہونے والے مقتدی وہاں کھڑے ہو کر جماعت میں شریک ہو جایا کریں، وقتِ ضرورت وہاں سنتیں بھی پڑھیں اور رمضان المبارک میں وہاں اعتکاف بھی کرلیا جایا کرے، اس اعتبار سے اس کا نام مُعتَکَف بھی ہو جائے۔

(۳) حوض کو ختم کر دیا جائے اور تحتانی حصۂ سقف سب مسجد قرار دے دیا جائے۔

(۴) ستون گرانے سے تعمیر کو نقصان پہونچنے کا مظنہ ہے؛ اس لیے ان کو باقی رکھا جائے۔

(۵) ستون اگر وقتِ جماعت درمیان حائل ہو جائیں تو نماز فاسد نہ ہوگی، نہ مکروہ ہوگی کمافی المبسوط:

والا صطفاف بين الاسطوانة غير مكروه لانه صف فى حق كل فريق وان لم يكن طويلا، وتخلل الاسطوانة بين كتخلل متاعٍ او كفرجةٍ بين الرجلين وذلک لا يمنع صحة الاقتداء۔

(۶) زینہ کے موڑ پر جو کوٹھڑی بنائی گئی ہے اس کو ختم کر دیا جائے، موڑ کی ضرورت ہی نہیں، سامنے جگہ کافی ہے، زینہ سیدھا کر دیا جائے، نیچے سے اوپر تک زینہ کا کچھ حصہ مسجد میں ہے کچھ خارج ہے؛ اس لیے کوئی پٹی لگا دی جائے جس سے حصۂ مسجد اور حصۂ خارجِ مسجد میں تمیز ہو جائے یا رنگ میں فرق کر دیا جائے؛ تاکہ اعتکاف کرنے والے حضرات کو اوپر جانے اور نیچے آنے میں تمیز باقی رہے۔

(۷) حصۂ سقف اور صحن کے درمیان کچھ حصہ پانی کے لیے خارجِ مسجد شمار کیا جاتا ہے اس کو داخلِ مسجد قرار دے دیا جائے۔

(۸) صحنِ مسجد کے متصل جو حصہ افطار وغیرہ کے لیے خالی رکھا گیا ہے جس پر جماعت نہیں ہوتی اس کو بھی مسجد قرار دے دیا جائے۔

(۹) صحن کے اختتام پر جانبِ مشرق مسجد کا مکان ہے وہاں حوض بنا لیں اور

وہیں پانی کے مٹکے رکھنے کے لیے جگہ تجویز کرلیں اور وہیں افطار کے لیے بھی جگہ نکل آئے گی۔

(۱۰) سڑک سے مسجد میں داخل ہونے کے لیے جو صدر دروازہ بنایا گیا ہے اس کو بند کر دیا جائے اور اس کے سامنے کا تحتانی اور فوقانی حصہ مسجد قرار دے دیا جائے، صدر دروازے کے متصل شمالی جانب میں جگہ خالی ہے وہاں صدر دروازہ بنالیا جائے اور اس کے سامنے کی جگہ مسجد سے خارج رکھی جائے؛ تاکہ جائے ضرورت تک پہنچنے کے لیے مسجد کو عبور کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

(۱۱) بالائی منزل میں جانبِ جنوب اور جانبِ قبلہ جو جگہ بصورتِ برآمدہ مسجد سے خارج معلوم ہوتی ہے، اس پر لکھ دیا جائے کہ یہ جگہ مسجد ہے، اتصال کے لیے جنوب سمت میں نمازی وقتِ جماعت کھڑے ہوا کریں۔

(۱۲) جانبِ شمال میں صدر دروازے کے سامنے جو بالائی حصہ ہے اس پر بھی لکھ کر لگا دیا جائے کہ یہ جگہ مسجد ہے، جماعت کے وقت وہاں بھی کھڑے ہوا کریں۔

(۱۳) جانبِ شمال میں صدر دروازے کے سامنے تحتانی حصے کو مسجد قرار دینے کے لیے اس طرف مسجد کے دروازے کھول دیے جائیں کہ صفوف وہاں تک متصل ہو جائیں۔

(۱۴) جماعت تحتانی منزل میں بھی کی جائے، اس مسجد کے پُر ہونے پر زائد آدمی فوقانی منزل پر اقتدا کر سکتے ہیں۔

(۱۵) فوقانی منزل پر بھی جماعت کر سکتے ہیں۔

مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے، جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

الصعود على سطح كل مسجد مكروه ولهذا اذا اشتد الحر يكره أن يصلوا بالجماعة فوقه الا اذا ضاق المسجد فحينئذ لا يكره الصعود على سطحه للضرورة كذافي الغرائب الخ

یہاں تو یہ صورت نہیں؛ کیوں کہ جس طرح تحتانی منزل نماز کے لیے بنائی گئی ہے اسی طرح فوقانی منزل بھی نماز کے لیے بنائی گئی ہے، اس لیے کے محراب ومنبر بھی موجود ہے اور باقاعدہ مسجد کی شان ہے، پس بالاتفاق سطحِ مسجد کا مصداق نہیں، سطحِ مسجد کا مصداق بالائی منزل کی چھت ہے؛ اس لیے بالائی منزل پر جانا، نماز پڑھنا، خطبہ دینا، جماعت کرنا سب کچھ بلا کراہت درست ہے۔

(۱۶) جب بالائی منزل پر جماعت کی جائے اور اس کے پُر ہونے پر بقیہ نمازی تحتانی میں کھڑے ہو کر اقتدا کریں تو یہ صورت بھی درست ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں۔

امام کو تنہا بلندی پر کھڑا ہونا موجبِ کراہت ہے؛ لیکن جب اس کے ساتھ جماعت ہو تو یہ موجبِ کراہت نہیں، نہ امام کے حق میں، نہ نیچے کھڑے ہونے والے مقتدیوں کے حق میں، چنانچہ مراقی الفلاح میں ہے: فتنفي الكراهة بقيام واحد معهٗ۔

نیز فقہانے ''باب الصلوة فی الکعبة'' مستقل منعقد کیا ہے، بحر میں ہے:

ولو قام الامام في الكعبة وتحلق المقتدون حولها جاز اذا كان الباب مفتوحاً لأنهٗ كقيامه في المحراب غيرها من المساجد۔

اور جب امام کے ساتھ بیت اللہ شریف میں مقتدی بھی ہوں تو باہر صحنِ حرم

میں نیچے کھڑے ہونے والوں کی نماز میں کوئی کراہت نہیں مجمع الانہر، سکب الانہر، الدرر والغرر وغیرہ سب کتب میں یہ مسئلہ موجود ہے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم، اتم واحکم

احقر محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، سہارنپور

(ماخوذ از: مکتوباتِ فقیہ الامت ج ۲۲ مط: ادارۃ الصدیق ڈابھیل)

دارالعلوم دیوبند کے صدرالقراء قاری حفظ الرحمن صاحب کی بارڈولی میں امامت

آں مرحوم کے استاذ قاری عبدالرحمن صاحب مکیؒ جب ہندوستان سے حج کے لیے تشریف لے گیے، تو استاذ القراء قاری حفظ الرحمن صاحب پرتاب گڈھی صدر شعبۂ تجوید وقراءات دارالعلوم دیوبند اپنے استاذ کو الوداع کرنے کے لیے بمبئی تک تشریف لائے، مرحوم قاری سلیمان بھی سفر میں ساتھ تھے، جب بمبئی سے قاری عبدالرحمن صاحب روانہ ہوئے تو قاری حفظ الرحمن صاحب کو قاری سلیمان صاحب کے حوالے کیا جو اُس وقت کم عمر تھے اور یہ فرمایا: سلیمان! حفظ الرحمن کو تمھارے حوالے کرتا ہوں، تم اس کو اپنے ساتھ اپنے وطن بارڈولی لے جاؤ اور میری واپسی تک وہیں رکھو۔

چنانچہ تقریباً چھ ماہ تک قاری حفظ الرحمن صاحب بارڈولی میں رہے اور مشہور منارہ والی مسجد میں امامت کی خدمات انجام دیتے رہے۔

یہ واقعہ بندے نے اپنے والدِ مرحوم قاری مولانا سلیمان صاحب سے سنا تھا اور حضرت الاستاذ قاری احمد اللہ صاحب مدظلہ العالی نے بھی اس کی تصدیق فرمائی۔

بارڈولی میں ”ولبھ بھائی پٹیل“ کی انگریز کے خلاف تحریک

”مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانیؒ“ کا تاریخی فتویٰ

۱۹۲۸ء میں ولبھ بھائی پٹیل نے ”کرم سد“ سے آکر بارڈولی میں ایک تحریک کا آغاز کیا، جس میں انگریزوں کی طرف سے کسانوں پر جو ظالمانہ ٹیکس لگائے گئے تھے اس کی مخالفت کی۔

اسی دور میں دارالافتاء جامعہ ڈابھیل سے انگریز کے خلاف حضرت مفتی عتیق الرحمن صاحبؒ نے ایک فتویٰ صادر فرمایا تھا، جس سے انگریز حکومت میں تہلکہ مچ گیا، خود حضرت مفتی عتیق الرحمن صاحبؒ اس واقعے کو اپنے الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

جائیدادوں کی ضبطی اور نیلامی کے اس خوف ناک دور میں گاؤں کے مکھیا نے— جو وہاں پٹیل کہلاتے ہیں— بحیثیت ایک مفتی کے مجھ سے ایک فتویٰ پوچھا، اس فتوی میں پوچھا گیا تھا:

عدمِ ٹیکس کی وجہ سے نیلام پر چڑھی ہوئی جائیدادوں کو خریدنا شرعی نقطۂ نظر سے کیسا ہے؟

میں نے اس کے جواب میں لکھا کہ: ضبط شدہ جائدادوں کو خریدنا ظلم وعدوان کی کھلی حمایت ہے، ایسی جائیدادوں کو خریدنا اور اس کی بولی بولنا حرام ہے۔

اِس فتوے کا دینا تھا کہ پورے گجرات میں ہل چل مچ گئی، پانچ سو(۵۰۰) علما کا ۱۹۲۰ء کا فتویٰ اور میرا یہ فتویٰ ”مسلم گجرات پریس“ نے چھاپ کر لاکھوں کی تعداد

میں تقسیم کیا اور اس فتوے کی وجہ سے وہاں مسلم پریس بھی ضبط ہو گیا۔ (مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ نمبر ص: ۳۴۸)

نوٹ: اُس دور کی کانگریس پارٹی نے گجراتی زبان میں یہ فتویٰ شائع کیا تھا، اسی کا اردو ترجمہ ''اجلاسِ صد سالہ جامعہ ڈابھیل'' کے صفحہ ۱۵۸ پر نقل کر دیا ہے، وہاں سے اس کتاب میں نقل کیا جا رہا ہے:

ظالم انگریز کے خلاف جرأت مندانہ اقدام، ایک تاریخی فتویٰ

حکومت کی طرف سے نیلام کی جانے والی املاک کی خریداری ظالم حکومت کا کھلم کھلا تعاون ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلۂ ذیل میں:

ہندوستان کی ظالم انگریز حکومت کے خلاف جو جنگ جاری ہے اس جنگ کے قائدین حضرات کا کہنا ہے کہ اس ظالم حکومت کے پنجے سے ملک کو آزاد کروانے اور خود رہائی حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ زمین کا محصول ادا نہ کریں، اِس ہدایت پر عمل کرنے کے لیے عوام تیار ہو گئے ہیں اور مال گزاری کی ادائیگی سے انکار کر رہے ہیں، اس پر ظالم حکومت نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ لوگوں کی املاک ضبط کر کے اس کو فروخت کیا جائے، اس کے بعد بہت کم قیمت میں اس کا نیلام کر دیا جائے مثلاً سو (۱۰۰) روپیے قیمت کی چیز پانچ، دس روپیے میں فروخت کر دی جائے، جس سے مظلوم کی حالت ابتر ہو کر ظالم کو مدد پہنچ رہی ہو تو کیا ایسی املاک کو خریدنا جائز ہے؟

جواب: حکومت نے اپنے ظالمانہ قانون کو تقویت پہنچانے اور بے بس و مظلوم

رعایا کو برباد کرنے کے لیے جن املاک پر ظلماً قبضہ کیا ہے ان کو خریدنا کسی کے لیے جائز نہیں، یہ اقدام ظلم و معصیت اور سرکشی کا کھلم کھلا تعاون ہے، اس طرح کے تعاون کو قرآنِ مجید میں صریح الفاظ میں ممنوع قرار دیا گیا ہے، قال اللہ تعالی:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ [المائدۃ:۲]

ایک مسلمان کے لیے اس سے زیادہ ڈھٹائی اور کیا ہوگی کہ ایک ظالم حکومت کے ظالمانہ قبضے کو تقویت پہنچانے کے لیے اپنے بھائی اور پڑوسی کو برباد کرنے میں تعاون کرے۔

تمام باغیرت مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ اس قسم کے نیلام میں شریک ہونے اور بولی لگانے اور خریداری سے بالکل الگ رہیں اور اپنی ایمانی قوت سے یہ ثابت کردیں کہ مذہبِ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کسی بے غیرتی کی اجازت نہیں دیتی۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

عتیق الرحمن عثمانی دیوبندی

مفتیٔ مدرسہ اسلامیہ ڈابھیل

(ماخوذ: اجلاسِ صد سالہ)

نوٹ: (۱) ولبھ بھائی کی اس تحریک کو بارڈولی اور اطراف میں ''ناکر'' کی تحریک سے یاد کیا جاتا ہے۔

(۲) جامعہ ڈابھیل کے اس فتوے پر بارڈولی کے مسلمانوں نے خوب عمل کیا اور ایک مسلمان نے بھی اس طرح کی نیلام میں کسی طرح کا حصہ نہیں لیا۔

اہلِ بارڈولی کے جامعہ ڈابھیل سے قدیم روابط

مادرِ علمی جامعہ ڈابھیل کے ساتھ اہل بارڈولی کے گہرے روابط رہے ہیں، قدیم دور سے جامعہ کے اکابرین کی بارڈولی برابر تشریف آوری ہوتی رہتی ہے اور غلہ اور نقود کی شکل میں بارڈولی سے جامعہ کا تعاون بھی اہلِ بارڈولی اپنی سعادت سمجھتے ہیں، بارڈولی کا مرکزی مکتب بھی جامعہ ڈابھیل کی تعلیمی نگرانی میں جاری ہے۔

میرے مشفق مرحوم مولانا محمد باٹھا صاحب نے ایک واقعہ مجھے سنایا تھا، وہ میں (یعنی مفتی محمود) نے جامعہ ڈابھیل کے مؤرخ حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی مدظلہ العالی کو سنایا تھا، انھوں نے ابھی شائع ہونے والی کتاب ''فتاویٰ جامعہ'' میں اس کو شامل کیا ہے، وہاں سے اس کو نقل کرتا ہوں:

زمین کے متعلق شرعی فیصلہ جس کو ہائی کورٹ نے بھی تسلیم کیا

(بروایت مولانا محمد باٹھا صاحب قاسمی، بارڈولی)

(شاگرد: شیخ الاسلام حضرت مدنی علیہ الرحمہ)

نوٹ: اس واقعے کے راوی مرحوم ایک طویل عرصہ لندن میں ''مجلسِ ختمِ نبوت'' سے منسلک رہے، جس کی برکت سے آپ کے گھر کی امتیازی علامت ہوگئی تھی، کلیپٹن مسجد کے باہر والی لائن میں آپ کا مکان ہے، لندن میں تمام مکان باہر سے ایک ہی طرح کے معلوم ہوتے ہیں؛ لیکن مرحوم کے مکان کے باہر:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٤٠﴾ (الأحزاب)

یہ آیت لکھی ہوئی ہے، جس کی وجہ سے آپ کے مکان کی شناخت آسان ہو جاتی ہے۔

ترجمہ: محمد (ﷺ) تمھارے مردوں میں سے کسی کے (نسبی) باپ نہیں ہیں؛ لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور تمام انبیا کے خاتم ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اچھی طرح جانتے ہیں۔

جب جامعہ ڈابھیل میں "شعبۂ تحفظِ شریعت" کا آغاز ہوا تو آپ کی وساطت سے "ختمِ نبوت" اور "ردِّ قادیانیت" کے موضوع پر کئی کتابیں جامعہ کے اس شعبے کو میسر ہوئی؛ فجزاهم الله خير أحسن الجزاء في الدارين۔

مرحوم کتاب عنایت فرماتے وقت ایک عبارت لکھتے کہ: "میں نہ دیکھی ہوئی دنیا کی تیاری کر رہا ہوں"۔

"لالہ وگل" نامی کتاب میں حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیریؒ نے مولانا باٹھا صاحب کا اپنے استاد حضرت مدنیؒ سے عاشقانہ تعلق کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے، جو پڑھنے کے قابل ہے، شائقین حضرات اسے "لالہ وگل" میں ملاحظہ کر سکتے ہیں، طوالت کے خوف سے ہم یہاں حذف کرتے ہیں۔

اصل واقعہ

ایک مرتبہ سورت میں جمعیتِ علمائے ہند کا تعلیمی کنونشن ہوا تھا، اس کی مناسبت سے چند اہلِ علم حضرات کی معیت میں لاجپور حضرت مولانا مرغوب احمد صاحبؒ — مفتیٔ اعظم رنگون — کی خدمت میں حاضری ہوئی، ہر ایک کا تعارف پوچھا، میرا نمبر آیا تو میں نے کہا: میں محمد باٹھا بارڈولی کا باشندہ ہوں، اس پر مولانا نے فرمایا: باٹھا فیملی کا جھگڑا

ہمارے پاس آیا تھا، پھر اس کی تفصیل انھوں نے سنائی:

بارڈولی میں باٹھا خاندان کے بعض یتیموں کی زمین پر ان کے بعض رشتے داروں نے ناجائز قبضہ کر رکھا تھا، وہاں کے بعض سرآوردہ ذمے داروں نے ان یتیموں کا حق دلوانے کی خاطر زمین کے قابض پر مقدمہ دائر کر دیا، گائیکواڑ کا دور تھا، مقدمہ بڑودہ کی عدالت میں زیرِ سماعت تھا، فریقین بڑودہ کے چکر کاٹتے رہے، بالآخر عدالت کے جَج نے فریقین سے کہا کہ: تم لوگ اپنی شریعت کا فیصلہ کروالو، پھر یہاں عدالت میں پیش کر دو۔

جامعہ ڈابھیل کے اُس دور کے مہتمم حضرت مولانا احمد بزرگ صاحبؒ نے ہی فریقین کو مشورے دیا کہ جامعہ میں حضرت شاہ صاحب ''علامہ کشمیریؒ'' کا قافلہ موجود ہے، کورٹ کا چکر کاٹنے کے بجائے ان ہی حضرات سے شرعی فیصلہ کروالیجیے، فریقین اس بات پر متفق ہو گئے اور حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرعی فیصلے کے طالب ہوئے، حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں، یہ ہمارے آدمی (مراد علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ، مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانیؒ) جو فیصلہ کریں میں اس پر دستخط کر دوں گا۔

چنانچہ فیصلے کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی جس میں حسبِ ذیل حضرات تھے:

(۱) علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ (شیخ الاسلام پاکستان)

(۲) مجاہدِ ملّت مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہارویؒ۔

(۳) مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانیؒ۔

(۴) مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوریؒ (مفتیٔ اعظم برما)

(۵) مولانا مفتی احمد صاحبؒ بزرگ (مہتمِ جامعہ و مفتیٔ اعظم برما)

(۶) جناب ابراہیم پٹیل صاحب بارڈولیؒ۔

ان حضرات نے بذاتِ خود بارڈولی جا کر فریقین کے بیانات تحریری شکل میں نوٹ کیے، ان ہی بیانات کی روشنی میں ''مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہارویؒ'' نے اپنے قلم سے بزبانِ اردو شرعی فیصلہ مرتب فرمایا، جس پر مذکورہ تمام حضرات کے علاوہ علامہ کشمیریؒ کے دستخط لیے گئے۔

فیصلہ کا خلاصہ یہ تھا:

ہم نے فریقین کے بیان لیے، جس سے متنازعہ فیہ زمین کا یتیم بچوں کی ملکیت ہونا ثابت ہوتا ہے۔

چوں کہ اصل فیصلہ اردو زبان میں پیش کیا تھا، عدالت میں پیش کرنے کی خاطر ''مولانا احمد بزرگ صاحبؒ'' نے اسے گجراتی زبان کا جامہ پہنایا اور بڑودہ گائیکواڑ اسٹیٹ کی ہائی کورٹ میں یہ کہہ کر پیش کیا گیا کہ یہ اصل فیصلہ ہے اور یہ اس کا ترجمہ ہے، فیصلہ ہائی کورٹ نے سراہتے ہوئے تسلیم کیا، عدالت کے جج صاحب نے جب یہ جچا تلا فیصلہ ملاحظہ کیا تو سر دھنتا رہ گیا، اس کے الفاظ یہ تھے:

اس سے بہتر فیصلہ میں نہیں کرسکتا، اسی پر میں اپنا Judgement (فیصلہ) صادر کرتا ہوں۔

(بشکریہ: مفتی محمود صاحب بارڈولی زیدمجدہم)

بارڈولی کے باہر کے وہ علمائے کرام جنھوں نے بارڈولی میں دین کی خدمات انجام دی

(۱) مولانا ٹونکی صاحب۔(۲) قاری بندۂ الٰہی صاحب۔(۳) مولانا عمر خان پٹھان (ویارا) صدیق بھائی کے والد(۴) مولانا غلام محمد دیسائی صاحب ترکیسری (حضرت مولانا شیخ زکریاؒ صاحب سہارنپوری کے خلیفہ، جن کی وفات بارڈولی میں ہوئی)(۵) مولانا داؤد سارودی صاحب۔(۶) مولانا یوسف دیسائی ترکیسری۔ (۷) مولانا موسیٰ دیسائی ترکیسری۔

بارڈولی کے چند قدیم علمائے کرام

(۱) مولانا صالح حافظ جی صاحب (اشرف بھائی ویارا والے کے دادا، حضرت مفتی مرغوب احمد لاجپوریؒ کے دوست)(۲) حافظ احمد موسیٰ جی لونت (شبیر بھائی لونت کے دادا)(۳) مولانا احمد موسیٰ پانڈور صاحب۔

(۴) مولانا عبدالحیٔ لونت صاحب (فاروق بھائی مرحوم کے والد، زمین دار)

(۵) مولانا حکیم عبدالحیٔ لونت (والد صاحب کے دوست مولوی ذکی کے والد)

(۶) حافظ عبدالحیٔ علی بھائی(۱۹۵۲ء میں سب سے پہلے بارڈولی سے یو۔ کے جانے والے)

(۷) مولوی اچھّا صاحب (عبدالحیٔ اسماعیل لسنیا)

(۸) مرحوم حافظ محمود صاحب (مولانا اشرف صاحب حافظ جی کے والد)

(۹) حافظ محمد کاریا صاحب (حاجی بلال محمود کاریا کے دادا کے بڑے بھائی)۔

(۱۰) موٹا میاں صاحب (نانا میاں صاحب عبدالعزیز مُلّاؒ کے والد، سکونت: ماچھی واڑ، بارڈولی)

(۱۱) مولانا محمود پانڈور صاحب، جو حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کے شاگرد تھے اور اس دور میں دارالعلوم دیوبند میں ترمذی شریف کے پرچے میں پورے پچاس نمبر حاصل کیے تھے۔ (۱۲) حکیم اسماعیل صاحب (حاجی مبین الحق حکیم کے والد)

(۱۳) مولانا صالح داؤدندوی (مولانا احمدلاٹ صاحب مدظلہ العالی کے رفیقِ در)

(۱۴) حافظ ابراہیم بودی (مولوی اویس بودی کے دادا)

حضرت مولانا صالح حافظ جی کا تعارف

آپ کا اسم گرامی: مولانا صالح یوسف اِسَپُجی حافظ جی ہے۔

آپ کا سنِ ولادت: ۱۸۷۱ء ہے۔

آپ کی ابتدائی تعلیم کا پتہ نہ لگ سکا، البتہ آپ کی اعلیٰ تعلیم کانپور اور دہلی میں ہوئی، آپ کی جو اسانید دستیاب ہوسکیں اس کی مہر سے پتہ چلتا ہے کہ مدرسہ حنفیہ دہلی میں بھی آپ نے تعلیم حاصل کی اور مدرسہ امدادالعلوم کانپور میں بھی آپ نے تعلیم حاصل کی ہے، آپ حافظِ قرآن بھی تھے۔

آپ کے اساتذۂ حدیث میں حضرت علامہ ابوسعید سید احمد پشاوریؒ کا نام ملتا ہے، جو قطبِ عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حضرت مولانا عبدالعلی صاحب کے شاگرد تھے۔

ایک سند کی مہر پر ۱۳۱۱ھ لکھا ہوا ہے اور دوسری سند کی مہر پر ۱۳۱۲ھ لکھا ہوا ہے۔

مدرسہ امداد العلوم کانپور کی سند پر مدرسے کی طرف سے سند دینے والوں میں مولانا عبد الرزاق مدرسِ اول مدرسہ ہذا لکھا ہوا ہے، آپ کی اسانید کی زیر اکس کاپی آپ کے اہلِ خانہ کے پاس موجود ہے۔

آپ کے صاحب زادگان میں دو بیٹے ہیں:

(۱) عبد الحمید صالح حافظ جی۔ (۲) عبد الخالق صالح حافظ جی۔

عبد الحمید کے بیٹے حاجی اشرف عبد الحمید حافظ جی مشہور شخص ہے جن کی شہر ویارا میں میڈیکل سٹور ہے۔

عبد الخالق مرحوم کے صاحب زادگان میں محمد بھائی دوکان والے مشہور آدمی ہے، جو بارڈولی مینارہ مسجد کے قریب رہتے ہیں۔

مرحوم مولانا صالح کے پاس کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ تھا جس کا کچھ حصہ بچپن میں راقم السطور نے بھی شاید دیکھا ہے، ان کی کتابوں کی ایک بہت بڑی مقدار مدرسہ مفتاح العلوم، تَراج میں وقف کر دی گئی تھی، جس کی رسید بھی ورثا کے پاس موجود ہے، خدمتِ دین کی نسبت پر غالباً ''برما'' اور ''موریشش'' کا بھی سفر کیا۔

آپ کے متعلق دو واقعات بہت مشہور ہیں:

(۱) امانت داری کا واقعہ: مرحوم مولانا صالح صاحب کے پاس لکڑے کا ایک بہت بڑا صندوق تھا جس میں چھوٹے چھوٹے بہت سارے خانے بنے ہوئے تھے، مرحوم مولانا صالح صاحب کی امانت داری بہت مشہور تھی، اس زمانے میں بینک وغیرہ کا رواج بھی نہیں تھا، لوگوں کو امانت وغیرہ کا بڑا فکر رہتا تھا، لوگ اپنی قیمتی چیزیں مرحوم مولانا کے پاس رکھتے تھے، مرحوم مولانا ہر ایک کا نام لکھ کر وہ امانت صندوق کے

ایک الگ خانے میں رکھ دیتے تھے اور جب کوئی اپنی امانت واپس لینے آتا تو بعینہ وہ امانت اس کو واپس کرتے تھے۔

(۲) تقویٰ اور احتیاط کا واقعہ: مرحوم مولانا صالح صاحب ایک مرتبہ ایک گاؤں میں تشریف لے گئے، وہاں جا کر معلوم ہوا کہ یہاں کے مسلمان سودی معاملات میں ملوث ہیں، تو مولانا نے کسی کے گھر کھانا نہیں کھایا حتی کہ پانی بھی نہیں پیا اور فوراً ریلوے اسٹیشن جا کر بیٹھ گئے اور ٹرین آئی اس وقت ان کی واپسی ہوئی؛ حالاں کہ اس زمانے میں اس گاؤں میں پورے چوبیس گھنٹے میں صرف ایک یا دو ہی ٹرین آتی جاتی تھی۔ یہ اس گاؤں کی پرانی بات تھی، اب بحمد اللہ! کافی حد تک اصلاح ہو چکی ہے۔

آپ کا انتقال بارڈولی میں ہوا اور بارڈولی مکی مسجد کے متصل قبرستان میں آپ آرام فرما رہے ہیں۔

ہمارے یہاں کے اس زمانے کے ایک مشہور لیڈر ابراہیم بھائی پٹیل مرحوم نے اپنے انتقال کے وقت وصیت کی تھی کہ میری قبر مولانا صالح کی قبر کے پاس بنائی جائے اور واقعہ بھی ہے کہ صالحین کے پڑوس میں قبر سے فائدہ ہوتا ہے کہ اللہ کی جو رحمتیں ان کی قبر پر نازل ہوتی ہیں اس کا فائدہ اڑوس پڑوس والوں کو بھی ہوتا ہے۔

راقمِ سطور کی ناقص معلومات میں ہمارے حافظ جی خاندان کے سب سے پہلے عالمِ دین مرحوم مولانا صالح صاحب ہیں، آپ کے رفقا میں "حضرت مولانا مفتی مرغوب لاجپوریؒ" کا نام مل سکا ہے، جن کے ساتھ مل کر مرحوم مولانا صالح نے ایک مقدمہ کا شرعی فیصلہ کیا، یہ بات مفتی رشید احمد لاجپوری صاحب دامت برکاتہم — نائب شیخ

الحدیث: جامعۃ القراءات کفلیتہ، سورت — نے بتائی۔

مولانا اکرام صاحب اور والد صاحب کی خدمت

ہمارے عزیز مولوی اکرام الحق اصلاً گڑھا کے رہنے والے ہیں؛ لیکن اب تو بارڈولی ہی کے ہو گئے، آپ کی محنتوں سے احسان پارک ایک اچھی آبادی تیار ہو رہی ہے، آپ نے مرحوم والد صاحب کی بڑی خدمت کی ہے، مختلف کاموں کے لیے گاڑی پر بٹھا کر والد صاحب کو یہاں وہاں لے جانا، خاص کر بینک وغیرہ میں لے جانا اس طرح کی متعدد خدمات وہ کیا کرتے تھے۔

ایسے بھی مولوی اکرام صاحب، حاجی شاہد بھملا، مولوی اویس بودی، حاجی بلال کاریا ان کا وجود میرے لیے اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں ہے، میرے بہت سارے کام کاج یہ اپنائیت کے ساتھ انجام دیتے ہیں جس کی وجہ سے مجھے اپنے دینی کاموں میں بڑی سہولت رہتی ہے۔

مولوی اکرام صاحب ایک مرتبہ والد صاحب کو گاڑی پر بٹھا کر بینک کی طرف لے جا رہے تھے تو گاندھی روڈ پر تین چار آدمیوں نے مولوی اکرام صاحب کو ادب اور سلام کے انداز میں ہاتھ سے اشارہ کیا تو اس پر والد صاحب نے ارشاد فرمایا مولوی صاحب a!iLKiiNiti!i KiiNi h!iyi O!(یعنی پہچان تو ایک مستقل کان ہے) اس سے صحیح فائدہ اٹھانا انسان کو سیکھنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ان حضرات کو ان کی خدمات کا بہترین صلہ دنیا و آخرت میں عطا فرمائے، آمین۔

تذکرۂ قاریانِ بارڈولی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گجرات اور علمِ تجوید و قراءات

نوٹ: یہ چند صفحات بندے نے جامعۃ القراءات کفلیتہ کے سیمینار کے موقع پر لکھے تھے، وہ یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

سرزمینِ گجرات کو اللہ تعالیٰ نے بڑی سعادتوں سے نوازا ہے، یہ وہ خطہ ہے جس کو قافلۂ خیر القرون کی آمد پر میزبانِ اول بننے کی سعادت حاصل ہوئی، سرزمینِ عرب سے دعوتِ حق وصداقت کو لے کر چلنے والے یہ قافلے، مختلف عربی قبائل پر مشتمل ہوتے تھے، ہر ایک کے عربی زبان بولنے کا لب ولہجہ مختلف ہوتا تھا، وہ اپنی آمد کے ساتھ ساتھ قرآنِ مجید کی مختلف قراءتوں کو بھی اپنے ساتھ لائے، جس کے لیے کلامِ رسالت میں واضح فرمان موجود ہے:

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔

جن کی تشریف آوری کی برکت سے یہ پورا علاقہ منوّر رہوا، یہ سب حضرات قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کے منشا کے مطابق پڑھنے والے تھے، فرمانِ باری ہے:

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا۔

گویا ان متبرک حضرات کی تشریف آوری کے ساتھ ہی اس علاقے میں قرآنِ مجید مع تجوید مختلف قراءات کے ساتھ پڑھا جانے لگا، جس کی مفصل تاریخ مختلف مقالوں میں سننے اور پڑھنے کو ملے گی۔

نوٹ: ان مقالات کا مجموعہ بنام ”تذکرۂ قاریانِ گجرات“ دو جلدوں میں

جامعۃ القراءات، کفلیتہ سے شائع ہو چکا ہے۔

بعد کے دور میں سلاطینِ گجرات کی دینی فکریں بہت ہی مفید ثابت ہوئیں، یہ سلاطین خود بھی علم و فن، صلاح و تقویٰ کے حامل تھے اور مختلف اہلِ فن کے قدرداں بھی تھے، گجرات کے مشہور صاحبِ تقویٰ سلطان مظفر شاہ حلیم ــ سلطان محمود بیگڑا کے فرزند ــ کے متعلق مفکرِ اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نقل فرماتے ہیں کہ وہ اصولِ تجوید کا علم رکھتے تھے۔ (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر: ۳۰۵)

اِس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عوام اور علما نیز بادشاہوں تک علمِ تجوید و علمِ قراءات کے ماہر تھے، اسی کا ثمرہ ہے کہ آج اس خطے میں اور اس خطے کے باشندگان، عالم میں جہاں کہیں ہیں علمِ تجوید و علمِ قراءات سے تعلق بھی رکھتے ہیں، سیکھنے، سکھانے اور اشاعت کے لیے فکر مند بھی ہیں۔

اگر چہ قرنِ اول سے لے کر آج تک ان دونوں مبارک فن کی جو خدمات ہوئیں، اس کی باضابطہ کوئی تاریخ مرتب نہیں ہو سکی، یہ سیمینار میرے قلیل علم کے مطابق اس سلسلے کی اہم کڑی ہے، اس پر محترم قاری اسماعیل صاحب بسم اللہ مدظلہ واقعی مبارکباد کے مستحق ہیں۔

اِس سلسلے میں ہمارا واقعی حال ایک واقعہ کے ذریعہ عرض کرتا ہوں:

آج سے تقریباً ۳۵ سال پہلے کی بات ہے، دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ سے شائع ہونے والے مشہور رسالہ ''تعمیرِ حیات'' کے اس زمانے کے مدیرِ محترم ''تحریکِ پیامِ انسانیت'' کی نسبت سے گجرات کے دورے پر تشریف لائے تھے، یہاں کے

مدارس، مکاتب کا دورہ کیا، تعلیم و تربیت کا بہترین نظام دیکھا، مدارس میں صفائی اور نظم و ضبط دیکھا، بے حد متأثر ہوئے۔

دورانِ سفر راندیر جامعہ حسینیہ میں بھی حاضری ہوئی، جامعہ حسینیہ میں مدرسین اور علما کے ایک مجمع میں اپنے قلبی تأثرات کو سوالیہ انداز میں پیش کیا:

پورے صوبۂ گجرات میں اتنا زیادہ دینی و علمی کام ہو رہا ہے، پھر بھی صوبے کے باہر کی دنیا کے لوگ آپ کی ان خدمات کو کیوں نہیں پہچانتے؟ جب کہ دوسری جگہوں پر ایک فٹ کام کو دس فٹ بتایا جاتا ہے اور اہلِ گجرات دس فٹ کو ایک فٹ بھی بتانے کے لیے تیار نہیں ہیں؟

یعنی اس کام کی تاریخ جمع نہیں ہوتی، ان کو کتابی شکل میں، مقالوں کی شکل میں لکھا نہیں جاتا۔

پورا مجمع خاموش ہو گیا، اس مجمع میں میرے مشفق محترم قاری یعقوب صاحب مملا بلیشوری ثم بارڈولی ثم ویسماوی ــ خطیب جامعہ غریر دبئ ــ بھی تشریف فرما تھے، جو ان دنوں جامعہ حسینیہ راندیر میں مدرس تھے، قاری یعقوب صاحب مدظلہ نے جواب عرض کرنے سے پہلے وہاں موجود اپنے اکابرین سے شیخ الحدیث حضرت مولانا احمد اللہ صاحبؒ سے اجازت طلب کی، حضرت نے اجازت مرحمت فرمائی، محترم قاری یعقوب صاحب نے حقائق کو آشکارا کرنے والا جواب دیا:

جنابِ مدیرِ محترم! ہمارے اکابرین ایک سے ایک خوبیاں تھیں اور ہمارے اندر عیب یہ ہے کہ ہم میں کوئی صاحبِ قلم نہیں، جو ان خدمات کو قلم کے ذریعہ محفوظ

کر کے آنے والی نسلوں کے لیے رہنما بنائے۔

اللہ کے فضل و کرم سے اب اس سلسلے کے کاموں کا آغاز ہوا ہے، شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اس صوبے کے ہر ہر گوشے میں رجال الفکر والدعوۃ کی ایک بڑی تعداد آپ کو ملے گی، جو اپنی قبروں میں اپنے ساتھ بڑی تاریخی یادیں، نصیحتیں لے کر مدفون ہوئے۔

قافلۂ ختمِ نبوت کے امیرِ محترم قاری سید عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم نے ایک موقع پر فرمایا کہ: کام تو بہت ہوا، بہت ہو رہا ہے؛ لیکن ہم حیوانِ ناطق تو ہیں، اب ضرورت ہے کہ ہم حیوانِ کاتب بھی بنیں۔

بارڈولی اور تجوید و قراءات کی خدمات

گجرات کے ان ہی تاریخی شہروں میں سے ضلع سورت کا ایک مشہور قصبہ بارڈولی ہے، جو ملک کی جنگِ آزادی کے دور میں ولبھ بھائی پٹیل کی تحریکات کی وجہ سے بہت مشہور ہوا، اسی بستی کے قُرّا اور نامور مُجوِّدِین کی کچھ تاریخ اس مقالے میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں:

(۱) میرے والدِ مرحوم کے حقیقی ماموں

قاری سلیمان ماکڑا، عرف: اسرولیا، معروف: سورتی

(شاگردِ رشید امام الفن حضرت قاری عبدالرحمن صاحب مکیؒ)

ہمارے خاندان میں معروف نام "قاری صاحب دادا"۔

نام ونسب

آپ کا اصل نام قاری سلیمان بن فقیر ماکڑا ہے، آبا واجداد بارڈولی کے قریب ایک آبادی میں –جس کا نام ’’اسرولی‘‘ ہے– کاشت کاری کے مقصد سے ایک طویل عرصے تک مقیم رہے، اسی نسبت سے ’’اسرولیا‘‘ سے مشہور ہوئے، آج بھی بارڈولی میں آپ کا خاندان اسی نام سے مشہور ہے، بعد میں مرحوم قاری صاحب کے والد بارڈولی میں مستقل مقیم ہو گئے۔

ولادت وتعلیم

١٠ر فروری ١٨٧٩ء بارڈولی میں ہوئی۔

ناظرہ اور حفظ بارڈولی ہی میں کیا، اُس وقت ہمارے یہاں بارڈولی میں ماچھی واڑ محلے میں ’’ملاں خاندان‘‘ کے دو حضرات قرآن کی تعلیم کی خدمت انجام دیتے تھے؛ اس لیے ان کو ’’میاں صاحب‘‘ کا لقب دیا جاتا تھا۔ اس خاندان میں حفاظ اور اہلِ صلاح حضرات ہوا کرتے تھے، بستی میں مسجد کی امامت اور بچوں کو پڑھانے کی خدمت اسی خاندان کے لوگ انجام دیتے تھے، شاید اسی خاندان کے کسی بزرگ سے انھوں نے حفظ کیا تھا، بعد میں کسی مدرسے میں جا کر مختلف علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی، جن کی تفاصیل حاصل نہ ہوسکیں، البتہ فنِ تجوید وقراءات میں امام الفن قاری عبد الرحمن صاحب مکیؒ سے تعلیم حاصل کی، روایتِ حفص کے علاوہ سبعہ، عشرہ کی بھی مکمل تعلیم حاصل کی۔ ’’تذکرۂ قاریانِ ہند‘‘ میں آپ کا ذکر کچھ اس طرح ہے:

وطن سورت، قرأت سیکھنے کی خاطر الہ آباد قاری عبدالرحمن مکیؒ کی خدمت میں گئے،

تقریباً سات سال تک قیام کر کے عشرہ کی تکمیل کی، وہ بھی حضرت قاری عبد الرحمن مکیؒ کے حالات سے واقف ہیں، بارڈولی میں رہتے تھے (تذکرۂ قاریانِ ہند: ۳/۶۲)

نیز شرحِ فوائدِ مکیہ میں المقری محمد ادریس عاصم نے صفحہ ۳۴ پر آں مرحوم کو حضرت قاری عبد الرحمن مکیؒ کے اجلۂ تلامذہ میں شمار کیا ہے، نیز "فیضانِ رحمت" کتاب میں بھی آپ کا تذکرہ موجود ہے۔

نکاح اور اولاد

اول نکاح بارڈولی ہی میں ہوا تھا، اہلیہ کا نام خدیجہ تھا جن سے یہ اولاد ہوئی:

(۱) شبیر احمد جس کا بچپن میں انتقال ہو گیا تھا۔

(۲) فاطمہ بی بی جن کا نکاح اپنے بھانجے مولانا عبد الحئی اسماعیل لسنیا المعروف بہ مولانا اچھاؒ سے ہوا تھا۔

(۳) عائشہ بی بی جو احمد علی حافظ جی (برطانیہ) کے نکاح میں ہے۔

دوسرا نکاح افریقہ جانے کے بعد ہوا، اہلیہ کا نام زیتون بی بی تھا، جن سے مندرجۂ ذیل اولاد ہوئی:

(۱) صغریٰ (پیٹرس برگ میں)۔

(۲) رابعہ (۳) مریم، اِن ہی کی زیادہ تر کوششوں سے یہ حالات جمع ہو سکے (دونوں جوہانسبرگ میں ہیں)۔

(۴) مرحومہ اسماء (پورٹ ایلیزابیتھ میں)۔

(۵) پانچ بیٹے تھے، جو بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے۔

دینی خدمات

تکمیلِ علوم کے بعد دینی خدمات کا آغاز کہاں سے کیا؟ وہ بھی اب تک معلوم نہیں ہوسکا۔

جامعہ ڈابھیل میں تجوید و قراءت کی خدمات

حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب سملکیؒ جن کا دورِ اہتمام ۱۳۳۹ھ میں شروع ہوا، اُس وقت تک حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی ڈابھیل تشریف آوری بھی نہ ہوئی تھی، اُس دور میں قاری سلیمان اسرولیا صاحب کو جامعہ ڈابھیل میں مدرس بنایا گیا؛ لیکن کچھ مدت کے بعد اہلِ بارڈولی اصرار کر کے حضرت قاری صاحب کو واپس بارڈولی لے آئے، اس کے متعلق جامعہ ڈابھیل کی ۱۳۳۹ھ اور ۱۳۴۰ھ کی روئداد کی عبارت ملاحظہ ہو:

اسمِ گرامی	منصب	وظیفہ	کیفیت
قاری سلیمان فقیر بارڈولی والے	مدرسِ پنجم	۰-۰-۴۰	قاری صاحب نے یہاں قلیل مدت تجوید و قرأت کی تعلیم دی، پھر ذمے دارانِ اہلِ قریہ کے بُلاوے پر وہاں تشریف لے گئے، جس پر ہم مغموم ہیں خیر! بحکمِ خدا رمضان کے بعد کسی قاری صاحب کے تعیّن کی تدبیر کی جائے گی

قاری سلیمان صاحب کی افریقہ میں خدمات

باری سبحانہ وتعالیٰ نے ساؤتھ افریقہ میں آپ کی ذات سے دینی خدمات لینا مقدر فرمایا تھا، چنانچہ ۱۹۲۸ء میں محض خدمتِ دین کی نیت سے بحری جہاز کا سفرِ بامشقت طے فرمایا، یہ وہ زمانہ تھا جب افریقہ میں علما کی قلّت تھی، مدارس بھی بہت کم تھے، عام طور سے تجوید وقرآت سے بھی واقفیت نہیں تھی، ایسے دور میں افریقہ کے مشہور شہر ''ڈربن'' پہنچے۔

پھر آپ صوبہ ٹرانسوال – جس کا جدید نام Gauteng ہے – منتقل ہوئے، افریقہ کے جن شہروں میں آپ نے خدمات انجام دیں ان کے اسما حسبِ ذیل ہیں:

(۱) پرِٹوریا (Pretoria)

(۲) بیتھل (Bethal)

(۳) سپرِنگس (Springs)

(۴) لیس لِز (Leslie)

(۵) پٹرس برگ (Pietersburg)

(۶) وین برگ (Wynberg)

(۷) ۱۹۵۷ء میں تقریباً Mia's farm میں مدرس رہے۔

اِن مذکورہ شہروں میں امامت، حفظ، ناظرہ وتجوید کی مثالی خدمات انجام دیں۔

آپ کے تلامذہ کی تعداد

۱۹۲۸ء سے لے کر ۱۹۷۹ء (یعنی وفات تک) ۵ سال سے زائد عرصے

میں تقریباً بائیس سو(۲۲۰۰) طلبہ کو تیار فرمایا، یہ اُس دور کے اعتبار سے قابلِ رشک تعداد ہے۔

مختلف دینی، ملی، رفاہی خدمات

قرآنِ مجید کی خدمت کے ساتھ دیگر علومِ اسلامیہ کی بھی اشاعت کا کام آپ نے انجام دیا''لغتِ عربی'' کی اشاعت کی طرف خصوصی توجہ عنایت فرمائی۔

بہت سارے مسلمان آپ کی علمی وروحانی مجلس میں حاضر ہوتے، آپ ان کو پندونصائح سے نوازتے۔

ساتھ ہی مختلف رفاہی خدمات بھی انجام دیں: بارڈولی میں مشہور منارہ والی مسجد کی جب جدید تعمیر ہوئی تو اس کے لیے افریقہ سے چندہ وصول کر کے بھیجا۔

سردی کے موسم میں وضو کے لیے گرم پانی کی مشین ''سماوٹ''—جس پر بارہ نل لگے ہوئے تھے، اس—کا آپ نے اپنے طور پر مسجد میں انتظام فرمایا، جس پر آں مرحوم کا نام مرقوم تھا، جس کو پڑھنا برادرِ محترم حاجی احمد کو یاد ہے، اس سماوٹ اور اس سے تیار شدہ گرم پانی سے بچپن میں وضو کرنا خود راقم الحروف کو بھی یاد پڑتا ہے۔

اوصافِ حمیدہ

(الف) اشاعتِ دین کے لیے مجاہدہ

اُس دور کے افریقہ کے حالات کے پیشِ نظر قرآنِ مجید کی خدمت کے لیے اور اشاعتِ دین، حفاظتِ دین، تبلیغِ دین کی خاطر پورے افریقہ کے دور دراز کے سفر

فرماتے، مسلسل کئی راتیں گھر سے دور گزارتے تھے۔

(ب) طلبہ اور عام مسلمین پر شفقت

حصولِ علم کے لیے آنے والے طلبہ اور عامۃ المسلمین کے ساتھ نہایت محبت و شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے، گویا کہ آیتِ کریمہ "فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ" کے اپنے دور میں صحیح مصداق تھے، جس کی وجہ سے علما و عوام میں بہت ہی مشہور تھے، اور حقیقت میں بات بھی یہی ہے کہ معلم کی شفقت اور محبت یہ وہ اوصاف ہیں جو اس کے علم کے عام ہونے کا اور متعلمین کی ترقی کا بہت بڑا ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔

"جامعہ ازہر" مصر کی دعوت

(ج) عربی لب ولہجہ کی ادائیگی کی پختگی اور خوش الحانی

آں مرحوم کو باری سبحانہ وتعالیٰ نے خوش الحانی کی دولت سے نوازا تھا، ساتھ ہی مشق کی پابندی کی وجہ سے آپ کی ادائیگی میں پختگی بھی رہی اور آپ کا لب ولہجہ بالکل عربی انداز کا تھا۔

۱۹۵۳ء میں مصر کے نامور علما و قرا کا ایک وفد ساؤتھ افریقہ آیا، انھوں نے نماز میں آں مرحوم کی قرأت سنی، تو وہ نہ صرف متأثر ہوئے؛ بلکہ آپ کے گرویدہ بھی ہو گئے اور آپ کو مصر قاہرہ میں تدریس کے لیے آنے کی دعوت دی اور اس وفد کے علما آپ کی تمام اسانید سرکاری کارروائی کے لیے لے گئے؛ لیکن آں مرحوم نے افریقہ میں دینی خدمات کا تقاضا سامنے رکھ کر اس پیش کش کو قبول نہ فرمایا۔

آپ کی پُر کیف تلاوت کا منظر

اس دور کی ساؤتھ افریقہ (الافریقة الجنوبية) کی سب سے بڑی جامع مسجد (Grey street Durban) میں جمعہ کی نماز اور خطبہ دیتے تھے، آپ کی پُر کیف تلاوت سے جمعہ کی نماز میں پورا مجمع روتا تھا۔

تراویح سنانے کا معمول

تقریباً ہر سال مکمل قرآنِ مجید تراویح میں سنانے کا معمول رہا، جس مسجد میں آپ کی تراویح طے ہوتی، دور و دراز سے لوگ آپ کی اقتدا کے لیے جمع ہو جاتے، جس کی وجہ سے مسجد میں جگہ نہ رہتی، تراویح میں ایک قرآن کی تکمیل کے بعد، سالہا سال تک ۲۷ رمضان کی شب میں ایک رات میں مکمل قرآن سنانے کا معمول رہا، جس میں پورے صوبہ ٹرانسوال کے لوگ جمع ہو جاتے۔

باوجاہت شخصیت

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو بارعب اور وجیہ شخصیت سے نوازا تھا، گویا آپ "بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ" کے مصداق تھے، چہرے پر قرآنِ مجید کے انوار جگمگاتے ہوتے، سر پر کانجی والی اونچی ٹوپی پہنتے، جس سے وجاہت میں اور اضافہ ہو جاتا، آپ ہمیشہ سچ بات بولنے کے عادی تھے۔

آپ کی محبوبیت کا ایک عجیب واقعہ

ایک مرتبہ کسی جگہ پیدل تشریف لے جا رہے تھے تو کسی افریقی رنگ والے

چور نے آپ پر حملہ کیا اور آپ کا کچھ مال لوٹ لیا، یہ بات آناً فاناً پھیل گئی، تھوڑی دیر میں بہت سارے افریقی لوگوں کا ہجوم جمع ہو گیا اور اس چور کو پکڑ کر لے آئے، سارا مال اس کے پاس سے واپس کروایا اور مجمع نے اس کی سخت تعزیر کی۔

پورے مجمع کی زبان پر ایک ہی بات تھی کہ یہ چور بڑا مجرم ہے؛ اس لیے کہ اس نے ہمارے ایک مؤقر استاذ اور اللہ کے ولی کی گستاخی کی ہے، ان سب کے باوجود حضرت قاری صاحبؒ نے اس کو معاف کر دیا۔

آپ کا کتب خانہ

بارڈولی میں آپ کی ذاتی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ تھا، جو اُس دور میں مواصلات کی دشواری کی وجہ سے افریقہ منتقل نہیں ہو سکا، ہندوستان میں اس زمانے میں مرحوم کے وُرثا میں آپ کے داماد کے انتقال کے بعد اب تک کوئی ذی علم نہ ہوا، جس کی وجہ وہ کتب خانہ مختلف لوگوں کے ہاتھ میں منتشر ہو کر ضائع ہو گیا؛ البتہ تین قیمتی چیزیں اس میں سے بندے کے ہاتھ لگیں:

(۱) ہاتھ سے دو رنگ سے کتابت کیا ہوا قرآنِ مجید۔

(۲) ہاتھ سے کتابت کی ہوئی علامہ جزریؒ کی ”طیبة النشر“ کی شرح۔

(۳) فنِ تجوید و قراءات پر کتاب ”جهد المقل“ اور ”بيان جهد المقل“، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے حاشیہ والا ایک رسالہ؛ ان تینوں کا ایک مجموعہ۔

اُس دور میں یہ کتاب ”جهد المقل“ نایاب تھی، بندے نے یہ نسخہ لا کر اپنے رفیقِ تدریس قاری محمد رضوان صاحب کو دکھایا تو وہ اس کو دیکھ کر جھوم اٹھے۔

آپ کے ہاتھ سے لکھی ہوئی مختلف آیات اور مختلف دینی کلمات کے کتبے افریقہ میں آپ کی صاحب زادی کے پاس موجود ہیں۔

معاشرت میں دین داری

آپ نے یہاں ہندوستان میں اپنی صاحب زادی کا نکاح اپنے حقیقی بھانجے مولانا عبد الحئ اسماعیل لسنیا اچھا صاحب سے کروایا، ان کا تکیۂ کلام ''اچھا اچھا'' ہونے کی وجہ سے ہمارے یہاں بارڈولی میں ''مولانا اچھا'' ہی کے نام سے مشہور ہوئے اور آج تک یہ خاندان اسی نام سے مشہور ہے، آپ کے یہ بھانجے عالمِ دین تھے، آپ نے محض دین داری کی وجہ سے اپنی بیٹی کا نکاح بھانجے مولانا سے کروایا تھا۔

مُلکِ افریقہ کی آزادی کی جنگ اور قاری صاحب کی خدمات

جب افریقہ کی تحریکِ آزادی شباب پر پہنچی اور مختلف تنظیمیں اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھیں اس وقت ''انڈین ٹرانسوال کانگریس'' کے پلیٹ فارم سے آپ نے آزادی کی جنگ میں حصہ لیا، اس کے جلسے کی ابتدا آپ کی قرآت سے اور اختتام آپ کی دعا پر ہوتا۔

وطن کا سفر

افریقہ سے کئی مرتبہ وطن تشریف لاتے رہے، تقریباً ۱۹۶۰ء میں ہندوستان کا ایک سفر ہوا، اس وقت میرے والدِ مرحوم قاری سلیمان صاحب ڈابھیل میں مقیم تھے، تو والد صاحب کے ماموں یعنی قاری سلیمان اسرولیا صاحب بھانجے کے یہاں ڈابھیل

تشریف لائے اور کچھ وقت قیام فرمایا اور ڈابھیل اونچا محلے کی مسجد میں قاری صاحب نے جمعہ کا خطبہ اور نماز پڑھائی، جس کا منظر راقم الحروف کے بڑے بھائی حاجی احمد صاحب کو برابر یاد ہے۔

پھر ۷۴، ۱۹۷۳ء میں ہندوستان کا آخری سفر ہوا، اس وقت بھی بارڈولی کی مینارہ والی مسجد میں جمعہ کی نماز اور خطبہ پڑھایا۔

زندگی کے آخری ایام اور حسنِ خاتمہ

آں مرحوم کو باری تعالیٰ نے شمسی حساب سے ۱۰۰ر سال کی عمر عطا فرمائی، بالکل آخری زمانے میں حافظے میں کمزوری آ گئی تھی، اس کے باوجود صحت کے ساتھ مسلسل قرآنِ مجید کی تلاوت فرماتے تھے، یہ آپ کی بیّن کرامت تھی۔

مؤرخہ: ۱۲ر ربیع الاول مطابق ۹ر فروری ۱۹۷۹ء بروز جمعہ جوہانسبرگ میں آپ کا انتقال ہوا۔

قرآنِ مجید کی خدمات کی برکت سے باری سبحانہ وتعالیٰ نے جمعہ کے مبارک دن میں وفات عطا فرمائی، ذلک فضل اللّٰہ یؤتیه من یشاء- اللھم اغفرہ وارحمه وأدخله الجنة۔

جوہانسبرگ کے New Clare کے قبرستان میں آں مرحوم مدفون ہیں۔



(۲) محترم حافظ قاری مولوی محمود صالح پانڈور

ولادت و تعلیم

۱۹۱۰ء میں آپ کی ولادت بارڈولی ضلع سورت میں ہوئی۔

اولاً بارڈولی ہی میں مولانا عبد الرحیم میاں صاحبؒ سے حفظ کیا، پھر راندیر دار العلوم اشرفیہ میں تعلیم حاصل کی، پھر جامعہ ڈابھیل تشریف لائے ۱۳۵۴ھ میں دورۂ حدیث سے تکمیل کی۔

محدثِ وقت حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ اور اس دور کے دیگر اکابرینِ جامعہ سے علم حاصل کیا، فنِ تجوید میں مہارت قاری محمد یامین صاحب سہارنپوریؒ سے حاصل کی۔

تعلیمی کیفیت

آپ کی تعلیمی کیفیت کے متعلق جامعہ ڈابھیل کے قدیم دفاتر میں جو عبارت ہے وہ درجِ ذیل ہے:

قاری محمود بن صالح بارڈولی، سنِ داخلہ معلوم نہیں۔ تکمیلِ تجوید: ۱۳۵۳ھ، زمانہ قاری محمد یامین صاحب سہارنپوری۔

پڑھی ہوئی کتابیں:

(۱) المقدمۃ الجزریۃ (۲) تحفۃ الاطفال (۳) بدایۃ المستفید (۴) جمال القرآن (۵) مفید الاطفال (۶) فوائدِ مکیہ۔

روایت: روایتِ حفص۔

اپنے بڑوں کے منظورِ نظر

زمانۂ طالبِ علمی ہی میں اپنے بڑوں کے منظورِ نظر رہے، آپ اپنے استاذِ محترم علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے کاتب تھے، علمی تحریرات کے ساتھ، گھریلو حسابات کی خدمت بھی آپ کے سپرد تھی، اُس دور کے جامعہ ڈابھیل کے مہتمم حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب سملکیؒ کے خاص معتمد تھے، مدرسہ کے بہت سارے حسابات اور ڈاک حضرت مہتممؒ صاحب ان ہی سے لکھواتے تھے۔

نکاح اور اولاد

آں مرحوم کی ایک بیوی بارڈولی ہی کی تھی، جن سے سات اولاد ہوئی:

(۱) اسماعیل بھائی پانڈور، جن کی تلاوت اور امامت میں مرحوم والد صاحب کے لب ولہجے کا کچھ اثر نمایاں ہے۔

(۲) فاطمہ۔ جو لنڈن میں مقیم مولانا محمد باٹھا صاحب کے نکاح میں ہے، مولانا بڑے جید عالم اور خادمِ ختمِ نبوت ہیں، حضرت مدنیؒ کے عاشقِ زار، ان کے حضرت مدنیؒ سے عشق کا عجیب واقعہ حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیریؒ نے اپنی کتاب ''لالہ وگل'' میں نقل فرمایا ہے۔

(۳) عائشہ۔

(۴) حفصہ، جو میرے خالہ زاد بھائی حاجی یوسف علی کے نکاح میں ہے۔

نوٹ: دیگر اولاد کے نام اور ان کی تفصیلات معلوم نہ ہوسکیں جو بچپن میں ہی وفات پا گئے۔

دوسرا نکاح ''کھولوَڈ'' میں ہوا، ان سے ایک صاحب زادے کی ولادت ہوئی:

حاجی یونس پانڈور صاحب، جو اس وقت ٹورنٹو، کنیڈا میں مقیم ہیں۔

نوٹ: دیگر اولاد کے نام اور تفصیلات معلوم نہ ہوسکیں۔

دینی خدمات

تکمیل کے بعد بارڈولی، ترکیسر اور کھولوَڈ میں دینی خدمات انجام دیں، تقریباً ۱۹۴۱ء میں جادوت فیملی کے اصرار پر حضرت مولانا اشرف صاحب راندیریؒ کے مشورے سے برما تشریف لے گئے، مولمین (Moulmein) کی سورتی مسجد میں خطیب اور امام مقرر ہوئے (مرتب بندہ محمود بھی اس مسجد کی زیارت کرچکا ہے)۔

بعد میں اسی شہر میں آپ نے یتیم خانہ اور مدرسہ قائم فرمایا، جمعیتِ علمائے برما کے سیکریٹری اور بعد میں صدر بھی منتخب ہوئے ۱۹۵۹ء میں برما سے حجِ بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے، مدینۂ منورہ میں اپنے استاذ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ سے ملاقات کی سعادت حاصل کی۔

آپ کے اوصاف وکمالات

اپنے استاذِ مرحوم حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے طرز پر تقریر وخطابت فرماتے تھے، آپ کا خطاب پُرمغز ہوا کرتا تھا، میرے رشتے کے ماموں داؤد بھائی گجیا کا بیان

ہے کہ ہمارے بارڈولی کے ایک آدمی کے نکاح کے موقع پر مینارہ مسجد کے صحن میں آپ نے تقریر فرمائی، اس میں غیر مسلم بھی بڑی تعداد میں موجود تھے، جس میں بارڈولی کی مشہور بی اے بی ایس (B.A.B.S) ہائی اسکول کے نامور پرنسپل ''جناب بھیم بھائی دیسائی بھی'' موجود تھے، جن کو صدرِ جمہوریہ ہند کی طرف سے تعلیمی کارکردگی پر ایوارڈ ملا تھا، وہ آپ کی تقریر سن کر بے حد متأثر ہوئے اور بار بار لوگوں سے کہتے ''میں نے ایسی تقریر زندگی میں کسی سے نہیں سنی''۔

آپ کو بہشتی زیور زبانی یاد تھی اور زبانی ہی اس کا درس دیا کرتے تھے، جمعہ کا خطبہ بھی عام طور پر زبانی ہی پڑھتے تھے، قرآن بہت عمدہ پڑھتے تھے اور جید حافظ تھے، سالہا سال تک تراویح سنانے کا معمول رہا، پورا سال روزانہ عشا کے بعد دو پارے مکمل تجوید کی رعایت کے ساتھ اپنی اہلیہ محترمہ کو سنایا کرتے تھے۔

ہندوستان کی جنگِ آزادی میں آپ کا حصہ

برما کے سفر سے پہلے کانگریس کے پلیٹ فارم سے آزادی کی تحریکات میں بھی حصہ لیتے رہے، ۱۹۴۷ء میں جب ملک آزاد ہوا، اُس وقت وطن ہندوستان آئے ہوئے تھے۔

آزادی کے بعد فوراً پورے ملک کے ہر شہر میں جشنِ آزادی منایا جارہا تھا، ہمارے بارڈولی کے پولس اسٹیشن کے احاطے میں حکومتی طور پر جشنِ آزادی منایا گیا، پرچم کشائی کے لیے یہ تجویز آئی کہ سب سے پہلے پرچم کشائی بارڈولی کی کسی مؤقر شخصیت سے کرائی جائے، چنانچہ ہندو، مسلم سب نے مل کر قاری محمود صالح صاحب کا

نام تجویز کیا اور آپ کے ہاتھ سے پرچم کشائی ہوئی۔

یہ واقعہ مجھے مرحوم کے صاحب زادے اسماعیل بھائی نے خود سنایا۔

قرآن کی برکت سے جِن کے گھر سے بھاگنے کا عجیب واقعہ

آپ کے فرزند حاجی یونس صاحب کا بیان ہے کہ ۱۹۴۲ء میں جب دوسری عالمی جنگ زوروں پر تھی تو برما میں لوگ اپنی جانیں بچانے کے لیے جنگلوں میں چھپ جاتے تھے۔

کسی ایک مسلمان گھرانے میں ایک کم سن بچی پر جِن کا اثر ہو گیا اور لڑکی اور اس کے گھر والے بہت پریشان رہنے لگے، حضرت قاری صاحب باضابطہ عامل نہیں تھے؛ لیکن اس بچی کی پریشانی کی وجہ سے اس کے اہلِ خاندان کے اصرار پر حضرت جنگل میں تشریف لے گئے، وہ جن اس لڑکی پر حاضر ہوا اور اس نے قاری صاحب سے مندرجۂ ذیل گفتگو کی:

سوال: اس بچی کو آپ کیوں پریشان کرتے ہو؟

جواب: اس نے ہماری جگہ پر پیشاب کیا تھا۔

سوال: اس کم عمر بے چاری بچی کو کیا معلوم کہ یہ تمھاری جگہ ہے، تم بلا وجہ کیوں پریشان کرتے ہو؟

اس جن سے کوئی جواب نہ بن پایا، آخر اس جن نے خود درخواست کی کہ آپ مجھے قرآن پڑھ کر سنائیے، قاری صاحب نے پر کیف لہجے میں سورۂ جن کی تلاوت فرمائی، جس سے وہ جن بہت متأثر ہوا اور توبہ کر کے چلا گیا۔

زندگی کے آخری ایام اور وفات

۱۹۵۹ء میں سفرِ حج سے واپسی کے بعد میمو (Maymo) شہر میں منتقل ہوئے اور وہاں قرآنِ مجید کی خدمت انجام دیتے ہوئے ۱۹۶۲ء میں وفات پائی اور وہیں آپ کا مزار بنا اور آپ اس بشارت کے مصداق بنے ''جس نے غریب الوطنی میں وفات پائی سو وہ شہید ہے''۔

آپ کے لقب میں ''مفتی'' کا لفظ بھی ہے، اس کی تحقیق نہ ہو سکی۔

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کے ''سفر نامۂ برما'' میں آپ کا تذکرہ

سفر نامۂ برما کے صفحہ ۵۸ پر لکھا ہے کہ: حضرت مولانا محمود پانڈور صاحب کی درخواست پر حضرت مہتمم صاحب نے ان کے مدرسہ ''مدرسہ یتیم خانہ اسلامیہ'' مولمین کا معائنہ فرمایا، مولانا پانڈور صاحب نے اہلِ مولمین کو حضرت کی تشریف آوری پر مبارک بادی دی اور حضرت کا شکریہ ادا کیا، مولانا موصوف نے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ سے پڑھا؛ اس لیے غایت درجہ تعلق کا اظہار کیا۔

نوٹ: مرتب بندہ ''محمود'' کی تحقیق کے مطابق قاری صاحبؒ نے حضرت علامہ کشمیریؒ سے نہیں پڑھا، واللہ اعلم۔

(۳) قاری سلیمان بن موسیٰ سورتی ثم وانکانیری

آپ کا خاندان کسی زمانے میں سورت شہر میں تھا، کسی نواب صاحب کے مظالم کی وجہ سے ''وانکانیر'' منتقل ہوا، اس وجہ سے آپ کے خاندان کی نسبت ''سورتی'' مشہور ہوئی۔

ولادت و تعلیم

پاسپورٹ کے مطابق آپ کی ولادت ۱۲؍جمادی الاول ۱۳۴۳ھ بہ مطابق ۹؍دسمبر ۱۹۲۴ء بہ مقام وانکانیر، ضلع سورت میں ہوئی۔

آپ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے خلیفہ حضرت مولانا عبد الصمد صاحب وانکانیری — بانی: دار الیتامیٰ بھروچ — کے چھوٹے بھائی ہوتے ہیں۔

ناظرہ کی تکمیل کے بعد بارڈولی ہی میں مولوی اشرف اور ابراہیم حافظ جی کے مرحوم والد حافظ محمد عرف حافظ صاحب سے حفظ مکمل کیا۔

تکمیلِ حفظ کے بعد جامعہ ڈابھیل میں تعلیم حاصل کی۔

اس کے بعد دار العلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔

بندے نے مولانا ارشد کوکنی صاحب — مدرس: مدرسہ حسینیہ شری وردھن، کوکن — کے واسطے سے بذریعۂ ٹیلی فون معلومات حاصل کی تھی تو حضرت مولانا شوکت صاحب کوکنیؒ — خطیب: جامع مسجد ممبئی — نے بتایا تھا کہ: قاری سلیمان سورتی دار العلوم دیوبند میں میرے ہم درس رہے ہیں۔

اِس مقالہ کی اول اشاعت کے کچھ دنوں بعد بمبئی میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء

بوڑد کی رکنیت کی وجہ سے بورڈ کی خصوصی مجلس میں حاضری ہوئی تو خود حضرت مولانا شوکت صاحبؒ سے بندے نے اس بات کی تصدیق حاصل کی۔

نیز مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں تجوید کی تعلیم حاصل کی، آپ کے تجوید کے اساتذہ میں قاری عبد المعبود صاحب (المتوفی ۱۳۸۲ھ) اور قاری الطاف صاحب دو نام مل سکے ہیں۔

آپ کے داماد جناب عبدالحق سورتی صاحب کے پاس انگریزی میں مدرسہ فرقانیہ سے دیا گیا سرٹیفکیٹ (LC) ہے (غالباً برطانیہ کی ویزا کے لیے بنایا گیا تھا) اُس میں لکھا ہے کہ: مؤرخہ ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۳ء سے لے کر مؤرخہ: ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۹۴۹ء تک قاری سلیمان فرقانیہ میں تھے، دستخط خالد احمد۔

اولاد

آپ کے چار صاحب زادے تھے: (۱) عبدالرشید (۲) سعید (۳) عبدالحیٔ (۴) سلیم (قاری مولوی مفتی اویس بنگ بارڈولی کے بہنوئی) اور ایک صاحب زادی رشیدہ خاتون۔

خدمات

مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں تعلیم کے زمانے میں ''احاطۂ محمد اسحاق'' میں ایک مسجد میں امامت کراتے تھے۔

اس کے بعد راندیر میں کسی مسجد میں امامت کی خدمت انجام دی، پھر ہمارے جامعہ ڈابھیل کے مہتمم میرے مشفق حضرت مولانا محمد سعید بزرگ صاحبؒ ان کو سملک

لے آئے، ۲۸ر سال تک مسلسل سملک مسجد میں امامت اور مکتب کی تعلیم دیتے رہے، رمضان میں کئی سال اکیلے تراویح بھی سنائی، ایسا بھی ہوتا تھا کہ مکمل قرآن سنانے میں ایک مرتبہ بھی غلطی نہ ہوتی۔

آپ کے تلامذہ کی ایک بہت بڑی جماعت ہے، میرے استاذ قاری عبدالرحمن بزرگ — نائب مہتمم: جامعہ اسلامیہ ڈابھیل — اور برادرِ مکرم بھائی احمد صاحب بھی آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔

۱۸ر جون ۱۹۷۵ء کو داماد عبدالحق بھائی سورتی کے اصرار پر برطانیہ تشریف لے گئے اور وولسول اور لندن شہر سٹامفورڈ ہل (Stamford Hill) میں امامت، مکتب و دیگر دینی خدمات انجام دیں۔

اکابر سے تعلق

اولاً حضرت تھانویؒ سے بیعت ہوئے تھے۔

حضرت مدنیؒ سے بھی تعلق رہا، حضرت مدنیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، ایک مرتبہ عید الفطر کے موقع پر حضرت مدنیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے ''شیر خورما'' پلایا اور اپنے مبارک ہاتھ سے عیدی عنایت فرمائی۔

خصوصی اوصاف

نرم مزاج، بڑے صبر کرنے والے تھے، اہلیہ مرحومہ ''حوابی بی'' طویل عرصے تک بیمار رہی، قاری صاحب برابر صبر فرماتے رہے، قلیل تنخواہ پر گزارا کرتے، حضرت مولانا محمد سعید صاحب بزرگؒ ان کا خصوصی خیال رکھتے۔

نماز باجماعت اور تکبیرِ اولیٰ کے بڑے پابند تھے، طلبہ کی تعلیم کا بہت فکر رہتا تھا، مدرسہ اور امامت کے اوقات کے بے مثال پابند تھے۔

بہت اطمینان کے ساتھ متوسط آواز سے پُرکشش لہجے میں نماز میں قرآن پڑھتے، خصوصاً فجر کی نماز میں آپ کی تلاوت سننے کے قابل ہوتی۔

لطائف نوکِ زبان ہوتے، بولنے کا انداز بھی بڑا لطیف تھا۔

ایک لطیفہ

ہمارے جامعہ ڈابھیل کے ناظمِ کتب خانہ، ابوالقراء مولانا موسیٰ صاحب بھڑکودروی مدظلہ ــ جن کی کوششوں سے قاری سورتی صاحب کے حالات جمع کرنے میں بڑی مدد ملی، سملک میں قاری سورتی صاحب کے پڑوسی رہ چکے ہیں ــ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ سملک میں کسی دعوت میں ہم دونوں ایک ساتھ کھانا کھارہے تھے، گجرات میں دوپہر کی دعوت میں عام طور پر دال چاول پکائے جاتے ہیں، اُس دعوت میں یہی کھانا تھا، قاری سلیمان صاحب مرحوم نے دال کے برتن میں دو تین مرتبہ چمچہ گھما کر فرمایا: مولانا موسیٰ! دال بے ایمان ہے (یعنی بغیر گوشت والی ہے)۔

نوٹ: بعض حضرات کو یہ شبہ ہوا کہ امام الفن قاری عبدالرحمن صاحب مکیؒ کے شاگردوں میں جس قاری سلیمان سورتی کا تذکرہ ہے، اس سے قاری سلیمان صاحب سورتی وانکانیری مراد ہے؛ لیکن یہ غلط ہے؛ اس لیے کہ قاری سلیمان سورتی کی ولادت ۱۳۴۳ھ میں ہوئی ہے، جب کہ امام الفن قاری عبدالرحمن مکیؒ کی وفات ۱۳۵۰ھ میں ہوئی ہے، حقیقت یہ ہے کہ قاری عبدالرحمن صاحب مکیؒ کے شاگرد "قاری سلیمان اسرولیا"

ہے جوضلع کی نسبت سے سورتی لکھے گئے ہیں، جن کا تذکرہ پیچھے گذر چکا۔

مؤرخہ ۲۵ر جمادی الآخر ۱۴۰۹ھ مطابق ۳ر فروری ۱۹۷۹ء بروز سنیچر آپؒ کی وفات ہوئی۔

(۴) قاری ابراھیم احمد اَچھالا

آں مرحوم بارڈولی ہی میں پیدا ہوئے، تجوید کی تعلیم مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں حاصل کی، پوری زندگی قرآن کی خدمت میں گزاردی، کثرتِ تلاوت کے پابند تھے، راقم الحروف کو بچپن میں ان کا نورانی چہرہ دیکھنا خوب اچھی طرح یاد ہے۔

آپ کے شاگردوں میں مولانا عبد الخالق موسیٰ، مولانا خلیل ٹکولیا، قاری نور صاحب، حافظ عبد الحق ٹکولیا اور حافظ سلیمان پٹیل قابلِ ذکر ہیں۔

سالہا سال تک مکمل تراویح پڑھائی، آپ کی اولاد بارڈولی میں ''قاری'' کی نسبت سے معروف ہیں، صالح قاری، عاصم قاری وغیرہ۔

برادرِ مکرم مفتی قاری حافظ مولوی ابراھیم گجیا — ناظم: دار الاحسان بارڈولی — کے حقیقی خالو تھے۔

بہت کچھ کوشش کے باوجود ان کے مزید حالات ہم کو مل نہ سکے۔



دیگر قاریانِ بارڈولی ایک نظر میں

اسمائے گرامی	خاندانی نسبت	روایت	استاد	مدرسہ	سنِ تکمیل
قاری عبدالخالق بن ابراہیم بن محمد	موسیٰ انڈے والے	روایتِ حفص قراءاتِ سبعہ	قاری الطاف صاحبؒ قاری سابق صاحبؒ	مدرسہ عالیہ فرقانیہ // لکھنؤ	۱۹۶۷ء ۱۹۶۸ء
قاری خلیل بن محمود بن صالح	ٹکولیہ	روایتِ حفص	قاری محب الدین قاری رمضانؒ	مدرسہ عالیہ فرقانیہ و جامعہ اسلامیہ ڈابھیل	۱۹۷۱ء
قاری حسین بن اسماعیل بن موسیٰ	علی بھائی	روایتِ حفص	قاری مشتاق صاحبؒ	مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ	۱۹۷۱ء
قاری زکی بن عبدالحی بن سلیمان	لونت	//	قاری احمد اللہ صاحب دامت برکاتہم	جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین	-
قاری محمود بن مولانا سلیمان	حافظ جی	سبعہ	//	//	-
قاری اویس بن صالح بن عبدالحی	بنگ	//	//	//	-
قاری آصف بن عبدالمجید	رنگریز	//	//	//	-
قاری طاہر بن مولانا خلیل	ٹکولیہ	//	//	//	-
قاری فیصل بن غلام	لونت	روایتِ حفص	قاری اسماعیل بسم اللہ قاری مظہر لاجپوری	صوفی باغ سورت	-
قاری زین العابدین بن حنیف	لونت (کانٹی والا)	//	قاری صدیق جوگواڑی	//	-
قاری اویس	بھانا	//	//	//	-
قاری نعیم بن سعید	بودی	//	//	//	-
قاری آصف	کاغذی	روایتِ حفص	قاری صدیق جوگواڑی	صوفی باغ سورت	-

قاری نور	گھڑیالی	//	-	دارالعلوم دیوبند	-
قاری ومفتی ابراہیم بن محمد (ناظم: دارالاحسان بارڈولی)	گجیا	//	قاری صدیق صاحب سانسرودی دامت برکاتہم	فلاح دارین ترکیسر	-
قاری اسحاق بن مولانا زکی	لونت	عشرۂ صغیر کبیر، سبعہ، حفص	//	//	-
قاری اقبال بن قاری نور	گھڑیالی	قراءاتِ سبعہ	قاری احمد اللہ صاحب دامت برکاتہم	جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل	-
قاری زید بن شہاب الدین	ملتانی	روایتِ حفص	قاری ثناء اللہ صاحب	جامعۃ القراءات کفلیتہ	-
قاری اسماعیل بن مولانا زکی	لونت	قراءاتِ سبعہ	قاری صلاح الدین صاحب	دارالاحسان بارڈولی	-
قاری عبدالحی بن مولانا زکی	//	//	//	//	-
قاری افضل بن عبدالمجید	رنگریز	//	//	//	-
قاری سہیل بن مولانا سعید	پٹیل	//	//	//	-
قاری اعزاز بن عبدالحی	کاریا	حفص	قاری صدیق جوگواڑی	صوفی باغ سورت	-
قاری عبداللہ بن حاجی احمد	حافظ جی	//	قاری احمد اللہ صاحب دامت برکاتہم	جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل	-
قاری محبوب بن انیس	رنگریز	سبعہ	قاری صلاح الدین صاحب	دارالاحسان بارڈولی	-
قاری غلام	فینسی	حفص	قاری عباس دھرمپوریؒ	جامعہ ڈابھیل	-
قاری اسماعیل مبین	بودی	تجوید	قاری صالح جوگواڑی		-

نوٹ: اس مقالے کا پورا مضمون متفرق طور پر اس کتاب میں آچکا، مقالے کا مابقی حصہ یہاں نقل کیا جارہا ہے۔

خِتَامُہٗ مِسْک

حضرت الاستاذ شیخ القراء امام الفن علّامۂ تجوید و قراءات قاری و مقری حضرت قاری احمد اللہ صاحب دامت برکاتہم کا فیض

محترم حضرات! آپ نے مختلف مقالات میں سن لیا کہ صوبۂ گجرات میں فنِ تجوید اور فنِ قراءات قرنِ اول ہی سے آچکے تھے؛ لیکن ماضی قریب میں یہ فنِ قراءات چند اشخاص اور چند افراد تک محدود ہو کر رہ گیا تھا، اس کی ترویج و تشہیر کے لیے باعتبارِ ادارہ مرکز بننے کی سعادت مادرِ علمی دار العلوم ثانی، ازہرِ ثالث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک کو حاصل ہوئی، گویا اس فن کو شہرت دینے میں جامعہ کو سبقت حاصل ہے۔

اور باعتبارِ شخصیت حضرت قاری احمد اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ سب سے مقدم مقام رکھتے ہیں، جامعہ ڈابھیل کے تاریخ ساز سابق مہتمم: حضرت مولانا محمد سعید بزرگؒ کی کوششوں کی برکت سے حضرت قاری صاحب جامعہ میں تشریف لائے اور فنِ تجوید و قراءات کی مثالی خدمات انجام دیں، جامعہ کے در و دیوار اور اس کے گوشے گوشے مشق کی آوازوں سے گونجنے لگیں، آپ کے تلامذہ عالم کے پانچوں برِّ اعظم میں اس وقت فنِ تجوید کی تاریخی خدمات انجام دے رہے ہیں، گویا حضرت والا کی شخصیت "أُمَّةٌ عَظِيمَةٌ" کی مصداق بن گئی ہے۔

عالَم کے پانچوں برِّ اعظم میں حضرت قاری صاحب کا فیض

دنیا کے نقشے کو اٹھا کر ذرا غور سے دیکھیے! ہر روز جو سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی اول کرنوں سے اقصائے مشرق کے ممالک: فیجی اور نیوزی لینڈ مستفید ہوتے ہیں اور روزانہ غروب ہوتا ہے تو اس کی کرنوں سے اقصائے مغرب کے ممالک میں اہلِ امریکہ سب سے اخیر میں مستفید ہوتے ہیں اور عالم کا وسط یعنی بلادِ حرمین الشریفین کو سامنے رکھو تو برطانیہ اور یورپی ممالک عالم کا یمین معلوم ہوتے ہیں اور ساؤتھ افریقہ عالم کا شمال معلوم ہوتا ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے مجھے میرے مرشدِ ثانی حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کی برکت سے آپ ہی کی معیت میں چہار دانگِ عالم: پانچوں برِّ اعظم میں دین کی نسبت سے سفر کی سعادت حاصل ہوئی، میں اپنے ناقص مشاہدات کی روشنی میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو گواہ بنا کر لکھ رہا ہوں کہ پانچوں برِّ اعظم میں حضرت قاری صاحب مدظلہ کا فیض جاری وساری ہے۔

جب نیوزی لینڈ کا سفر ہوا تو وہاں کی مشہور بڑی مسجد: مسجدِ عمر کے امام قاری محمد پٹیل صاحب سے ملاقات ہوئی، جو کفلیتہ بستی ہی کے اصل باشندے ہیں اور ہمارے جامعہ ڈابھیل کے فاضل ہیں، انھوں نے حضرت قاری صاحب سے فنِ تجوید وقراءات حاصل کیا ہے۔

قاری محمد صاحب اس ملک میں مقیم: فلسطین، مصر، الجزائر اور دیگر ممالک کے مسلمان نوجوانوں کو تجوید سے قرآن پڑھاتے ہیں، راقم الحروف کو جامعہ ڈابھیل کی اپنی تدریس کے دوسرے سال قاری محمد صاحب اور ان کے رفقا کو ترجمۂ قرآن مجید پڑھانے

کی سعادت حاصل ہوئی تھی، اس نسبت سے انھوں نے اپنے تلامذہ کی جماعت کے سامنے بندے کا تعارف عربی، انگریزی مخلوط زبان میں اس طرح کروایا کہ: یہ میرے قرآن کے استاذ ہیں، بس! ان کے تلامذہ کی جماعت مجھ پر ٹوٹ پڑی اور میرے ہاتھ اور پیشانی کو چومنے لگے، اس میں سے ایک بڑا شریف شکل وصورت کا عربی نوجوان قاری محمد صاحب کی طرف اشارہ کر کے مجھے کہنے لگا:

هٰذا تِلْمِيْذُ کَ الْبَارُّ أَيْ أُسْتَاذِي الشَّيْخُ مُحَمَّدُ أَجْوَدُ فِي قِرَاءَاتِ الْقُرْآنِ فِي هٰذِهِ الْبِلَادِ۔

یہ جملہ سن کر مجھے بے انتہا مسرت ہوئی کہ حقیقتاً حضرت الاستاذ حضرت قاری صاحب مدظلہ کا یہ فیض اقصائے مشرق کے ان بلاد میں بھی برابر جاری ہے۔

اقصائے مغرب کے ممالک: امریکہ، کنیڈا، پناما، چیلی وغیرہ میں آپ کے تلامذہ کی ایک بڑی جماعت موجود ہے، جن میں سے آپ کے ایک نامور تلمیذِ رشید صدیقِ محترم قاری یوسف بھولا صاحب بھی ہے، جو محض اس سیمینار (مراد کفلیتہ کا وہ سیمنار ہے جس کے لیے یہ مقالہ لکھا گیا تھا) میں شرکت کی غرض سے امریکہ سے طویل ترین سفر فرما کر اس کی زینت بنے ہوئے ہیں۔

برطانیہ کا کونسا شہر اور دار العلوم ایسا ہے جہاں حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی کے تلامذہ نہ ہوں اور ساؤتھ افریقہ کا تو کہنا ہی کیا؟ وہاں کی مساجد، مدارس، جامعات میں حضرت قاری صاحب کے تلامذہ کی ایک فوج خدمتِ دین میں مشغول ہے۔

ایک مرتبہ راقم الحروف کی افریقہ کے ملک زمبابوے کے شہر ''حرارے'' میں حاضری ہوئی، عشا کی نماز کے بعد وہاں کی ایک مشہور مسجد میں دینی بات عرض کرنا طے

تھا، مجلس کے آغاز میں ایک بلالی النسل نوجوان نے غالباً امام نافعؒ کی روایت سے بہت عمدہ لہجے میں قرآنِ مجید کی تلاوت کی، پورا مجمع جھوم رہا تھا، اللہ! اللہ! اور ماشاء اللہ! کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں، قرآن کی برکت سے مجمع کے ساتھ ساتھ اس بندۂ ضعیف پر بھی رقت طاری ہوئی، آنکھ میں آنسو جاری ہوئے، تلاوت مکمل ہونے پر لوگ مصافحہ اور مبارکبادی کے لیے اٹھے، بندے نے بھی دینی باتیں شروع کرنے سے پہلے ان قاری صاحب سے مصافحہ کیا، مبارک بادی پیش کی۔

پھر انگریزی میں ان سے دریافت کیا کہ: آپ نے فنِ تجوید و قراءات کہاں حاصل کیا؟ ان کے جواب سے میں حیرت زدہ رہ گیا کہ وہ حضرت الاستاذ قاری صاحب دامت برکاتہم کے روحانی پوتے تھے، حضرت کے اولین تلامذہ میں سے مرحوم قاری اسماعیل اسحاق افریقی کے شاگرد تھے۔

میرے ان مشاہدات کی روشنی میں حضرت الاستاذ کی شخصیت بلاشبہ اس شعر کی مصداق ہے۔

آپ کا فیض جا بجا	آپ کا لطف سو بہ سو
سینہ بہ سینہ دل بہ دل	خانہ بہ خانہ کُو بہ کُو

حضرت الاستاذ کا ایک مثالی کارنامہ

تجوید و قراءات کی تبلیغی جماعت

جس زمانے میں حضرت الاستاذ جامعہ ڈابھیل تشریف لائے تو عامۃ المسلمین یہاں تک کہ بعض اہلِ علم بھی ناواقفیت کی وجہ سے جب قراءاتِ سبعہ میں قرآن سنتے

تھے تو اشکال کرتے تھے اور بعض مرتبہ تو یہاں تک کہہ دیتے تھے کہ: یہ کیا غلط قرآن پڑھا جارہا ہے؟

حضرت الاستاذ قاری صاحب نے قراءاتِ سبعہ وعشرہ سے عامۃ المسلمین واقف ہوں اس غرض سے اُس دور میں تجوید وقراءات کے تعارف کی جماعت کا سلسلہ (تبلیغی جماعت کے نہج پر) شروع فرمایا:

مخصوص تلامذہ کو شبِ جمعہ میں اطراف وجوار کے دیہات میں بھیجتے تھے، وہ خود عشا کی نماز کے بعد اعلان کرتے تھے اور پھر الگ الگ قراءتوں میں قرآنِ مجید سناتے تھے اور ''سبعة أحرف'' پر ایک مختصر تقریر ہوتی تھی۔

یہ سلسلہ ایک عرصے تک چلتا رہا جس سے عوام میں اس فن کے سلسلے میں بیداری آئی اور ناواقفیت ختم ہوئی۔

خود راقم الحروف کو بھی دو یا تین شہر میں اس طرح کی مجلس منعقد کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، اگر قرآنِ مجید کی آخری سورتیں اور سورۂ فاتحہ — جو عامۃ المسلمین کو یاد ہوتی ہے — مختلف مواقع پر الگ الگ قراءتوں میں سنائی جائیں تو عوام میں واقفیت بڑھے گی اور اس مبارک فن سے ان شاء اللہ! مناسبت پیدا ہوگی۔

اس سلسلے میں دعوت وتبلیغ کے ذمے دار ایک بڑے عالمِ دین سے بندے نے سنا تھا کہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے کہ: میرا دل چاہتا ہے کہ ہر جماعت کے ساتھ ایک قاری بھی ہو جو سب ساتھیوں کا قرآن صحیح کروائیں اور ایک عالم ہو جو لوگوں کو مسائل سکھائے۔

حضرت قاری صاحب مدظلہ کی حیات سراپا خدمتِ قرآن

حضرت الاستاذ قاری صاحب مدظلہ نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ خدمتِ قرآن کے لیے وقف کر دیا ہے۔

"اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا" (بنی اسرائیل:۷۸) کی فضیلت حاصل کرتے ہوئے بہت سے طلبہ کا صبحِ صادق کے وقت قرآن سنتے ہیں، آپ کی نمازِ فجر کے بعد کی چہل قدمی بھی تلامذہ کا قرآن سننے کے ساتھ ہوتی ہے، درس کے لیے جاتے آتے مختلف طلبہ مقرر ہیں ان کا قرآن سنتے ہیں۔ غرض! صبح سے رات تک تمام تر اوقات قرآنِ مجید ہی کی خدمت کے لیے وقف ہیں۔

قطب را قطب می شناسد

میرے استاذِ محترم مرشدِ ثانی، مربی و مشفق و محسن شیخ الحدیث حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ العالی نے لجنۃ القراء جامعہ ڈابھیل کے سالانہ اجلاس میں ایک مرتبہ اپنی تقریر میں "الحزب الاعظم والورد الافخم" سے قرآنِ مجید کے متعلق یہ دعا پڑھی:

أَنْ تَرْزُقَنِيَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ، وَتُخْلِطَهُ بِلَحْمِيْ وَدَمِيْ وَسَمْعِيْ وَ بَصَرِيْ، وَتَسْتَعْمِلَ بِهِ جَسَدِيْ۔

ترجمہ: تو مجھے قرآن عظیم کی دولت سے نواز اور اسے میرے گوشت، میرے خون اور میرے کانوں اور میری آنکھوں میں رچا بسا دے اور اپنی حفاظت اور قدرت سے اس پر میرے جسم کو عمل پیرا بنا دے۔ (الحزب الأعظم ص: ۱۸۹، مکتبۂ ارشاد، ڈابھیل)

پھر ارشاد فرمایا: واقعتاً حضرت قاری احمد اللہ صاحب کی شخصیت اِس دور میں اِس ماثور دعا کی مصداق ہے، قرآن کی خدمت کو آپ نے اپنی زندگی کا مشن بنالیا ہے۔

اہمیتِ اسناد کے پیشِ نظر اس کی تشہیر وتبلیغ کا انوکھا طریقہ

دورِ حاضر میں حضرت قاری صاحب کا درباب قرأت ایک امتیازی کارنامہ

ارکانِ قراءاتِ صحیحہ میں سے ایک اہم رکن — جس کو محققِ فن علامہ ابن الجزریؒ نے ''رکنِ اعظم واقوم'' لکھا ہے — اتصالِ سند ہے، جس سے آج تقریباً غفلت برتی جارہی ہے، لوگوں کی اس غفلت کو دور کرنے اوراس کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے حضرت نے ایک انوکھا طریقہ اپنا رکھا ہے کہ اپنے تلامذہ کو پابند بناتے ہیں کہ جب بھی مجمعِ عام میں تلاوت کریں تو پہلے کس امام کی کس روایت کو کونسے طریق سے پڑھنے والے ہیں اس کا اجمالاً اعلان کریں اور پھر قرأت کی مذکور روایت کی سند اس کے خاص طریقے سے اصل امام تک بیان کر کے متصل کریں۔

اِس کا نقد فائدہ یہ ہوا کہ پچھلے چند سالوں سے دیگر مدارسِ عربیہ کے علما وقرا نے بھی یہ سلسلہ اپنے تئیں شروع کر دیا ہے اور بتدریج لوگوں کی؛ بالخصوص طلبہ کی توجہ اب اس طرف ہو رہی ہے۔

نوٹ: قراءاتِ صحیحہ کے تین ارکان ہیں:

(۱) وُجوہِ عربیہ نحویہ میں سے کسی ایک وجہ کے موافق ہوں۔

(۲) رسمِ عثمانی کے موافق ہوں۔

(۳) صحیح متصل سند کے ساتھ ثابت ہوں (از مقدمۃ النشر)

پچھلے چند سالوں سے حضرت نے اس طرز پر پڑھانا شروع کیا ہے، یہ ایک منفرد اور انوکھا سلسلہ ہے، دنیا کے نامور قرائے کرام سے بندے کو استفادے کی سعادت حاصل ہوئی؛ لیکن کسی جگہ طُرُق یاد کروا کر طُرُق کی روشنی میں قراءات پڑھانے کا سلسلہ نہیں دیکھا۔

برِّ اعظم افریقہ کے ملک ملاوی کے مفتیٔ اعظم اور امام القراء شیخ عباس سے بھی تفسیر، تجوید، حدیث کی سند حاصل کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، جن کا علمی سلسلہ ملاوی، تنزانیا، زانزی بار وغیرہ ممالک میں پھیلا ہوا ہے، نیز حرمِ مقدس کے ائمہ اور مصر کے نامور قرّا کی مجلس سے استفادے کا موقع ملا؛ لیکن کسی جگہ اس طرز سے تعلیم کا سلسلہ نہیں دیکھا۔

میرے مخلص دوست اور حضرت الاستاذ قاری صاحب کے ایک شاگرد قاری یوسف دَرُوان صاحب — جو دار العلوم ڈیوز بری، برطانیہ کے نامور استاذ اور محقق عالم ہیں — اطرافِ عالم کے قرّائے کرام سے استفادہ کرتے رہتے ہیں، ان کا بھی یہی کہنا ہے کہ: میں نے کہیں پر اس طرز کی تعلیم نہیں دیکھی، اس دور میں حضرت الاستاذ قاری صاحب کے اس طرزِ تعلیم کی روشنی میں، میں بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ:

آپ فنِ تجوید و قراءات میں اِس دور کے مجدد ہیں۔

۱۹۹۷ء میں حرمین شریفین کی پہلی حاضری کی سعادت کے موقع پر مدینۂ منورہ میں اصلاً افغانی النسل قاری صاحب کی زیارت و ملاقات کا شرف حاصل ہوا، بہت ہی نورانی شکل و صورت تھی، عرب و عجم کے طلبہ کی ایک بہت بڑی جماعت روزانہ ان کے

حلقۂ درس میں شریک ہوتی تھی، ان کے بارے میں مشہور تھا کہ مسجدِ نبوی میں آپ کے درس کی مقبولیت کی منامی بشارت حضرت نبیٔ کریم ﷺ کی طرف سے حاصل ہوئی ہے، میرے مخدوم زادے مفتی اسعد خانپوری زید مجدہم کی معیت میں ان کی بابرکت نسبت حاصل کرنے کی نیت سے ہم نے ان کی خدمت میں مشق کی درخواست کی، تین چار روز مسلسل مختلف سورتیں سنانے کی سعادت حاصل ہوئی، موصوف قاری افغانی صاحب نے مجھ جیسے کمزور مشق اور بھائی مفتی اسعد صاحب کا قرآن سن کر فوراً ارشاد فرمایا:

آپ دونوں نے کسی ماہرِ فن سے علمِ تجوید و قراءات کو حاصل کیا ہے۔

عصرِ حاضر میں آپ کا ایک اور تجدیدی کارنامہ

عورتوں میں فنِ تجوید و قراءات کی اشاعت کی فکر

ایک عرصے سے حضرت الاستاذ مدظلہم العالی کو عورتوں میں صحیح قرآن کی تعلیم عام ہو اس کا فکر دامن گیر ہے، بار ہا راقم الحروف سے اس سلسلے میں تاکید فرماتے رہے، حضرت قاری صاحب فرماتے ہیں کہ: کیا عورتوں کے لیے صحیح قرآن پڑھنا ضروری نہیں؟ پھر کیوں اس طرف توجہ نہیں کی جاتی؟

جب دارالاحسان نواپور میں بنات کا شعبہ قائم ہوا تو خود حضرت قاری صاحب تشریف لائے اور بچیوں کا قرآن سنا اور اپنے ایک شاگرد عزیزم قاری جمیل صاحب نویٹھا کو مامور فرمایا کہ: اپنی اہلیہ کو وہاں حاضر رکھ کر روزانہ آدھا گھنٹہ طالبات کے مخرج کی تصحیح اور مشق کرائیں، حضرت قاری صاحب نے مولانا کو دوسری یہ بات بھی تاکیداً ارشاد فرمائی کہ: اپنی بیوی کے مخارج کی تصحیح کرادیں، پھر ان کے ذریعہ طالبات کے

مخارج کی تصحیح کرائیں۔

خود حضرت قاری صاحب ایک عرصے تک مسلسل اون کے مدرسے میں معلمات کو مشق کرانے کے لیے بذاتِ خود تشریف لے جاتے رہے اور اِس وقت ڈابھیل میں دوپہر اور عصر کے بعد اپنے آرام کے اوقات کی قربانی دے کر طالبات اور معلمات کی ایک جماعت کو قراءاتِ سبعہ پڑھا رہے ہیں۔

عورتوں میں تجوید و قراءات کا عجیب واقعہ

اس پر مجھے اپنے پیر و مرشد فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ سے سنا ہوا ایک واقعہ یاد آیا، جس کی تصدیق مع تفصیل استاذی و مشفقی حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہم العالی سے بھی ہوئی۔

ملک کی تقسیم سے پہلے پانی پت میں قرآنِ مجید کے حفظ اور تجوید و قراءات کا ایک عام ماحول تھا، یہاں کی عورتیں بھی اس فن کی ماہرہ ہوا کرتی تھیں، ایک عورت روٹی پکاتے ہوئے اپنے بچے کا قرآن سن رہی تھی، جب بچہ سورۂ یوسف میں ”لا تأمنا علی یوسف“ پر پہنچا اور بچے نے ادغام بلا اشمام کیا — جو امام حفصؒ کی روایت کے مطابق غلطی تھی — تو اس کی والدہ نے آٹے والے اپنے دونوں ہاتھ جھاڑے، پھر بچہ کے ہاتھ سے قرآنِ مجید لے لیا، قرآن بند کر کے اپنی بغل میں دبا دیا اور اپنے بیٹے کی گوشمالی کی، اور ایک چپت لگائی اور ماں نے اپنے بیٹے سے کہا: تجھے معلوم نہیں، یہاں امام حفص کے نزدیک ادغام مع الاشمام یا ادغام مع الروم ہے۔

اس واقعے سے تین باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) اُس زمانے میں پانی پت کی عورتیں تک اصولِ تجوید اور اختلافِ قراءات سے واقف تھیں۔

(۲) وہ ایسی نیک عورتیں تھیں کہ باوضو روٹی پکایا کرتی تھیں، تب ہی تو قرآن ہاتھ میں لیا، جس کے اچھے اثرات ان کی اولاد میں آنا لازم تھے۔

(۳) گھریلو کام کاج کے ساتھ بچوں کی تعلیم وتربیت کا فکر۔

مدینۂ منورہ کے ایک مشہور عالمِ دین کی شہادت

۴/ربیع الاول ۱۴۳۲ھ مطابق ۸/فروری ۲۰۱۱ء عالمِ اسلام کے مشہور محدث اور مصنف شیخ عائض القرنی کی ایک وفد کے ساتھ مدینۂ منورہ سے جامعہ ڈابھیل میں تشریف آوری ہوئی، اس موقع پر حضرت الاستاذ قاری صاحب کے تین شاگرد: عزیزم قاری عبد الرحیم دیولوی، عزیزم قاری احمد ہتھوڑا اور عزیزم قاری سعید کاوی —سلّمھم اللہ— نے مختلف روایات میں مع طریق وسند تلاوت کی۔

اس پر مہمانِ مکرم شیخ عائض القرنی اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے اپنے خطاب میں اس کا خصوصی تذکرہ فرمایا، آپ کی بات کا خلاصہ یہ تھا کہ:

جب آج ہمارے بلادِ عرب میں ہمارے عوام اور ہمارے بہت سے علما ائمۃ القراءات: امام نافع، قالون، ورش، کے نام تک سے واقف نہیں ہیں، ایسے دور میں یہاں پر ان کی مکمل سند اور طرق کے تسلسل کے ساتھ قرآنِ مجید کی تلاوت ہوتی ہے؛ یہ واقعی بڑی حیرت کی بات ہے۔

حقیقت میں یہ سب فیض حضرت الاستاذ قاری صاحب مدظلہ العالی کا ہے۔

مفکّرِ اسلام حضرت مولانا سید علی میاں صاحب ندویؒ کا ایک ملفوظ

مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ فرمایا کرتے تھے: کسی بھی فن میں ترقی، شہرت اور مقبولیت کے لیے دو چیزیں شرط ہیں:

(۱) اخلاص (۲) اختصاص۔

حضرت الاستاذ قاری صاحب دامت برکاتہم میں یہ دونوں خوبیاں بحمد اللہ! موجود ہیں، آپ فنِ تجوید و قراءات میں کامل مہارت کے ساتھ ہمیشہ شہرت طلبی سے دور رہتے ہیں، حضرت کی بس ایک ہی بات ہوتی ہے:

بھائی کام کرو اور دوسری چیزوں کے چکروں میں مت پڑو۔

ہجوم بلبل ہوا چمن میں کیا جو گل نے جمال پیدا
کمی نہیں اکبر قدردانوں کی، کرے تو کوئی کمال پیدا

اللہ تعالیٰ حضرت والا کو صحت و عافیت کے ساتھ طویل عمر عطا فرمائے اور آپ کے ظلِّ شفقت سے ہم تمام کو مستفید فرمائیں۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

نوٹ: یہاں ''تذکرۂ قاریان بارڈولی'' کے عنوان سے لکھا ہوا مقالہ مکمل ہوا۔

اِس مقالے میں میرے والدِ مرحوم قاری سلیمان حافظ جی صاحب کا تذکرہ ایک مضمون کی شکل میں تھا؛ لیکن اس سوانح حیات میں ان کا تفصیلی تذکرہ ہو گیا ہے؛ اس لیے اُس مضمون کو اس مقالے سے حذف کر دیا ہے۔

جامعہ دار الاحسان بارڈولی کا قیام

برادرِ مکرم مفتی محمد ابراہیم گجیا جامعہ فلاح دارین ترکیسر سے تکمیل کے بعد بارڈولی تشریف لائے، جید الاستعداد عالم ہونے کی وجہ سے بارڈولی کے باہر کسی بڑے ادارے میں تدریسی خدمت کے لیے جاسکتے تھے اور اس طرح کی پیش کش بھی ہوئی؛ لیکن انھوں نے بستی ہی میں رہنا پسند کیا، گھر میں بوڑھی ضعیف والدہ بھی حیات تھی۔

پہلے بارڈولی کے مرکزی مکتب سے دینی خدمت کا آغاز کیا، اسی میں آگے چل کر حفظ کے سلسلے کو آگے بڑھایا، پھر اس میں ایسی شکل بھی ہوئی کہ رات کے وقت منارہ مسجد کے تحتانی حصے میں حفظ کی درس گاہ لگتی، اسکول کی تعلیم کے ساتھ طلبہ نے حفظ شروع کیا، فجر کے وقت چائے بھی مسجد میں بن جاتی، طلبہ گھر سے روٹی، بسکٹ کچھ لے آتے: گویا کہ منارہ مسجد ان کی درس گاہ بھی ہوگئی۔

پھر بارڈولی کی بھام فیملی کی طرف سے ایک جگہ کی پیش کش ہوئی، بارڈولی کی مشہور مکی مسجد کے قبلہ رخ میں بھام خاندان کی ایک جگہ تھی جس میں پلینٹ لیول تک تعمیری کام بھی ہوا تھا وہ جگہ انھوں نے مدرسہ بنانے کے لیے خالصۃً لوجہ اللہ! ہبہ کی، انہی دنوں فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ ایک تحریک کے سلسلے میں بارڈولی تشریف لائے ہوئے تھے، اور میری والدہ کے انتقال پر والد صاحب سے تعزیت بھی فرمائی تھی اس وقت ان سے تعمیری سلسلے کی بسم اللہ کرائی گئی، بہت سے علما کی حاضری میں دعا کے ساتھ تعمیری سلسلے کا آغاز ہوا۔

تقریباً انہی دنوں حضرت مولانا پیر ذوالفقار صاحب نقشبندی دامت برکاتہم

العالیہ کا ڈابھیل اور اس کے اطراف کا پہلا دورہ ہوا تھا، ان کی آمد پر ہمارے یہاں جامعہ ڈابھیل میں ایک پروگرام ہوا تھا جس کے لیے اساتذہ میں جب سرکلر جاری ہوا تو اس میں مولانا ذوالفقار صاحب کے نام کے ساتھ "بانئ دارالاحسان امریکہ" کا لفظ بھی لکھا ہوا تھا، بندے کو یہ نام بہت پسند آیا اور ذہن میں رچ بس گیا، پھر جب بارڈولی میں مدرسے کا تعمیری کام شروع ہوا اور دارالاحسان نام کی تجویز پیش کی گئی تو اس کو سب نے منظور کرلیا، بعد میں بندے نے مولانا ذوالفقار صاحب دامت برکاتہم سے حرمین اور زامبیا میں عرض کیا کہ آپ کے تجویز کیے ہوئے نام کا ادارہ بارڈولی میں قائم ہوگیا۔

پھر جب تعمیری سلسلہ مکمل ہوگیا تو اس کے افتتاح کے لیے کسی روحانی شخصیت کا انتظار تھا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمتِ غیر مترقبہ یہ ہوگئی کہ انھی دنوں میرے مشفق اور محسن حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ کا مکان اور مہمان خانہ ڈابھیل میں تیار ہو چکا تو اس وقت حضرت قاری امیر حسن صاحب (ہردوئی) —خلیفۃ: حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ— کی سفرِ افریقہ سے واپسی ہو رہی تھی اور حضرت مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم کی دعوت پر ایک روز کے لیے ڈابھیل تشریف لانا طے ہوا تھا۔

بندے نے افریقہ فون کر کے ہمارے حضرت فقیہ الامتؒ کے جانشین حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈور سے درخواست کی تو ان کی وساطت سے حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ کا کچھ وقت کے لیے بارڈولی تشریف لانا بھی طے ہوگیا اور جمعہ کے دن جمعہ کی نماز میں قاری امیر حسن صاحبؒ کا مسجدِ اقصیٰ میں خطاب ہوا اور نماز کے بعد

دارالاحسان کی نئی تیار شدہ عمارت میں تکمیلِ حفظ کی ایک پر کیف مجلس ہوئی اور حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ کے خطاب اور دعا سے دارالاحسان کی نئی عمارت کا افتتاح ہوا، اسی جمعہ کی شب میں بندے نے ایک بہت ہی اچھا خواب بھی دیکھا تھا جس کی تعبیر میں دارالاحسان اور بندے دونوں کے لیے بہت ساری خیر تھیں۔

اس وقت مدرسے میں حفظ سے لے کر مشکوۃ تک اور فتاویٰ وافتا کی تدریس تک کے درجات کی مثالی تعلیم ہوتی ہے، شروع ہی سے تین حضرات اس کے ٹرسٹی ہوئے:

(۱) برادرِ مکرم مفتی ابراہیم صاحب گجیا۔

(۲) عزیزم مفتی اویس صاحب بنگ۔

(۳) اور بندہ محمود۔

اور مفتی ابراہیم صاحب مزید نظامت واہتمام کی خدمت بھی انجام دیتے ہیں۔

اس کے بعد نواپور میں مدرسہ قائم کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تو بندے نے اپنے مشفق حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم سے پوچھا کہ اس کا کیا نام رکھا جائے تو آپ نے فرمایا: اب ہر جگہ دار الاحسان نام رکھو، صرف بستی کا نام بدلتے رہو۔

بس حضرت کے اس ارشاد کی برکت یہ ہوئی کہ بارڈولی، نواپور، ویارا، سونگڈھ، کڈوڈ، مانڈوی تمام جگہوں پر الحمدللہ! اس نام سے ادارے قائم ہو گئے، اور الحمدللہ! یہ ادارے خالص للہ عطیات سے چل رہے ہیں جس کے بڑے برکات ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس مبارک سلسلے کو بے انتہا قبول فرمائے، آمین۔

شہرِ طیبہ

(از: مرتب مفتی محمود)

کہاں شہرِ طیبہ	۱	کہاں یہ گنبدِ خضریٰ
کہاں یہ گنبدِ خضریٰ	۲	کہاں ظلوم جہول
صلی اللہ علی سیدنا محمد	۳	صلی اللہ علی سیدنا محمد
کہاں روضۂ اقدس	۴	کہاں عاصیٔ و خاطی
کہاں ریاض الجنۃ	۵	کہاں حقیروضعیف بندہ
کہاں محراب و منبر	٦	کہاں ندامت کے آنسو
صلی اللہ علی سیدنا محمد	۷	صلی اللہ علی سیدنا محمد
کہاں مقامِ اصحاب	۸	کہاں دلِ بے قرار
کہاں بابِ جبرئیل	۹	کہاں مقرالذنوب والخطایا
کہاں یہ گنہگار آنکھیں	۱۰	کہاں دیدارِ طیبہ
صلی اللہ علی سیدنا محمد	۱۱	صلی اللہ علی سیدنا محمد
کہاں جالی مبارک	۱۲	کہاں مواجہۂ منور
صلی اللہ علی سیدنا محمد	۱۳	صلی اللہ علی سیدنا محمد
کہاں جبلِ احد	۱۴	کہاں جنت البقیع
صلی اللہ علی سیدنا محمد	۱۵	صلی اللہ علی سیدنا محمد

یا رب صل وسلم دائما ابدا ۱٦ علی حبیبک خیر الخلق کلھم

حصۂ دوم

سوانحِ حیات

بابِ اول

حیاتِ مبارکہ کا ایک خاکہ

حضرت مولانا سلیمان صاحبؒ کی حیاتِ مبارکہ کا ایک خاکہ

(۱) نام: سلیمان بن موسیٰ بن محمود بن صالح۔

(۲) خاندانی نسبت: حافظ جی۔

خاندان کے متعلق مشہور ہے کہ وہ عرب کے کسی علاقے سے ہندوستان آئے تھے، ''حافظ جی'' خاندان ہمارے علاقے میں لاجپور کے قریب کھولی، وانکانیر، بوٹ واڑا، سورت، بودھان اور بارڈولی وغیرہ چند مقامات میں آباد ہے؛ اگرچہ بعد میں حافظ جی خاندان ''ووہورا'' سماج کی ایک شاخ کے طور پر سمجھا جانے لگا۔

''ووہورا'' سماج کا مفصل تعارف میرے رشتے کے چچا، مشہور مصنف اور شاعر ''موسیٰ جی حافظ جی'' — جو ''دیپک بارڈولی کر'' کے لقب سے مشہور ہے، انھوں — نے لکھا ہے۔

اس سلسلے میں آپ کی کتابیں ''(۱) سنی ووہورا (۲) ووہورا مہاجنو (۳) افریقن ملکوں میں جاں باز سورتی ووہورا کے عجیب کارنامے'' قابلِ مطالعہ ہیں۔

اسی طرح میرے خواجہ تاش مؤرخِ عصر ''مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی'' نے ''نقوش بزرگاں جلد اول'' کے مقدمے میں بھی اس پر قدرے روشنی ڈالی ہے۔

(۳) جائے ولادت: بارڈولی، ضلع، سورت، گجرات۔

(۴) سنِ ولادت: اسکول کے ایل سی (L.C) کے اعتبار سے ۱۶ ر نومبر ۱۹۲۰ء میں ہوئی۔

(۵) نکاح: بارڈولی کے مشہور گجیا خاندان میں مرحوم حاجی موسیٰ جی فقیر گجیا کی

بیٹی سے ہوا۔

یہ بھی عجوبہ ہے کہ مرحوم والد صاحب نے ایک مرتبہ بارڈولی مکتب میں امتحان لیا، اس وقت امتحان دینے والے طلبہ وطالبات میں مرحومہ والدہ "مسمیٰ فاطمہ" بھی شامل تھی۔

(۶) تاریخِ نکاح: ۲۲/اگست ۱۹۴۸ء۔

(۷) تاریخِ وفات: ۲۳/اکتوبر ۲۰۰۹ء۔

تعلیم

ابتدائی تعلیم بارڈولی مکتب میں، پھر جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں تقریباً ڈیڑھ سال، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۸ء تک۔

اساتذۂ کرام

(۱) حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ۔

(۲) شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہویؒ۔

(۳) حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ۔

(۴) حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ۔

(۵) حضرت مولانا عبدالاحد صاحب دیوبندیؒ۔

(۶) حضرت مولانا قاری حفظ الرحمن صاحب پرتاپ گڑھیؒ۔

(۷) حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ کے درسِ تفسیر میں بھی شرکت فرمائی۔

اس کے علاوہ اُس دور کے دیگر اکابرینِ دار العلوم سے بھی علم حاصل کیا۔

عصری تعلیم

اسکول صرف ایک سے پانچ تک پڑھی، اس کے باوجود گجراتی و ہندی زبان پر اور حسابیات میں بہت اچھی مہارت حاصل تھی اور قدرے انگریزی بھی جانتے تھے۔

رفقائے درس

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی ابن حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب اور حضرت مولانا عتیق الرحمن صاحب سنبھلی ابن حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ بعض کتابوں میں ہم درس رہے، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ بھی طالب علمی میں ہم زمانہ رہے ہیں۔

آپؒ کے چند رفقا

(۱) الداعی الی اللہ حضرت مولانا غلام محمد موسیٰ جی کفلیتویؒ۔

(۲) مولانا محمد میمی سملکیؒ، جن کی سوانح پر ایک مضمون مرحوم کے نواسے عزیزم مفتی محمود میمی سلمہ سملکی مدرس: جامعہ ڈابھیل کے قلم سے اس کتاب میں مذکور ہے۔

(۳) گودھرا کے مرحوم مولانا ابراہیم چنتامن۔

(۴) مولانا اسماعیل صاحب منوبریؒ۔

(۵) مولانا عبد الصمد صاحب وانکانیریؒ۔

(۶) مولانا محمود دین دار کھولوڈی۔

(۷) مولانا عمر خاں ویارا والے۔

(۸) مولانا اسماعیل کٹھور۔

(۹) والوڈ میں کوساڑی والے مولانا یوسف رندیرا، جو صوفی صاحب سے معروف ہیں۔

(۱۰) مولانا ابراہیم جسات، مانگرولی۔

(۱۱) مولانا محمد جسات، مانگرولی (میرے بہنوئی مولانا عبدالصمد جسات صاحب کے والد)۔

(۱۲) مولانا گھی والا عالی پور (یو۔ کے)۔

(۱۳) مولانا موسیٰ سامرودی (مرکز نظام الدین دہلی)۔

(۱۴) مولانا موسیٰ مٹوار۔

(۱۵) بھائی میاں صاحب لاجپور۔

(۱۶) مولانا منہاج الدین بروڈوی۔

(۱۷) مولانا یوسف صاحب (پیپڑا والا، بارباڈوس)

(۱۸) مولانا ہاشم راوت نصیر پوری، شکر تلاوڑی۔

(۱۹) مولانا ہاشم نصیر پوری، بریڈفورڈ۔

(۲۰) حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی۔

(۲۱) مولانا عبدالحق عمرجی صاحب (کٹھور)

(۲۲) مولانا معین الدین صاحب مرادآبادی۔

(۲۳) مولانا عبدالحق میاں سملکیؒ۔

(۲۴) مولانا سعید بزرگ سملکیؒ۔

(۲۵) مولانا رشید احمد بزرگ سملکیؒ۔

(۲۶) مولانا رشید الدین صاحب مرادآبادیؒ۔

(۲۷) مولانا یوسف صاحب لاجپوری۔

(۲۸) مولانا خلیل صاحب لاجپوری، کینیڈا۔

(۲۹) قاری رمضان صاحب میوات۔

(۳۰) مولوی ذکی کے والد حکیم چاچا لونت۔

(۳۱) قاری جلاد صاحب۔(۳۲) قاری سلیمان سامرودی (یوکے)

(۳۳) مولانا احمد منصور کٹھور۔

مرحوم مولانا غلام محمد صاحب کفلیتویؒ

میرے والد صاحب کے خاص دوستوں میں کفلیتہ کے مرحوم مولانا غلام محمد صاحبؒ تھے، وہ میرے والد کے ساتھ بھائی کی طرح رہتے تھے؛اس لیے ہم سب بھائی بہن ہمیشہ ان کو ''غلام چاچا'' ہی کہتے تھے اور ان کی اہلیہ کو سکینہ چاچی کہتے تھے، انھوں نے بھی ہم سب کو سگی اولاد ہی کی طرح رکھا تھا اور ان کے بھائی عبدالعزیز چاچا ہے۔

بندے کے بچپن میں میری والدہ مرحومہ کے بڑے آپریشن کے موقع پر اور پہلے طویل سفرِ حج کے موقع پر مجھے کفلیتہ میں ان ہی کے گھر رہنے کا موقع ملا، کفلیتہ کے مکتب اور اسکول میں بھی جانا ہوتا تھا، اُس قیام کے زمانے میں مرحوم مولانا غلام

صاحب کی اولاد نے بندے کے ساتھ بھائی جیسا برتاؤ کیا اور آج تک کرتے ہیں۔

مرحوم مولانا غلام محمد صاحبؒ گجرات کے دعوت وتبلیغ کے بانیوں میں سے تھے، مرحوم قاضی صاحب پیرامن والوں کے ساتھ مل کر گجرات میں دعوت وتبلیغ کی محنت شروع کرنے میں آپ نے بڑی کوشش کی۔

لوگوں میں مصالحت کروانا، الجھے ہوئے مسائل کو سلجھانا، نکاح وغیرہ کروانا، یہ سب کام بہت دل چسپی سے کرتے تھے، آپ کی اولاد حسبِ ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا رفیق صاحب، جو بارباڈوس کی جامع مسجد کے خطیب ہیں اور حضرت مولانا قمرالزماں الہ آبادی صاحب مدظلہ العالی کے مجاز ہیں۔

(۲) جناب حافظ ایوب صاحب، جو بڑے دل چسپ آدمی ہے، ''برمنگھم'' میں رہتے ہیں۔

(۳) مولانا زبیر صاحب یہ بھی ''برمنگھم'' میں رہتے ہیں۔

(۴) حافظ نذیر صاحب جو ''دبئی'' کی ایک مسجد کے خطیب تھے۔

(۵) ایک بیٹی ہے جو ''قاری یعقوب مَملا صاحب'' کے نکاح میں ہے۔

(۶) دوسری پانچ صاحب زادیاں، جن میں سے تین برطانیہ، ایک بارباڈوس میں ہے اور ایک سرینام (ساؤتھ امریکہ) میں مفتی بشیر صاحب پیپراوالا کے نکاح میں ہے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم مولانا غلام محمد صاحب اور ان کی اہلیہ کی قبروں کو نور سے منور فرمائے اور انھوں نے بندے کی جتنی بھی خدمت کی اللہ تعالیٰ دارین میں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

والد صاحب کی دینی خدمات

سملک ''مجلسِ خدّام الدین'' میں تقریباً ۱۶ر یا ۱۷ر سال خدمت انجام دی، اس کے بعد زندگی کی آخری گھڑی تک بارڈولی مکتب میں قرآنِ مجید کی خدمت کرتے رہے، نیز بارڈولی کی مختلف مساجد میں امامت کی خدمت بھی انجام دی، اور ساتھ میں کاشت کاری اور اینٹ بنانے کا کاروبار بھی کرتے رہے۔

۱۴ر سال ازہرِ گجرات جامعہ ڈابھیل کی شوریٰ کے معزز رکن رہے۔

جمعیتِ علمائے ہند سے زندگی بھر وابستگی رہی۔

گجرات دینی تعلیمی بورڈ کے مکاتب کے اعزازی ممتحن رہے۔

مجلسِ خدّام الدین سملک کے پوری زندگی رکنِ رکین اور اس کی تمام سرگرمیوں میں برابر شریک رہے، اس کے علاوہ متفرق دینی، ملّی خدمات انجام دیں۔

دینی اسفار

(۱) زندگی میں چار مرتبہ حج کا سفر کیا، اس کے علاوہ عمرہ کے اسفار بھی ہوئے۔

(۲) ملک کی تقسیم سے پہلے حضرت مدنیؒ کے ساتھ آج کے پاکستان کا سفر کیا۔

(۳) بارڈولی ''مسجدِ اقصیٰ'' کی تعمیر کے سلسلے میں چندہ کی وصول یابی کے لیے برطانیہ کا سفر کیا۔

بیعت

آپ نے دو بزرگوں سے اصلاحی تعلق قائم کیا تھا:

(۱) حضرت میاں اصغر حسین صاحب محدث دیوبندیؒ سے۔

(۲) حضرت میاں اصغر حسینؒ کی وفات کے بعد ''شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ'' سے بیعت کی سعادت حاصل ہوئی۔

مرحوم والد صاحب جب بھی اپنے شیخ کا تذکرہ فرماتے تو آنکھوں میں آنسو آجاتے اور بہت ہی عظمت اور عقیدت کے ساتھ اپنے شیخ کا ذکرِ خیر فرماتے۔

مرحوم دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد ایک سال مستقل سفر اور حضر میں حضرت مدنیؒ کی خدمت میں رہے۔

میری والدہ کو بھی حضرت مدنیؒ سے بیعت کی سعادت حاصل ہوئی۔

والدِ مرحوم کو دونوں شیوخ سے بڑی محبت تھی؛ چوں کہ آپ نے دار العلوم کے ابتدائی دور میں حضرت مولانا سید اصغر میاں صاحب دیوبندیؒ کے مہمان خانے میں قیام فرمایا تھا۔

آپ حضرت مدنیؒ اور حضرت میاں صاحبؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے عجیب بات فرماتے:

قیامت کے میدان میں جب بڑا بھیانک اور ہولناک منظر ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور میرے ان دونوں شیوخ کے طفیل میں ان شاء اللہ! عزت و عافیت سے رہوں گا۔ اور اس سلسلے میں اس طرح کا ایک شعر بھی گنگنایا کرتے تھے:

روزِ محشر جب ہوگا ہولناکی کا عالم	لپک کر پکڑ لوں گا دامن اصغر و حسین کا

اپنے بیعت کے ابتدائی ایام کا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ: ایک مرتبہ میں

نے حضرت شیخ الاسلامؒ سے درخواست کی کہ: حضرت! ''پاسِ انفاس'' کا طریقہ تلقین فرمادیجیے، تو حضرتؒ نے ارشاد فرمایا: سلیمان! اس کا نمبر تو بہت بعد میں آتا ہے، ابھی جو اَوراد بتلائے ہیں اسی پر مواظبت فرمائیے۔

اپنے شیخ سے محبت، عقیدت اور ان کی صحبتِ بابرکات کے اثراتِ خیر ہمیشہ آپ کی زندگی میں نمایاں رہے، خصوصاً بے باکی، حق گوئی، عزیمت پسندی، نہی عن المنکر جیسے اوصاف بار بار نمایاں ہوتے، کسی سے بلا وجہ مرعوب ہونا تو آپ کی زندگی میں تھا ہی نہیں، حق بات بے جھجک فرما دیتے، اور اپنے دونوں مرشدوں کے اہلِ خانہ کے ساتھ زندگی بھر تعلقات قائم رکھے۔

معاملات کی صفائی کا ایک اہم واقعہ

ہمارے یہاں مسجدِ اقصیٰ میں ماربل کے پتھر لگا دیے گئے، اب اس کی گھسائی کا کام شروع کرنا تھا، ایک ٹھیکے دار گھسنے کے ماہرین کو لے کر آیا، اس سے اجرت کی بات جاری تھی، اس کے ساتھ جو گھسائی کے کاری گر آئے تھے انھوں نے ہمارے گھر میں مطبخ میں سنگِ مرمر کا جو اسٹینڈ بنا ہوا تھا اس کی گھسائی شروع کردی، ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر ان گھر کا کام بلا اجرت میں کردوں گا تو یہ مسجد کا پورا کام اجرت پر مجھے دلوادیں گے۔ تو مرحوم والد صاحب نے فوراً اس کو روک دیا، پہلی بات یہ فرمائی کہ چاہے ہمارے گھر میں چھوٹا سا کام ہے؛ لیکن اس کی اجرت طے کرو، بغیر اجرت طے کیے ہوئے ہرگز یہ کام میں نہیں کرنے دوں گا، اور یہی ہماری شریعت کی مقدس تعلیم ہے، پہلے سے اجرت طے نہ کرنے کی صورت میں بعد میں ناراضگی اور جھگڑے بھی ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی مسجد، مدرسہ، دینی اور ملی اداروں کے ذمے دار حضرات بھی اس

سے خاص نصیحت حاصل کریں جو دینی ملی کاموں کی آڑ میں اپنے ذاتی مفادات حاصل کرلیتے ہیں۔ والد صاحب یہی فرمارہے تھے کہ میرے گھر کا یہ چھوٹا سا کام معروف اجرت پر کرلو، اس سے اندازہ بھی ہوجائے گا کہ تمھارا کام کیسا ہے؟ پھر مسجد کا کام کروانے میں ہمیں اندازہ ہوجائے گا۔

والدِ مرحوم کا خاندان: بھائی، بہن

میری پھوپھی نے بتلایا کہ دادا مرحوم حاجی موسیٰ محمود حافظ جی نے ایک نکاح افریقہ میں بھی کیا تھا، جس کی تفصیلات معلوم نہ ہوسکیں۔

البتہ ہندوستان آنے کے بعد آپ کا دوسرا نکاح بارڈولی کے ایک مشہور خاندان ''اسرولیا'' میں ہوا، یہ خاندان اصلاً ''ماکڑا'' خاندان ہے، البتہ بارڈولی کے قریب اسرولی نامی ایک چھوٹی بستی میں کچھ عرصہ قیام کرنے کی وجہ سے اِسرولیا خاندان مشہور ہوگیا، اسی خاندان میں قاری سلیمان فقیر اسرولیا— جو حضرت قاری عبدالرحمن صاحب مکیؒ کے اجلِّ تلامذہ میں سے تھے، ان— کی بہن آمنہ کے ساتھ حاجی موسیٰ صاحب کا دوسرا نکاح ہوا، ان سے پانچ لڑکے پیدا ہوئے۔

(۱) محمد علی: جن کا بچپن میں تقریباً ۱۲ ر سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

(۲) حضرت مولانا سلیمان (صاحبِ سوانح)۔ (۳) شوکت علی۔

(۴) حاجی عبدالخالق، جو کباڑی کی تجارت کی وجہ سے ''عبدل بھنگار والا'' سے مشہور ہوئے۔ (۵) حاجی یوسف، جو برطانیہ میں حیات ہیں۔

نوٹ: مرحوم مولانا سلیمان صاحب کے والد ہندوستان کی جنگِ آزادی کے

ایک مجاہد تھے، اس مناسبت سے آپ جیل میں بھی گئے، اُس دور میں ہندوستان کی جنگِ آزادی کے دو مجاہد ''حضرت مولانا محمد علی جوہر'' اور ''حضرت مولانا شوکت علی'' کی نسبت سے اپنے دو بیٹوں کا نام محمد علی اور شوکت علی رکھا۔

آمنہ کے انتقال کے بعد حاجی موسیٰ مرحوم کا ڈابھیل کی ایک بیوہ عورت سے جو ساؤتھ افریقہ سے آئی ہوئی تھی، اس سے تیسرا نکاح ہوا، اِس تیسری عورت رسول بی بی سے تین بیٹے: (۱) عبدالعزیز جو بارڈولی میں حیات ہے۔ (۲) خلیل احمد۔

(۳) شبیر احمد جن کا اناول میں انتقال ہوا اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔

اور چار بیٹیاں ہوئیں:

(۱) زبیدہ، جن کا نواپور میں مشہور ''قاعدہ والا خاندان'' میں نکاح ہوا۔

(۲) عابدہ، جن کا لاجپور میں ''بُلبُلیا خاندان'' میں عبدالحفیظ بُلبُلیا سے نکاح ہوا، جو راقم سطور کے بچوں کی نانی اماں ہوتی ہے اور خود راقم سطور کی پھوپھی ہوتی ہے۔

(۳) عائشہ، جن کا کفلیتہ کے مشہور عالمِ دین قاری عبدالصمد مَمدہ کے ساتھ نکاح ہوا، جنھوں نے بارڈولی اور افریقہ میں بہت اچھی دین کی خدمات انجام دیں۔

(۴) خدیجہ، ان کا بھی لاجپور کے ''بُلبُلیا خاندان'' میں حاجی عبدالرشید بُلبُلیا سے نکاح ہوا۔

نوٹ: حاجی موسیٰ صاحب کی اس تیسری اہلیہ رسول بی بی کی پہلی شادی جہاں ہوئی ان سے بھی کچھ اولاد ہیں جن میں سے ڈابھیل میں حاجی محمود بھیکھا اور مولانا احمد شاکر بھیکھا ہیں۔

مرحوم والد صاحب کی اولاد

مرحوم والد صاحب کی کل پانچ اولاد ہیں:

(۱) مرحومہ ہمشیرہ مریم بی بی جو برطانیہ لندن میں مقیم تھی، جن کی تین اولاد پہلے شوہر سے ہیں: [۱] شعیب [۲] صالح [۳] شاہد۔

انتقال کے وقت مولانا عبد الصمد صاحب جسات کے نکاح میں تھی۔

(۲) حاجی احمد: دینی وملی کاموں میں مشغول رہتے ہیں، جمعیتِ علما، دینی تعلیمی بورڈ اور مسلم اسپتال سے متعلق ہے، اور النور ٹرسٹ، ہفت روزہ امید، باڑولی دار الاحسان اور کچھ عرصہ جامعہ ڈابھیل کی تعمیری کمیٹی میں بھی ممبر رہے، ان کی پانچ بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں: [الف] قاری عبد اللہ صاحب، جو پناما میں مقیم ہیں۔

[ب] قاری عبید اللہ، جو نواپور دار الاحسان کے ناظم ہیں۔

(۳) خدیجہ، جو برطانیہ میں ''بریڈ فورڈ'' میں مقیم ہے، ان کی چار بیٹیاں حیات ہیں اور ایک بیٹے حافظ ابراہیم مرحوم ہو گئے۔

(۴) مولانا محمد مرحوم۔ (۵) محمود (راقم سطور)۔

نوٹ: مرحوم والد صاحب کی اولاد کے ناموں اور تعداد کے سلسلے میں حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کا ایک واقعہ اس کتاب میں ہے۔

برادرم مرحوم مولانا محمد حافظ جی

برادرِ مرحوم کی ولادت: ۴؍ جنوری ۱۹۶۰ء کو ہوئی اور آپ کی وفات مؤرخہ:

۲ر صفر ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۶ر نومبر ۲۰۱۴ء کو لیسٹر، برطانیہ میں ہوئی۔

دینی تعلیم

بارڈولی میں مکتب کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں حفظ اور ابتدائی تعلیم حاصل کی، ان کی تکمیلِ حفظِ قرآن پر مرحوم والد صاحب نے بڑی شاندار دعوت کی، اس پر بہت سارے لوگوں کو تعجب ہوا تو والد صاحب نے ارشاد فرمایا: حفظِ قرآن کی تکمیل حقیقی خوشی ہے اس پر یہ دعوت ہے۔

مرحوم مولانا محمد جامعہ ڈابھیل کے بعد نظام الدین دہلی چلے گئے، جامعہ کے اُس دور کے مہتمم حضرت مولانا محمد سعید بزرگ صاحبؒ نے ان کو نظام الدین بھیجنے کا مشورہ دیا تھا اور نظام الدین مرکز پر مدرسہ کاشف العلوم میں مابقیہ علوم کی تکمیل کی، میرے علم کے مطابق صوبۂ گجرات کے اول طالب علم جنھوں نے مرکز کاشف العلوم سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی ہو وہ میرے بھائی مرحوم مولانا محمد صاحب ہیں اور میری معلومات کے مطابق شہرِ بارڈولی کے علما میں بھائی مرحوم سب سے پہلے ہے جنھوں نے جماعت میں سال لگایا۔

ان ہی کی برکت سے ”حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ، حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوریؒ، حضرت مولانا زبیر صاحبؒ، حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ، حضرت مولانا احمد لاٹ صاحب مدظلہ العالی، حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولا مدظلہ العالی کی خدمت کا بار بار بندے کو موقع ملا ہے۔

بھائی مرحوم مولانا محمد صاحب کی برکت سے حضرت مولانا عبید اللہ صاحب

بلیاویؒ، حضرت مولانا احمدلاٹ صاحب مدظلہ العالی، حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولا مدظلہ العالی، محترم حافظ پٹیل صاحبؒ کی تشریف آوری ہمارے گھر میں ہوئی۔

نیز مرحوم بھائی کی برکت سے بندہ کو دہلی مرکز نظام الدین میں کئی مرتبہ قیام کا موقع ملا اور ''نفحۃ العرب اور ابوداؤد شریف'' کا کچھ حصہ ''شیخ الحدیث والادب حضرت مولانا اظہار الحسن صاحب کاندھلویؒ'' سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ ان نسبتوں کی برکت سے دنیا و آخرت میں بندہ کو مالا مال فرمائیں، آمین۔ (ماخوذ از: خطبات محمود: ۳/ ۱۵۷)

برادرم مرحوم مولانا محمد کے دین کی نسبت سے اسفار

برادرِ مرحوم نے دین کی نسبت سے دنیا کے کئی ملکوں کے اسفار کیے، حضرت مولانا احمدلاٹ صاحب مدظلہ العالی ان کو اپنے بیٹے کی طرح رکھتے تھے، نظام الدین میں طالبِ علمی کے زمانے میں مطبخ میں لکڑیاں کاٹنا، روٹی بنانے میں تعاون کرنا، برتن دھونا، آنے والی جماعتوں کی خدمت کرنا وغیرہ مشقت والے کام بڑی خوش دلی سے انجام دیے، اللہ تعالیٰ مرحوم کی ان خدمات کو قبول فرمائے، آمین۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کی نرالی خدمت

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کو ایک مرتبہ خون چڑھانے کی ضرورت پیش آئی تو مرحوم بھائی کو خون دینے کی سعادت حاصل ہوئی، حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم اس خدمت کو برابر یاد کر کے اس کا ذکرِ خیر فرماتے رہتے ہیں۔

برادرم مرحوم مولانا محمد کا نکاح

برطانیہ، لیسٹر میں محترم مولانا اسحاق ابن حافظ عبدالحق بودی کی ہمشیرہ سے پہلے نکاح ہوا، یہ نکاح مرحوم کے استاذ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ شیخ الحدیث مدرسہ کاشف العلوم نظام الدین مرکز دہلی نے خود پڑھایا تھا، دیوز بری کے اجتماع میں حضرت نے فرمایا کہ: محمد میرا بیٹا ہے، اس کا نکاح میں پڑھاؤں گا۔

پھر ان کے وصال کے بعد دوسرا نکاح ہوا؛ لیکن ان سے طلاق ہوگئی، دوسرا نکاح حضرت مولانا عبدالرحیم متالا اور حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب نے پڑھایا تھا۔

مرحوم کی اولاد میں ایک بیٹا: حافظ اسامہ اور دو بیٹیاں: سعیدہ اور فاطمہ ہیں۔

مرحوم بھانجہ حافظ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ

شروع میں جب میرے برطانیہ کے اسفار کا سلسلہ شروع ہوا تو برطانیہ میں چھوٹی ہمشیرہ خدیجہ کے بیٹے مرحوم بھانجے حافظ ابراہیم سفر میں ساتھ رہا کرتے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کے دل میں حصولِ علم کا شوق پیدا ہوا، اسی نسبت سے وہ ہندوستان تشریف لے آئے اور بندے نے خود اور دوسرے حضرات کے ذریعہ ان کے دروس کا آغاز کیا، بہت ہی شوق اور محنت سے پڑھتے تھے، ان کی بیوی کو ولادت کا وقت نہایت قریب آ گیا اور پہلی مرتبہ کی ولادت تھی؛ اس لیے انھوں نے برطانیہ جانے کا ارادہ کیا، تقدیر کی بات تھی کہ برطانیہ روانگی سے ایک دو روز پہلے ڈابھیل سے نوساری جاتے ہوئے ان کا حادثہ ہوا اور انتقال ہوگیا۔

مرحوم والد صاحب کی طبیعت پر اس کا بڑا اثر ہوا، غسل اور کفن کے بعد مرحوم کا جنازہ رکھا گیا اور ہمارے قریبی تعلق والے حافظ یوسف صاحب منیار سورت والے نے سورہ ''یس'' شریف پڑھی، پھر والد صاحب نے بھانجے مرحوم کی طرف مخاطب ہو کر وہ جملہ نقل فرمایا جو حضرت نبیٔ کریم ﷺ نے اپنے صاحب زادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات پر ارشاد فرمایا تھا:

وَانّا علی فراقک یاابراهیمُ لَمَحزونون۔

مرحوم بھانجے کو ان کے آبائی وطن سملک میں دفن کیا گیا، مرحوم والد صاحب نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی، مرحوم کی اہلیہ سے مرحوم کی وفات کے بعد ایک بیٹے کی ولادت ہوئی جس کا نام محمد اسماعیل ہے، مرحوم کی اہلیہ نے بعد میں دوسری شادی کی اور اس وقت وہ سنگاپور میں مقیم ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ کی معیت میں نیوزی لینڈ کا سفر ہوا تو اس وقت مرحوم کے بیٹے کی ملاقات کی نیت سے اس طرح سفر کا نظام بنایا تھا کہ سنگاپور میں تھوڑی دیر رکنا ہو جائے چنانچہ جاتے اور آتے ہوئے سنگاپور میں قیام رہا۔

اللہ تعالیٰ اس بیٹے کو اپنے مرحوم والد کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے، آمین۔

مرحومہ ہمشیرہ مریم کا ذکرِ خیر

مرحومہ کی ولادت: مؤرخہ ۱۰؍جون ۱۹۴۷ء کو بارڈولی میں ہوئی، اور وفات: مؤرخہ ۱۰؍نومبر ۲۰۱۵ء بروز منگل کو لندن میں ہوئی۔

مرحومہ بڑی خدمت گزار عورت تھی، علما، صلحا کی خدمت کا بہت ہی شوق تھا، لندن میں ہندوستان کے بہت سے اکابرین کی میزبانی کا بارہا ان کو شرف حاصل ہوا۔ مدارس، مکاتب، مساجد وغیرہ میں بہت ہی بڑھ چڑھ کر مالی تعاون کرتی تھی، رشتے داروں کے لیے ان کے مختلف عطیات کا ایک بڑا حصہ ہمیشہ متعین رہتا تھا۔

مرحومہ اوراد واذکار، صوم وصلوۃ کی بڑی پابند تھی، تربیتِ اولاد کی بہت ہی فکر مند رہتی تھی، نہی عن المنکر کا کام برطانیہ میں شرعی پردہ کے ساتھ برابر کرتی اور حلال کمائی حاصل کرنے میں خوب مہارت رکھتی تھی اور اپنی حلال کمائی سے دینی ملّی کاموں میں خطیر رقم خرچ کرتی تھی۔

نکاحِ اول کے بعد جب طلاق واقع ہوئی تو کئی سال تک پوری عفت و پاک دامنی کے ساتھ مجرد زندگی گزاری، مرحوم والد صاحب کو ان کے دوسرے نکاح کی بڑی فکر تھی، بالآخر شرعی حکم کا احترام اور نکاحِ بیوگان کی سنت پر زندگی کے آخری سالوں میں عمل کیا اور ان کا دوسرا نکاح لنڈن شہر کی ''اسٹامفورڈ ہل'' کی مسجد میں ایک بڑے مجمع کی حاضری میں بندے کو پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی اور اس موقع پر نکاحِ بیوگان پر الحمدللہ! ایک جامع خطاب بھی ہوا جس کا اقتباس ''خطباتِ محمود'' میں دیکھا جاسکتا ہے۔

بہنوئی مولانا عبدالصمد صاحب کا ذکرِ خیر

ہمارے بہنوئی ''حضرت مولانا عبدالصمد جسات صاحب'' نے ان کی علالت میں ایک مثالی شوہر بن کر خدمت کی، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

مرحومہ کی تقسیمِ میراث میں انھوں نے مدبرانہ، مخلصانہ، دیانت دارانہ؛ بلکہ

اپنے حصے میں سے ایثار کر کے دینے کا مثالی کارنامہ انجام دیا، سچ یہ ہے کہ ایک عالمِ باعمل تقسیمِ میراث میں شرعی ذمے داری اسی طرح نبھایا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

مولانا عبد الصمد صاحب کے والد مولانا محمد جسات مرحوم اور ان کی والدہ کا میرے والدین کے ساتھ قدیم زمانے سے گہرا تعلق رہا ہے، اسی نسبت سے مولانا محمد جسات مرحوم کی وفات کے موقع پر میرے والدین مرحومین مانگرول ان کے گھر پر بھی گئے تھے اور دو دن وہاں قیام بھی کیا تھا، نیز میرے والد صاحب کے انتقال کے وقت جنازے میں مولانا عبد الصمد صاحب نے اسی قدیم تعلق کی بنیاد پر شرکت کی تھی؛ حالاں کہ اس وقت تک شادی کی کوئی بات بھی نہیں تھی۔

آپ نے جامعہ فلاحِ دارین ترکیسر سے دورۂ حدیث شریف سے تکمیل کی اور ماشاء اللہ! دنیا کے بیشتر ممالک کے سفر کیے، اپنے اساتذہ اور دیگر علما اور رشتے داروں پر خفیہ طور پر بڑے خرچ کرتے رہے ہیں۔

اس سوانح کی اشاعت میں بھی مولانا عبد الصمد صاحب کی طرف سے میری مرحومہ بہن کے ایصالِ ثواب کے لیے ایک اچھی خاصی رقم موصول ہوئی ہے فجزاھم اللّٰہ أحسن الجزاء في الدارین۔

مولانا تہجد اور تلاوت کے بڑے پابند ہیں اور تنازعات کو نمٹانے اور حسنِ تدبیر کی بڑی اونچی دولت حق تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے، نیز معاملات میں آپ کی دین داری قابلِ تقلید ہے۔

آپ کے ایک بیٹے حاجی یحیٰ صاحب اونچے درجے کے دانتوں کے ڈاکٹر ہیں اور ایک بیٹی آسٹریلیا میں مقیم ہے۔

مرحومہ والدہ

راقمِ سطور محمود کی والدہ بہت ہی نیک صالحہ اور اَوراد و اذکار کی بہت ہی پابند خاتون تھیں۔ تہجد، اوابین، اشراق، چاشت کا بڑا اہتمام تھا، تلاوتِ قرآنِ پاک کا بھی بہت پابندی سے معمول تھا، کھانا اور چائے بنانے کے وقت بھی اَوراد و اذکار جاری رہتے۔

سورت میں حافظ یوسف منیار صاحب کی والدہ، بارڈولی میں مولانا اویس بودی کی دادی اماں اور خلیل بھائی بھام کی والدہ سے "رب اخت لم تلدھا امھا" جیسے گہرے تعلقات تھے، وہ سب مل کر مسلمان عورتوں میں دینی فکر کیا کرتی تھیں، بارڈولی میں تبلیغِ دین شروع کرنے والیوں میں سے تھیں۔

اور یہ بات بھی مشہور ہے کہ بارڈولی میں باقاعدہ شرعی برقع بھی سب سے پہلے والدہ مرحومہ نے پہننا شروع کیا تھا۔

میری والدہ کی وفات: ۲۷/ستمبر ۱۹۹۸ء کو ہوئی۔

میری والدہ کا بارڈولی کے مشہور "گجیا" خاندان سے تعلق تھا، میرے نانا "حاجی موسیٰ جی فقیر گجیا" مسجد، مدرسہ کے متولی اور بڑے خدمت گزار تھے۔

حسنِ اتفاق میرے دادا اور نانا دونوں "موسیٰ" کے نام سے ہیں۔

نوٹ: والدہ مرحومہ کی اپنی اولاد کی تربیت کے واقعات بندے کے خطبات

میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

میرے والدین کی وفات

راقم سطور(مفتی)محمود کی والدہ کی وفات مؤرخہ:۶/۶/۱۴۱۹ھ مطابق ۲۷/ستمبر۱۹۹۸ء کو ہوئی۔

والد صاحب حضرت مولانا سلیمان صاحب کی وفات مؤرخہ: ۴/۱۱/۱۴۳۰ھ مطابق: ۲۳/اکتوبر ۲۰۰۹ء میں ہوئی۔

دونوں کی تدفین بارڈولی کے مشہور ’’مکی مسجد والے‘‘ قبرستان میں ہوئی ہے۔

والدِ مرحوم کے جنازہ میں علمائے کرام کا ایک بڑا مجمع تھا اور عوام کا جمِ غفیر تھا۔

برادرِ مکرم حضرت مفتی ابراہیم گجیا صاحب نے بندے کو ایک جملہ ارشاد فرمایا: مرحوم والد صاحب کی زندگی بھی قابلِ رشک تھی اور موت بھی قابلِ رشک ہے۔

والد صاحب کا انتقال شبِ شنبہ مغرب کی نماز کے بعد ہوا تھا، مغرب کی نماز بھی بستر پر اشارے سے ادا فرمائی اور پوتیاں، نواسیاں ارد گرد بیٹھ کر سورۂ یاسین شریف کی تلاوت کرنے لگیں، اس وقت سورۂ یاسین کی تلاوت میں کسی نواسی کی غلطی پر تنبیہ بھی کی۔

جنازے کی نماز میرے استاذ اور مشفق حضرت اقدس مفتی احمد صاحب کے حکم سے بندہ محمود کو پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی اور تدفین کے بعد خود حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی نے دعا کروائی۔



بابِ دوم

حصولِ علم کا شوق

اور عبادات

اللہ والوں کی نظر سے زندگی میں انقلاب

تعلیم و تربیت اور حضرت سید شاہ عطاء اللہ بخاریؒ اور رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ کا کردار

حضرت والد صاحبؒ کا تعلیمی سلسلہ کیسے شروع ہوا؟ خود حضرت والد صاحبؒ بیان فرماتے تھے کہ: مجھے شروع ہی سے علما و صلحا کی خدمت کا شوق تھا۔

ابتدائی تعلیم بارڈولی ہی میں حاصل کی۔

۱۹۳۸ء میں بارڈولی سے قریب ایک گاؤں ”کڈوڈ“ (ہری پورا) میں کانگریس کا ایک اہم اجلاس ہوا، اس میں حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ، رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانویؒ، حضرت مولانا سید عطا اللہ شاہ بخاریؒ اور دیگر بہت سارے قائدینِ ملک وملّت تشریف لائے تھے اور وہ حضرات بارڈولی میں قیام کرتے اور ان حضرات کا بارڈولی سے کڈوڈ (ہری پورا) کے اجلاس میں شرکت کے لیے آنا جانا ہوتا تھا۔

ان میں سے ”رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانویؒ اور حضرت مولانا شاہ عطا اللہ بخاریؒ یہ دونوں حضرات وہوروا ڈاسٹیشن روڈ پر مرحوم محمود بھائی مِنجان والا — جو ماموں کے لقب سے مشہور تھے — کے مکان میں مقیم تھے، والد صاحبؒ ان کی خدمت میں جایا کرتے تھے، اس وقت حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانویؒ اور حضرت مولانا شاہ عطا اللہ بخاریؒ نے والد صاحب کی خدمت سے خوش ہو کر پوچھا کہ: بیٹا! تم کیا کرتے ہو؟

والد صاحب نے فرمایا: گھریلو کام کاج کرتا ہوں اور کھیت میں والد صاحب کی مدد کرتا ہوں اور اسکول پڑھتا ہوں۔

دونوں بزرگوں نے فرمایا: بیٹا! پڑھ لو، علم حاصل کرلو، بہت فائدہ ہوگا۔

ان دونوں بزرگوں کی تشکیل پر آپ کو حصولِ علم کا شوق پیدا ہوا اور پھر جامعہ ڈابھیل گجرات میں داخلہ لیا۔

والد صاحبؒ خود فرماتے تھے: اُس وقت جامعہ ڈابھیل میں شیخ الحدیث حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تھے، حضرت والد صاحب نے جامعہ ڈابھیل میں تقریباً ڈیڑھ دو سال ابتدائی تعلیم فارسی، اردو، عربی وغیرہ حاصل کی، پھر دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور میزان سے بخاری شریف تک کی تعلیم دار العلوم دیوبند میں حاصل کی، اس دور میں دیوبند میں شیخ القراء قاری حفظ الرحمن صاحبؒ سے تجوید کی تعلیم بھی حاصل کی اور روایتِ حفص عن عاصم میں مہارت حاصل کی۔

حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کی بارڈولی میں عید الاضحیٰ

اسی کڈوڈ کے پروگرام کے دنوں میں عید الاضحیٰ کا موقع بھی آ گیا تو حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اس سال عید الاضحیٰ بارڈولی میں کی اور بارڈولی کی مشہور عیگاہ میں آپ کا خطاب بھی ہوا اور قربانی بھی بارڈولی میں ہی کی (براویت مولانا باٹھا صاحبؒ)

ایک لطیفہ جو حقیقت بنا؛ ماموں کی وجہ تسمیہ

ماموں کی وجہ تسمیہ کے متعلق بعض اہلِ لطیفہ یوں فرماتے ہیں: بھانجے کا منہ بہت سی مرتبہ ماموں جیسا ہوتا ہے، یعنی ماں کے بھائی جیسا منہ یا ماں جیسا منہ، اس کا

مخفف ماموں؛ چوں کہ عام طور پر ماموں اور والدہ کا منہ بھائی، بہن ہونے کی وجہ سے قریب قریب یکساں ہوتا ہے۔

حضرت والد صاحب مرحوم مزاج اور فنِ تجوید میں اپنے حقیقی ماموں — حضرت قاری سلیمان اسرولیا — کے ثانی تھے، جن کا ذکرِ خیر اس کتاب میں مذکور ہے۔

اپنے استاد قاری حفظ الرحمن صاحبؒ سے عجیب تعلق

دارالعلوم دیو بند کے شیخ القراء حضرت قاری حفظ الرحمن صاحبؒ مچھلی کے شکار کے بہت شوقین تھے اور مچھلی پکڑنے کی اس دور کی رائج مختلف چیزیں بھی رکھتے تھے، عصر کی نماز کے بعد اور جمعہ کے دن دیو بند کے تالاب پر مچھلی کے شکار کے لیے تشریف لے جاتے۔

مرحوم والد صاحبؒ تیرنے میں بڑے ماہر تھے؛ اس لیے قاری حفظ الرحمن صاحبؒ اپنے شاگرد — مرحوم والد صاحبؒ — کو مچھلی کے شکار میں خاص طور پر ساتھ لے جاتے، جب شکار سے فارغ ہو کر واپسی میں دارالعلوم کی طرف چلتے تو مرحوم والد صاحبؒ سے حضرت قاری صاحبؒ بڑی محبت سے ارشاد فرماتے: سلیمان! تفریح ختم ہو گئی، اب مشق سناؤ، پھر راستے میں چلتے ہوئے قرآنِ پاک سنتے ہوئے آتے۔

کبھی فرماتے: سلیمان! وضو کے لیے کنویں سے پانی لاؤ۔

علمی استفادہ کا عجیب جذبہ

شیخ الحدیث حضرت مفتی سعید صاحب پالنپوری سے ایک علمی مذاکرہ

دینی باتوں کو معلوم کرنے کا عجیب جذبہ تھا، خصوصاً نئے پیش آنے والے

مسائل علمائے کرام سے برابر معلوم کرتے رہتے تھے اور بہت مدلل علمی مباحثہ بھی فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت الاستاذ شیخ الحدیث حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم العالیہ ہمارے جامعہ ڈابھیل کے سالانہ جلسے میں تشریف لائے تھے، ڈابھیل کے بعد حضرت کا پروگرام جامعہ نورالاسلام دمن کا تھا، جامعہ نورالاسلام اُس وقت کے مہتمم میرے استاذِ محترم جناب مولانا موسیٰ کچھولی صاحب اور حافظ شریف صاحب مرحوم نے والد صاحب کو بھی دعوت دی تھی، ڈابھیل سے جس کار سے مفتی سعید صاحب تشریف لے جارہے تھے اسی میں حضرت والد صاحب مرحوم بھی تھے۔

ڈابھیل سے دمن تک کا پورا سفر– جو اس وقت راستوں کے اعتبار سے تقریباً ساڑھے تین گھنٹوں کا ہوتا تھا– والد صاحب مرحوم نے نہایت اہم اور ضروری مسائل کے استفسار میں گزارا، خود حضرت مفتی سعید صاحب دامت برکاتہم بھی اس علمی مذاکرے سے بہت خوش ہوئے۔

شیخ الحدیث محدثِ عصر حضرت مولانا یونس صاحب سے علمی مباحثہ

ایک مرتبہ سفرِ حج کے دوران ہوائی جہاز میں محدثِ وقت شیخ یونس صاحب دامت برکاتہم کی رفاقت ہوگئی اور کسی مسئلے میں شیخ سے مباحثہ ہوا اور اس میں موضوعِ بحث معلم الحجاج کتاب کی ایک عبارت تھی، والد صاحب کے بے تکلف اندازِ سوال اور مباحثہ سے حضرت شیخ یونس صاحب مدظلہ العالی بھی بہت ہی متأثر ہوئے اور شیخ کے خدام اور رفقا خوب سہمے اور ڈرے ہوئے رہے؛ چوں کہ اس انداز سے سوال و جواب

کہیں شیخ کی طبیعت اور مزاج کے لیے ناگوار نہ ہوجائے۔

شیخ نے بھی ایک خاص انداز سے ساتھیوں سے فرمایا: یہ بڑے میاں کون ہیں؟

اس وقت شیخ کے ساتھ دیگر رفقا میں سے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے صالح استاذ حضرت مولانا جعفر ابن حضرت مولانا عاقل صاحب مدظلہ بھی تھے، انھوں نے خود یہ واقعہ مجھے دیگر مزید تفصیلات کے ساتھ سنایا، جوانہی کی زبان سے سننے کے قابل ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری کے ساتھ علمی مذاکرہ

ہمارے یہاں کے مشہور اُکائی ڈیم کے قریب جب نئی مسجد کی تعمیر ہوئی تو اس کے افتتاح کے موقع پر ڈابھیل سے حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم بارڈولی گھر پر تشریف لائے، پھر یہاں سے والد صاحبؒ اور محمود کو حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی رفاقت کی سعادت میسر ہوئی، بارڈولی سے لے کر اُکائی تک حضرت مفتی صاحب مدظلہ سے میراث اور ہبہ کے مسائل پر تفصیلی گفتگو فرماتے رہے، اس طرح پورا سفر دینی، علمی مذاکرے کے ساتھ پورا ہوا۔ اسی طرح جب کبھی بھی اہلِ علم سے ملاقات ہوتی تو ضروری علمی مسائل پر گفتگو کیا کرتے تھے۔

عبادات

والد صاحب کا قرآنِ مجید سے شغف

والد صاحب کو قرآنِ مجید سننے کا بھی بہت شوق تھا، جامعہ ڈابھیل میں لجنۃ القراء

کا اجلاس ہوتا تو آپ مستقل بارڈولی سے سفر کر کے جامعہ میں تشریف لاتے اور قراءت کی مجلس میں شرکت فرماتے۔

جب کبھی کوئی بہترین پڑھنے والا قاری مل جاتا تو آپ اس کو گھر لاتے، بہت ہی اکرام فرماتے اوران سے قرأت سنتے۔

میری طالبِ علمی کے زمانے میں ایک صاحب قاری بشیر افریقی تھے جو جامعہ میں پڑھتے تھے، ان کی شادی کفلیتہ میں ہوئی تھی، اُس وقت ان کی اہلیہ مالیگاؤں میں پڑھتی تھی، وہ اپنی اہلیہ سے وقتاً فوقتاً ملنے جایا کرتے تھے، ایک مرتبہ والد صاحب سورت سے آرہے تھے اور اتفاق سے قاری بشیر بھی اسی بس میں تھے، وہ مالیگاؤں جارہے تھے، سورت سے بارڈولی تک ان کو جگہ نہ ملی، کھڑے کھڑے سفر کر کے وہ تھک گئے، انھوں نے سوچا تھا کہ بارڈولی سے جگہ مل جائے گی؛ لیکن بارڈولی سے بھی بیٹھنے کی جگہ نہ ملی تو پھر وہ بارڈولی ہی اتر گئے۔

رات کا وقت تھا، وہ کہاں جاتے! تو والد صاحب ان کی شکل وصورت دیکھ کر ان کو گھر لے آئے اور پھر تعارف کرایا، والد صاحب نے کھانا کھلا کر رات کا قیام گھر پر کرایا اور ان سے قرآن مجید سنا، ساتھ میں بندے سے بھی قرآنِ مجید پڑھوایا، والد صاحب کو تو مخارج بہت اچھی طرح یاد تھے، قواعدِ تجوید میں مجھ سے چند غلطیاں ہوئیں، فوراً تنبیہ فرمائی اور ایک غلطی اخفا کی تھی تو فرمایا:

یہاں اخفا کا یہ قاعدہ جاری ہوتا ہے۔

اسی طرح آپ اپنے ماتحتوں کی اصلاح کی بھی بہت فکر رکھتے تھے۔

قرآنِ مجید سے والہانہ عشق

اچھا قرآن پڑھنے اور سننے کے عاشقِ زار تھے، طویل عرصہ تک بارڈولی کی مختلف مساجد میں متعدد مواقع پر امامت فرمائی، قرآن مکمل تجوید کی رعایت کے ساتھ پڑھتے تھے اور جب کسی مجوّد سے ملاقات ہوتی تو ان سے قرآن سننے کی اور نماز پڑھانے کی درخواست کرتے، جب بھی کسی صاحبِ فن کی آمد کی اطلاع ہوتی تو گویا آپ تازہ دم ہوجاتے۔

حضرت الاستاد قاری احمد اللہ صاحب مدظلہ العالی کی جب بھی تشریف آوری ہوتی، بہت اصرار کے ساتھ آپ سے نماز پڑھواتے اور تجوید و قرأت کی مجالس میں بہت شوق سے شرکت فرماتے۔

زندگی کے آخری ایام میں بیماری کی وجہ سے کبھی کبھی بے ہوشی طاری ہوتی، ایک روز تمام تر بیماریوں اور ضعف کے باوجود بچوں کو ناظرہ قرآن پڑھا رہے تھے، جن میں سب سے چھوٹے پوتے سلیمان بن محمود بھی شامل تھے، ان کو قرآن پڑھاتے ہوئے اچانک بے ہوش ہوگئے، پوری بستی اور محلے میں خبر مشہور ہوئی کہ انتقال ہوگیا، لوگوں کا ہجوم جمع ہونے لگا، راقم الحروف کو ٹیلیفون کے ذریعہ سے جامعہ ڈابھیل اطلاع دی گئی، چوتھے گھنٹے کے سبق کی رخصت لے کر میں حاضرِ خدمت ہوا تو دیکھا کہ انتقال کی خبر غلط ہے اور ہوش آرہا ہے۔

جب افاقہ ہونے پر آنکھیں کھولیں اور راقم الحروف کی طرف نظر پڑی تو سب سے پہلا سوال تھا: مدرسے کے دن میں، مدرسے کے وقت میں یہاں کیسے؟

بہت لجاجت سے میں نے عرض کیا: آپ کی خبر سن کر عیادت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔

اس پر ارشاد فرمایا: روح تو اپنے وقتِ مقررہ پر قبض ہو کر رہے گی؛ لیکن میری آرزو یہ ہے کہ میری موت اس حال میں آئے کہ میں یہاں گھر پر بچوں کو قرآن پڑھا رہا ہوں اور تو وہاں جامعہ میں بچوں کو قرآن پڑھا رہا ہو۔ اللہ اکبر! کیا بات ہے!!!

مرحوم والد صاحبؒ کی نماز کی عجیب کیفیت

آپ کی نماز بہت عجیب ہوتی تھی، سنن و نوافل پابندی سے بہت سکون و اطمینان کے ساتھ پڑھنے کے عادی تھے، وظائف اور دعاؤں کا خوب اہتمام فرماتے تھے۔

نماز میں خشوع اور خضوع

آپ کی نمازیں چاہے فرض ہو یا نفل، بہت ہی اطمینان اور سکون والی ہوتیں، سفر ہو کہ حضر ہو، نماز کی طمانینت میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا، ہر نماز کے وقت مسجد جلد پہنچنے کی کوشش فرماتے اور مسجد سے سب سے اخیر میں نکلنے کا گویا ایک عام معمول تھا، نماز کا اطمینان، اَوراد و اذکار اور دعا کے اہتمام میں کسی کی بھی طرف سے کسی طرح کا بھی کوئی خلل پیش آئے یا کوئی خلل ڈالنے کی کوشش کرے تو بہت زیادہ ناراضگی کا اظہار فرماتے۔

سخت بارش کے باوجود مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا اہتمام

بارڈولی مسجدِ اقصیٰ کے امام صاحب حضرت مولانا یوسف اسلام پوری صاحب

کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عشا کے وقت بہت تیز بارش ہو رہی تھی، اندھیرا بھی بہت سخت تھا، نماز کا وقت ہو چکا تھا، مسجد میں کوئی مصلی نہ تھا، بس صرف امام صاحب اور مؤذن صاحب ہی تھے، شاید ایسا موقع تھا کہ جس میں جماعت کی حاضری سے بھی رخصت ہو سکے؛ لیکن امام صاحب اور مؤذن صاحب دونوں کو یقین تھا کہ حضرت مولانا سلیمان صاحب تو ضرور تشریف لائیں گے؛ اس لیے انھوں نے نماز شروع کرنے کے لیے تھوڑا انتظار کیا، امام صاحب کا بیان ہے کہ مرحوم والد صاحب اس قدر تیز بارش اور اندھیرے میں چھاتا اور سر پر رومال باندھ کر آہستہ آہستہ بھیگتے بھیگتے مسجد میں داخل ہوئے اور امام صاحب کی طرف متوجہ ہو کر بہت زور سے یہ شعر پڑھا:

سجدوں کے عوض فردوس ملے مولیٰ! یہ بات مجھے منظور نہیں
بے لوث عبادت کرتا ہوں، بندہ ہوں تیرا، مزدور نہیں

والدِ مرحوم کی تربیت کا نرالا انداز

میرے والد میرے مصلح

میری نماز پر بھی خوب دھیان فرماتے تھے، میں ڈابھیل سے ہفتے میں ایک روز بارڈولی گھر آتا تو میں سنت اتنی اطمینان سے ادا نہیں کرتا تھا جتنی مرحوم والد صاحب ادا فرماتے تھے، گھر آنے کی مجھے جلدی ہوتی، اس وقت والد صاحب میری سنتوں پر خوب دھیان دیتے اور پھر جب والد صاحب اپنے معمولات سے فارغ ہو کر مسجد سے گھر تشریف لاتے تو مرحومہ والدہ سے فرماتے کہ: تیرا بیٹا مفتی بن گیا، خلیفہ بن گیا؛

لیکن ابھی تک اس کی سنتوں اور نوافل میں وہ خشوع وخضوع نہیں آیا جو آنا چاہیے اور والدِ محترم کبھی کبھی یہ شعر بھی پڑھتے:

اقبال بڑا اُپدیشک ہے مَن باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا غازی بن تو گیا، کردار کا غازی بن نہ سکا

والد صاحب کی تربیت کے متعلق ایک خواب میں بشارت

غالباً جس زمانے میں بندہ درجۂ عربی سوم میں متعلّم تھا، ایک بہت ہی اچھا خواب دیکھا، طویل عرصہ ہونے کی وجہ سے اس کے کچھ اجزا ذہن سے نکل گئے ہیں۔

اس خواب کا حاصل کچھ اس طرح تھا کہ بارڈولی میں جس جگہ مسجدِ افضیٰ ہے اس کے سامنے والا راستہ اُس وقت تیار ہو رہا تھا اور مسجد کی حیّ علی الفلاح کی جانب میں آم کا ایک درخت تھا، خواب میں دیکھتا ہوں کہ: ایک بڑی گاڑی ہے، جس میں حضرت نبیٔ کریم ﷺ تشریف فرما ہیں، حضرت والدِ مرحوم ہیں اور حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم اور بندہ (مفتی) محمود ہیں، وہ بڑی گاڑی چلتے چلتے مسجد کے قریب آ کر رک گئی اور آم کے درخت کے نیچے یہ سارے حضرات کھڑے ہیں، اس طرح کی زیارت نصیب ہوئی۔

بندے کو الحمدللہ! درجۂ عربی سوم سے حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کے مکان پر جانے کی سعادت حاصل رہی ہے اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی ''نشر الطیب'' باقاعدہ درساً حضرت سے عصر کے بعد پڑھتا تھا، پھر درجۂ عربی پنجم کے سال ''سراجی'' بھی عصر کے بعد درساً حضرت سے

پڑھتا تھا، اُس وقت وہ پورا خواب حضرت مفتی صاحب کو سنایا۔

حضرت نے ارشاد فرمایا: آپ کے والد آپ کی جس طرح تربیت فرما رہے ہیں یہ اس کے قبول ہونے کی بشارت ہے، تمھارا تعلیمی، تربیتی سفر حضرت نبیِ کریم ﷺ کی توجہات کے ساتھ والد صاحب صحیح نہج سے طے کروا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس کی برکتوں سے دنیا و آخرت میں مالا مال فرمائے، آمین۔

دار العلوم گودھرا کے مفتی ابراہیم آچھودی نے بندہ محمود کو خود سنایا کہ جس زمانے میں ہم ڈابھیل میں متعلم تھے، جمعہ کے دن مولانا سلیمان اگر ہم کو ادھر ادھر کہیں تفریح کرتا ہوا دیکھ لیتے تو بہت ہی ناراضگی کے ساتھ تنبیہ فرماتے کہ: آپ لوگ مدرسے میں پڑھنے کے لیے آئے ہو یا تفریح کے لیے۔ اس طرح طلبہ کی بڑی تربیت فرمایا کرتے تھے۔

والدِ مرحوم کا جذبۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر

نماز کے متعلق مسجد کے امام صاحب کی اصلاح

مسجد کے امام صاحب کبھی نماز یا تراویح میں عجلت کرتے، مثلاً قرأت یا رکوع، سجود وغیرہ میں عجلت سے کام لیتے تو مرحوم والد صاحب فوراً مجمعِ عام میں ان کو ٹوک دیتے تھے اور ان کی اصلاح فرماتے۔

لوگوں کو حج کی ترغیب ودعوت

والد صاحب انفرادی طور پر لوگوں کو حج کے لیے بہت ترغیب دیتے تھے، جو بھی مال دار ملتا اگر اس کا حج باقی ہوتا تو اس کو بار بار حج کی تلقین کرتے اور مجمعِ عام میں

بھی ڈانٹتے تھے کہ بھائی! جلدی حج کرو۔

اس طرح والد صاحب کے اصرار اور تلقین سے بہت سارے لوگوں کو حج کے فریضے کی ادائیگی کی سعادت حاصل ہوگئی۔

ڈاڑھی کے متعلق لوگوں کو ترغیب

اسی طرح ڈاڑھی کے متعلق بھی لوگوں کو ٹوکنا اور ترغیب دینا مرحوم کا خاص کارنامہ رہا ہے، بغیر ڈاڑھی کے جو لوگ ملتے ان کو فوراً تنبیہ فرماتے کہ ڈاڑھی رکھو اور اسی طرح جو لوگ ڈاڑھی کترواتے تھے ان کو بھی تنبیہ فرماتے کہ: بھائی! پوری ایک مشت ڈاڑھی رکھو کہ یہ دینِ اسلام کا شعار ہے اور فرماتے کہ: ڈاڑھی منڈوانا یا کتروانا بڑا گناہ ہے، جو انسان اس گناہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ چوبیس (۲۴) گھنٹے اس گناہ میں ملوث رہتا ہے، باقی دوسرے گناہوں کا حال یہ ہے کہ وہ وقتی ہے، عامتاً جتنا وقت اُس گناہ میں مشغول رہا ہوا اتنا وقت اس گناہ کا سمجھا جاتا ہے۔

خاص کر جو مسلمان حج کر چکے ہوتے اور ڈاڑھی نہ رکھتے تو ان کو خصوصی تنبیہ فرماتے اور جو کوئی حج میں جا رہا ہو اور روانگی کے وقت ملاقات کے لیے آئے تو اس کو خاص طور پر نیت کرواتے کہ آپ حرمین شریفین جا رہے ہو اب ڈاڑھی رکھ کر ہی آنا۔

اگر کسی عالمِ دین یا ان کا بیٹا یا بھائی یا کوئی قریبی رشتے دار مل گیا اور اس کی ڈاڑھی نہ ہو تو اس کو بہت ڈانٹتے کہ مولوی کا بیٹا یا بھائی ہو کر ڈاڑھی نہیں رکھتا؟ اور اس سے ڈاڑھی رکھنے کی نیت کرواتے، آج تک ڈاڑھی کاٹنے کا جو گناہ کیا اس پر توبہ کرواتے، آپ کی اس محنت اور فکر کی برکت سے بہت سارے لوگوں نے ڈاڑھی رکھ لی،

الحمدللہ علی ذالک!

بالکل اسی طرح ٹخنوں کے نیچے ازار پر بھی خاص اصلاحی فکر فرماتے تھے۔

سلام کے متعلق تربیت کا ایک واقعہ

قرآنِ مجید میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ: کسی کے گھر جائیں تو سلام کریں، گھر والوں سے اجازت لیں، پھر گھر میں داخل ہو۔

میرے مخلص دوست حاجی خلیل بھائی ابراہیم بھام نے خود اپنا واقعہ سنایا کہ: میں ایک مرتبہ کسی کام سے والد صاحب کی ملاقات کے لیے گیا، باہر سے دو مرتبہ آواز دی، کوئی جواب نہیں ملا، تو اندازہ یہ ہوا کہ گھر کے آگے والے حصے میں کوئی نہیں ہے، اگر گھر میں کوئی ہے تو بالکل پیچھے والے حصے میں ہے، وہاں میری آواز نہیں پہنچ رہی ہے، میں گھر میں دروازے سے داخل ہوا تو دیکھا کہ والد صاحب گھر کے پیچھے والے حصے سے آہستہ آہستہ آگے تشریف لا رہے ہیں، والد صاحب نے آگے کے دروازے کے پاس آ کر کوئی بات چیت نہیں کی اور مجھے فرمایا: گھر کے باہر جاؤ! مجھے دروازے کے باہر بھیجا، پھر فرمایا: سلام کر کے اندر داخل ہو، تو میں نے سلام کیا اور اندر داخل ہوا، پھر مجھے بٹھا کر شرعی مسئلہ سمجھایا۔

مرحوم کے اس طرزِ تربیت کا مجھ پر یہ اثر ہوا کہ اس دن سے میری زندگی میں یہ عادت بن گئی کہ جس کسی کے یہاں جاتا ہوں پہلے سلام کرتا ہوں، پھر مکان میں داخل ہوتا ہوں۔

یہ تو خود بندے نے بھی زندگی میں بارہا دیکھا کہ کوئی بڑے سے بڑا آدمی بغیر

اجازت وسلام کے آیا تو اس کو فوراً تنبیہ فرماتے اور راستے میں بھی کوئی آ کر ملا اور اس نے سلام نہیں کیا تو فوراً سلام کے لیے تنبیہ فرماتے اور جب تک سلام نہ کرتا اس کی کسی بات پر توجہ نہ فرماتے۔

داہنے ہاتھ سے کھانے کی طرف توجہ دلانا

حق گوئی کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ والد صاحب کے رفقا میں سے ایک مدرسے کے شیخ الحدیث اور صدر مفتی صاحب — جو مرحوم ہو چکے ہیں — گھر پر تشریف لائے ہوئے تھے، کھانے سے فراغت کے بعد ہمارے علاقے کے دستور کے مطابق سونف، الائچی، لونگ وغیرہ پیش کیا جاتا ہے اور اس کو منہ میں رکھنے کے لیے عام طور پر لوگوں میں ایک غلط طریقہ رائج ہے، داہنے ہاتھ سے اٹھا کر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کے وسط میں رکھتے ہیں، پھر اس کو منہ میں رکھ لیتے ہیں۔

والد صاحب مرحوم کو اتباعِ سنت کا عجیب ذوق حاصل تھا، ایک خاص انداز میں صحیح بات کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: شیخ الحدیث صاحب! آپ بھی لوگوں کی طرح غلط طریقے سے سونف کھاتے ہیں، بائیں ہاتھ سے چٹکی بھر کر سونف اٹھائیے اور دائیں ہاتھ کی ہتھیلی میں رکھیے اور پھر منہ میں رکھیے۔

جھوٹ کی ایک نئی قسم

زندگی کے آخری حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں قیام گاہ پر متعلقین میں سے کسی

کی ملاقات ہوئی تو ان سے کسی معاملے میں والد صاحب نے کوئی بات پوچھی۔

اس کے جواب میں — جیسے کہ ہمارے یہاں ایک عام رواج ہے کہ کسی کام کے متعلق پوچھا جائے تو لوگ اپنے بڑوں کے سامنے اس طرح جواب دیتے ہیں کہ ''حضرت آپ کی دعا سے یہ کام ہو گیا'' بالکل اسی طرح — اُن صاحب نے والد صاحب کو کہا کہ: آپ کی دعا کی برکت سے میرا وہ کام ہو گیا۔

اس پر والد صاحب نے ایک خاص انداز سے فرمایا: جھوٹ بول رہے ہو، میں نے تمھارے لیے کبھی اس طرح کی دعا نہیں کی اور ہمارے لوگ کب سے اس طرح کی جھوٹ کی ایک نئی قسم میں مبتلا ہو گئے کہ اس طرح کے جواب دیتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ تم نے نہ مجھ کو کبھی بتلایا، نہ دعا کے لیے کہا، نہ میں نے دعا کی، پھر یہ جواب کیسے دے رہے ہو کہ آپ کی دعا سے کام ہو گیا؟

اس سے مرحوم کی حقیقت گوئی وسچائی کا بھی اندازہ ہوتا ہے، ورنہ لوگ ایسے موقع پر خواہ مخواہ اپنا احسان جتلانے کے لیے اس طرح کا انداز اختیار کرتے ہیں کہ لگتا ایسا ہے کہ انھوں نے اس کے لیے خاص دعا کا اہتمام کیا تھا۔

نوٹ: اس واقعے کے وقت میرے استاذِ محترم ''حضرت مولانا سلیمان صاحب چوکسی کاوی مدظلہ'' — جو برادرِ مکرم بھائی احمد کے فارسی اول کے ہم سبق بھی ہیں — بھی حاضر تھے، ان کی تصدیق سے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔

اس کو نظر انداز نہ کیجیے

اس موقع پر کچھ باتیں ہمیں ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے:

(۱) کوئی شخص ہمارا کسی دینی یا دنیوی معاملے میں محسن ہو تو اس کے ہر جائز مقصد کے لیے دعا کا اہتمام کرنا چاہیے۔

(۲) یہ دعا تو بڑی پیاری ہے، ہم یہ دعا کریں کہ "اے اللہ! ہر مومن کی ہر جائز ضرورت، ہر صحیح مقصد، ہر جائز مراد کو اپنے فضل سے، اپنے خزانۂ غیب سے پورا فرما دیجیے۔

(۳) ہم نے کسی سے خاص مقصد کے لیے دعا کی درخواست کی ہو اور ہمارا وہ مقصد پورا ہو جائے تو پھر ان کو بتلا دینا چاہیے۔

بہت سی مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے کسی بڑے کو کسی خاص مقصد کے لیے دعا کے لیے کہتے ہیں اور وہ پوری فکر کے ساتھ ہمارے لیے دعاؤں کا اہتمام کرتے ہیں اور ہمارا حال یہ ہوتا ہے کہ جب وہ مقصد پورا ہو جاتا ہے تو ہم تو بے فکر ہو جاتے ہیں اور وہ بزرگ بے چارے پوری فکر کے ساتھ دعاؤں کا اہتمام کرتے رہتے ہیں؛ اس لیے مقصد پورا ہوتے ہی ان کو بتلا دینا چاہیے۔

بیت الخلا کی چپل کے متعلق اہم ہدایات

جو آدمی بیت الخلا جانا چاہتا ہے وہ کبھی اپنے سخت تقاضے کی وجہ سے جلدی کرتا ہے؛ لہٰذا بیت الخلا کے چپل کا رخ بیت الخلا کی طرف ہونا چاہیے؛ تاکہ بیت الخلا جانے والا جب آئے تو اس کو چپل ٹھیک کرنے کی تکلیف نہ ہو اور اس کی وجہ سے تاخیر نہ ہو، مرحوم اس سلسلے میں بہت ہی تاکید فرمایا کرتے تھے اور سب کو یہ ادب سکھاتے تھے کہ جو بھی بیت الخلا سے نکلے وہ چپل اس طرح نکالے کہ بعد میں جانے والوں کو سہولت

رہے، اس میں نکلنے والا تو فارغ ہو کر ہی نکلا ہے، اب چند سیکنڈ ذرا توجہ دے کر معمولی سی تکلیف گوارا کر کے اگر چپل سیدھی کر لے تو جانے والوں کو کتنی راحت ہو جائے گی۔

چشمہ (عینک) پہننے کے متعلق بہترین ہدایت

چشمہ پہننے کے متعلق والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ: چشمہ کی فریم بالکل سادہ ہو، البتہ اس کے کانچ بہت عمدہ قسم کے ہونے چاہیے؛ اس لیے کہ اصل مقصود تو شیشے سے دیکھنا ہے؛ لہٰذا اس کی فریم بہت عمدہ پہن کر نمائش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

ڈاک ٹکٹ کے گوند کے سلسلے میں حضرت مدنیؒ کا ایک ملفوظ

ایک مرتبہ کسی جگہ خط روانہ کرنا تھا، والد مرحوم نے لفافہ پر ٹکٹ چپکانے کا کام راقمِ سطور کے حوالے کیا، میں نے زبان کے لعاب سے ڈاک ٹکٹ کا پیچھے والا حصہ تر کر کے چپکانے کی کوشش کی اور ہمارے یہاں کچھ ایسا ہی معمول ہے کہ ڈاک ٹکٹ کو منہ کے لعاب سے تر کر کے اس کو چپکانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

خیر! جب مجھے ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا: ایک مرتبہ ''حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ'' کے سامنے میں نے ایسا ہی کیا تھا تو حضرت نے ارشاد فرمایا: سلیمان! یہ جو گوند لفافہ اور ٹکٹ پر ہوتا ہے وہ پاک ہو اس کا کیسے یقین کر سکتے ہو؟

بات بھی کچھ ایسی ہی ہے کہ درختوں سے نکلنے والا گوند تو عام طور پر استعمال ہوتا نہیں ہے اور اس طرح کی مصنوعی چیزیں جو چپکانے کی ہوتی ہے جس کی طہارت کا کوئی یقین نہیں ہوتا ہے۔

مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ: حضرت کی اس تنبیہ کے بعد پھر کبھی میں نے ایسا نہیں کیا اور خود مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ گھر میں ہمیشہ گوند کی ایک ڈبیا رہا کرتی تھی جس میں درختوں کا گوند رہتا تھا، اسی سے ضرورت کے وقت گوند استعمال کرتے تھے۔

خواب کی بہترین اصلاحی تعبیر

کبھی میں والد صاحب مرحوم کو کوئی اچھا خواب سناتا تو بہت توجہ اور اطمینان سے خواب سنتے اور اس کی تعبیر اس طرح بتاتے کہ ہمارے اندر بڑائی نہ آجائے اور اس طرح نصیحت بیان فرماتے کہ: خواب میں کسی کے سر پر تاج رکھنے سے کوئی بادشاہ نہیں بن جاتا، عمل میں لگے رہو، اچھے اعمال کرتے رہو، اور اپنی زندگی کو سنت کے مطابق بنانے کی کوشش کرو۔

اس طرح خواب کی تعبیر میں اصلاح بھی ہو جاتی تھی۔

عملیات اور تعویذ

والد صاحب مرحوم کو عملیات اور تعویذ سے بھی تعلق رہا، چنانچہ اس سلسلے میں جس اپنے استاذ اور شیخ حضرت مدنیؒ کی طرف سے آپ کو باقاعدہ اجازت تھی۔

عملیات بھی خدمتِ خلق کا ایک اہم شعبہ ہے، جس کے ذریعہ سے بہت سے پریشان حال لوگوں کی خدمت کی جا سکتی ہے، مرحوم والد صاحب اپنے شیخ کے عملیات سے ڈابھیل، سملک کے قیام کے زمانے میں بھی اور بارڈولی منتقل ہونے کے بعد بھی برابر یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

بندے کو مختلف مواقع پر مختلف عاملوں سے سابقہ رہا؛ لیکن مرحوم والد صاحب

کی جو تشخیص تھی ایسی تشخیص کسی کی نہیں دیکھی، مغرب کی نماز کے بعد پانی اور مرچ دم کرانے والے مسلسل آتے جاتے تھے، بچھو کے ڈسے ہوئے کا زہر بھی بہت اچھی طرح نکال دیتے تھے، یہ خدمت لوجہ اللہ ہوتی تھی، اس پر کوئی معاوضہ نہ لیتے تھے۔

اس سلسلے میں حضرت مولانا عبد الحئ صاحب بسم اللہ رحمۃ اللہ کی ''کشکولِ عبدالحئ'' نامی کتاب جس کے مرتب استاذِ محترم: حضرت مفتی عباس صاحب بسم اللہ دامت برکاتہم، صدر مفتی: جامعہ ڈابھیل و شیخ الحدیث: جامعۃ القراءات کفلیتہ ہے کی پہلی جلد سے ایک اقتباس لفظ بہ لفظ نقل کرتا ہوں:

حضرت مدنیؒ کی بیاض

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز نومبر ۱۹۵۶ء کو جمعیتِ علمائے ہند کے انیسویں سالانہ اجلاس سے فارغ ہو کر ڈابھیل تشریف لائے تھے، اس وقت عصر کے بعد مولانا سے اپنی بیاض کی نقل کی اجازت طلب کی، حضرت مولانا نے بخوشی اجازت دیتے ہوئے فرمایا: یہاں کسی کے پاس نقل شدہ بیاض ہوگی، اس سے نقل کرلو۔

میں نے عرض کیا کہ: مولانا سلیمان صاحب بارڈولی کے پاس آپ کی عنایت شدہ بیاض ہے۔

حضرت نے فرمایا: ان کو بلاؤ! چنانچہ ان کو بلا کر حضرت نے فرمایا: ان کو نقل کے لیے اپنی بیاض دیجیو۔

چنانچہ میں نے مولانا سلیمان بارڈولی صاحب کی نقل شدہ بیاض کی کاپی میں

سے نقل کیا؛ مگر افسوس! نقل کا موقع حضرت کی وفات کے بعد میسر آیا۔

عبدالحیٔ بسم اللہ عفی عنہ

۱۷؍شعبان ۱۴۳۱ھ

(ماخوذ از کشکول عبدالحیٔ ص ۵۰۶)

نقلِ بیاضِ والدِ محترم

الحمدللہ! وہ بیاض بندے کے پاس موجود ہے۔

ایک موقع پر بندے کو بہت ہی محبت اور شفقت سے عملیات کی اجازت مرحمت فرمائی اور فرمایا: میرے شیخؒ کی طرف سے جو مجھے اجازت دی گئی ہے میں تم کو اجازت دیتا ہوں اور بیاض بھی مجھ کو عنایت فرمادی۔

والد صاحب مرحوم کے علاوہ بندے کو عملیات کے سلسلے میں اپنے پیر و مرشد حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی طرف سے بھی اجازت ہے اور دیگر اس فن کے ماہرین کی طرف سے بھی اجازت حاصل ہے۔

اپنے بڑوں کی یہ امانت بھی بحمد اللہ! دوسرے کئی لوگوں کو منتقل کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اور والدِ مرحوم کی بیاض، اور حضرت فقیہ الامتؒ کے مجرّبات بہت سارے بھائیوں اور عزیزوں کو دیے، جس سے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچ رہا ہے، اس سلسلے میں خاص طور پر قاری آصف صاحب سارساوی ثم آنندی، مولانا مصباح دیسائی ترکیسری، مولانا سلیم سورتی، مولانا احمد اللہ اُدگانوی (ایرانی) قابلِ ذکر ہیں۔



بابِ سوم

دینی خدمات

والد صاحب مرحوم کے پڑھانے کا عجیب انداز

والد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بچوں کے پڑھانے کا عجیب ملکہ عطا فرمایا تھا، بچوں کو بہت محبت اور پیار سے اپنے پاس بٹھاتے تھے، مشہور تھا کہ شہر کے تمام مکاتب میں جو بچہ کسی کے پاس چل نہیں پاتا تھا وہ بچہ حضرت والد صاحب کے پاس الحمدللہ! چل جاتا تھا؛ کیوں کہ بہت محبت سے پڑھاتے تھے؛ اگرچہ سختی بھی بہت تھی؛ لیکن اس سے کہیں زیادہ شفقت تھی۔

شفقت کا حال یہ تھا کہ اگر کوئی بچہ غیر حاضر ہوتا تو خود اس بچے کے گھر تشریف لے جاتے یا ٹیلیفون کے ذریعہ نہ آنے کی وجہ دریافت کرتے، بیمار ہو تو پوچھتے: کیا بیماری ہے؟ وغیرہ۔ پھر اس بیماری کا کوئی مناسب علاقائی (دیسی) علاج بتاتے اور پانی، مرچ وغیرہ دم کر کے دیتے اور بہت سی مرتبہ بلا وجہ غیر حاضری پر والدین کو ڈانٹتے بھی اور سمجھاتے بھی تھے، اس طرح کی تنبیہ کا نتیجہ یہ تھا کہ بچہ غیر حاضر رہنے کی ہمت نہیں کرتا تھا؛ الّا یہ کہ کوئی معقول عذر سامنے آجائے۔

قرآنِ مجید اور تعلیم الاسلام پڑھانے کا انداز

زندگی بھر کلامِ پاک بہت ہی اچھے انداز میں حروف کے مخارج کی رعایت کے ساتھ، اسی طرح صفات، غنہ، اخفا، مد، ادغام، اظہار وغیرہ کی پوری رعایت کے ساتھ پڑھانے کا معمول رہا؛ یعنی تجوید کے قواعد کی پوری رعایت کے ساتھ قرآنِ مجید پڑھاتے، سورۂ یوسف میں ''لاتامنّا'' میں ''اشمام'' ناظرہ کے وقت ہی سے سکھاتے۔

الحمدللہ! والد صاحب کے پاس قرآن پڑھنے والے پورے عالم میں مختلف جگہوں میں موجود ہیں، جب میں دنیا کے مختلف ملکوں کا سفر کرتا ہوں تو ان کے پاس پڑھے ہوئے لوگ مجھے ملتے ہیں اور والد صاحب کی زندگی میں بہت محبت سے والد صاحب کی خیر خیریت پوچھا کرتے تھے، نیز والد صاحب کے لیے تحفے تحائف بھی بھیجا کرتے تھے، والد صاحب کے شاگردوں کی ایک بہت بڑی تعداد انگلینڈ، افریقہ، کنیڈا، امریکہ، برطانیہ، پناما، نیوزی لینڈ میں آج بھی الحمدللہ! موجود ہیں، ان میں سے بہت سارے عالمِ دین اور حافظِ قرآن بھی ہو چکے ہیں۔

تعلیم الاسلام با قاعدہ سبق کے انداز میں پڑھاتے تھے، پہلے بچے سے عبارت پڑھواتے تھے، پھر اس عبارت کو خوب اچھی طرح اور بہت آسان الفاظ میں اور مناسب مثالوں سے سمجھاتے تھے۔

مثلاً تعلیم الاسلام میں ''منی'' کے متعلق مسائل آتے اور طالب علم نابالغ ہو تو اس کو سمجھانے کے لیے بہت عمدہ مثال دیتے تھے کہ ناک سے جس طرح رینٹ نکلتی ہے اس طرح کا چکنا مادہ پیشاب کی جگہ سے نکلتا ہے اس کو ''منی'' کہتے ہیں۔

بڑی عمر کے لوگوں کے لیے تعلیم کا سلسلہ

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے ایک موقع پر بڑی عمر کے مسلمانوں کے لیے تعلیم کے سلسلے کی طرف توجہ دلائی کہ بچپن میں مکتب میں لوگوں کا پڑھا ہوا قرآن کمزور ہو جاتا ہے، استاذ سے ربط نہ ہونے کی وجہ سے، بعض مرتبہ تو لوگ ناظرہ تک بھول جاتے ہیں، نمازمیں بڑی غلطیاں ہونے لگتی ہیں؛ اس لیے بڑی عمر کے

لوگوں میں تعلیمی سلسلہ نہایت ضروری ہے؛ تاکہ قرآن صحیح یاد رہے اور ضروری مسائل میں پختگی ہو، بنیادی دینی تعلیم سے واقفیت رہے۔

ایک جگہ بڑی عمر کے لوگوں میں تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا؛ حالاں کہ ان میں اکثر پڑھے لکھے لوگ تھے؛ لیکن جب ان کی نماز سنی گئی تو پتہ چلا کہ اکثر حضرات نماز کی ابتدا میں بڑی غلطی کرتے ہیں، تکبیر تحریمہ کے بعد ''لفظ ثنا'' بولتے ہیں، اس کے بعد ثنا کے کلمات کہتے ہیں۔

نوٹ: فقہا نے ایک مسئلہ لکھا ہے کہ نماز میں دو سے زائد غیر ضروری الفاظ یا حرف زبان سے نکل جائے تو نماز فاسد ہوجاتی ہے (کمافي کتب الفقه والفتاوی)

اس لیے بہت ضروری ہے کہ بڑی عمر کے لوگوں میں روزانہ یا ہفتے میں ایک دو روز تعلیمی سلسلہ جاری ہو۔

بارڈولی میں جب مسجدِ اقصیٰ کا تعمیری سلسلہ جاری ہوا، اسی وقت سے حضرت والد صاحبؒ نے ایک طویل عرصے تک تعلیم الاسلام کو سامنے رکھ کر نماز اور عقائد اور دینی ضروری مسائل کے بیان کا سلسلہ جاری فرمایا، یہ مجلس عشا کے بعد بیس یا پچیس منٹ تک ہوتی تھی، بڑے ذوق وشوق سے لوگ اس میں شرکت کرتے تھے، جس کی ترتیب یہ تھی کہ عشا کے بعد مسجد میں تعلیم کا حلقہ ہوتا تھا، ایک روز فضائلِ اعمال کی تعلیم اور ایک روز تعلیم الاسلام، مرحوم محمد بھائی قریشی روزانہ عشا کی فرض کے بعد اعلان کرتے تھے: آج مسائل کی تعلیم ہے یا فضائل کی تعلیم ہے۔

اس کا بڑا فائدہ بھی ہوا، الحمدللہ!

مکتب میں پڑھنے والے بچوں کی بہترین تربیت

مکتب کے آپ بڑے ماہر مدرس تھے اور بفضلہٖ تعالیٰ! مرحوم کے پاس ہر قسم کا طالب علم — چاہے کتنا ہی کمزور رہو — چل جاتا تھا۔

بارڈولی کے غلام بھائی لونت کا بیان ہے کہ: ہم جس وقت پڑھتے تھے اس وقت والد صاحب مرحوم بارڈولی کی جمعہ مسجد میں امامت کرتے تھے اور والد صاحب مرحوم کی عادت تھی کہ جمعہ مسجد میں نماز پڑھا کر سیدھے مینارہ مسجد آتے اور آکر اپنے شاگردوں کی نماز کی حالت دیکھتے تھے کہ یہ لوگ رکوع، سجدہ، قیام وغیرہ دیگر ارکان صحیح صحیح ادا کرتے ہیں یا نہیں؟

جس شاگرد کی جو غلطی نظر آتی تھی اس کو ذہن میں رکھتے تھے اور جب ہم ان کے پاس مدرسے میں جاتے اس وقت ان غلطیوں کی اصلاح فرماتے تھے۔

اپنے شاگردوں کی تربیت کا یہ ایک بہترین نظام تھا اور غلام بھائی لونت نے یہ بھی فرمایا: اِس وقت ہماری نمازیں جو صحیح ہیں یہ مرحوم والد صاحب کی تربیت کی وجہ سے ہے۔

مکتب کے بچوں کو سلام و مصافحہ کا ترغیبی حکم

محلے سے جو بچے حضرت والد صاحبؒ کے پاس پڑھنے کے لیے آتے تھے، ان کو حکم تھا کہ والد صاحب جب مسجد سے نکلے تو آکر ان سے مصافحہ کریں، چنانچہ عصر، مغرب اور عشا کی نمازوں کے اوقات پر مرحوم والد صاحب سنت وغیرہ سے فارغ ہو کر

جب مسجد سے واپس لوٹ کر آتے تو تمام بچے اور بچیاں اپنے اپنے گھروں سے نکل کر سلام اور مصافحہ کرتے تھے۔

اگر کوئی بچہ یا بچی نظر نہ آتی تو آواز دے کر بلاتے اور پوچھتے کہ کیا وہ بیمار ہے؟ کہاں ہے؟ وہ کیوں ملاقات کے لیے موجود نہیں؟ اس طرح آپؒ متوجہ فرماتے تھے اور اس سے بچوں میں سلام، مصافحہ کی سنت زندہ ہو جاتی۔

آج بھی الحمدللہ! وہ ماحول باقی ہے۔

محلے کے بچوں میں سلام کا بہترین ماحول

اس کی برکت سے بچوں کے اندر سلام کا ایک عام ماحول بنا، مرحوم کے اس عمل کی برکتیں آج تک دیکھنے کو ملتی ہیں کہ جب کبھی بندہ عصر یا مغرب، عشا کی نماز میں بارڈولی موجود ہوتا ہے اور نماز سے فارغ ہو کر مکان آتا ہے تو بچے اسی طرح سلام اور مصافحہ کرتے ہیں، جس طرح مرحوم والد صاحب کے زمانے میں کرتے تھے۔

جامعہ ڈابھیل سے تعلق: جامعہ میں پہلا کارنامہ

آپ نے جامعہ ڈابھیل کی بڑی عجیب خدمات انجام دی ہے، حضرت مولانا محمد سعید بزرگؒ کا وصال میرے دورۂ حدیث شریف کے سال ہوا تھا، ان کے وصال کے بعد جامعہ کی نئی شوریٰ قائم ہوئی تو والد صاحب مرحوم کو جامعہ کی شوریٰ کا رکن بنایا گیا، چودہ (۱۴) سال والد صاحب جامعہ کی شوریٰ کے رکن رہے، شوریٰ میں آپ بڑی جرأت سے کام کرتے تھے۔

والد صاحب کا ایک عجیب کارنامہ یہ ہے کہ فی الحال جامعہ میں اسلامی تاریخ پر تنخواہ کا جو نظام ہے وہ والد صاحب مرحوم کے اصرار پر ہوا ہے، شوریٰ میں والد صاحب اس کی بہت تاکید فرماتے تھے کہ: دینی اداروں میں اسلامی تاریخوں پر حسابات نہیں ہوں گے تو دنیا میں اور کس جگہ پر ہوں گے؟

نیز اسلامی اور انگریزی تاریخ میں گیارہ دن کا فرق ہوتا ہے، ان گیارہ دن کی اضافی تنخواہ کا بھی والد صاحب نے قانون بنوا دیا تھا، الحمدللہ!

دوسرا کارنامہ

والد صاحب مرحوم کا جامعہ میں دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ درجۂ عربی اول میں فقہ کی کوئی کتاب نصاب میں داخل نہیں تھی تو آپ نے اصرار کر کے یہ فیصلہ کروایا کہ اردو دینیات سے لے کر دورۂ حدیث تک ہر درجے میں فقہ کی کتاب ہوتی ہے، عربی اول میں بھی ہونی چاہیے تو آپ ہی کی کوشش سے عربی اول میں حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ کی فقہ کی ایک کتاب ''علم الفقہ'' نصاب میں داخل کی گئی تھی۔

مگر بدقسمتی سے حالاتِ زمانے کے ساتھ طلبہ کے ذوق وشوق میں بھی کمی آ گئی بایں وجہ ایک دو سال قبل درجۂ عربی اول کے اساتذہ کے متفقہ مشورہ سے اسے نصاب میں باقی نہیں رکھا ہے۔

تیسرا کارنامہ

حضرت مولانا احمد صاحب بزرگ دامت برکاتہم کو مستقل مہتمم بنانے میں

والد صاحب مرحوم کی محنت کا بہت بڑا دخل ہے، جامعہ کی تجویز میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ مولانا محمد سعید بزرگؒ کی وفات کے بعد عارضی طور پر مولانا احمد صاحب بزرگ کو مہتمم بنایا گیا، پھر مختلف مجلسوں میں ان کی مدت میں اضافہ ہوتا رہتا تھا، ایک مرتبہ شوریٰ میں حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ کی موجودگی میں مہتمم صاحب کی مدت بڑھانے کی بات ہو رہی تھی کہ اب ان کے اہتمام کی مدت کتنی بڑھائی جائے؟

اس پر کسی نے پانچ سال اور کسی نے دس سال بڑھانے کی رائے دی؛ لیکن والد صاحب مرحوم نے اصرار کر کے مستقل کرنے کی بات پیش کی، والد صاحب کی اس بات کو سب نے پسند کیا؛ حتیٰ کہ "حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ" نے بھی ان کی اس تجویز کو بہت ہی پسند کیا اور اکثریت کے اتفاق پر "مولانا احمد صاحب بزرگ" کو مستقل مہتمم طے کر لیا گیا۔

چوتھا کارنامہ

والد صاحب مرحوم ایک مرتبہ حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کو ملنے کے واسطے دار الافتا میں تشریف لے گئے اور آپ کو استنجا کا تقاضا ہوا؛ لیکن قریب میں استنجا خانہ نہیں تھا، بعد میں آپ ہی کے اصرار پر دار الافتا کے قریب میں استنجا خانہ بنایا گیا۔

نوٹ: ہمارے یہاں جامعہ ڈابھیل میں شوریٰ کی کارروائی کی نقل اراکین شوریٰ کو بھیجی جاتی ہے، والدِ مرحوم رکنِ شوریٰ رہے ہیں؛ اس لیے تجاویز کی جو نقل آتی تھی، اسی سے یہ اقتباسات پیش کیے گئے ہیں۔

جامعہ کے اساتذۂ کرام سے ملاقات کرنے کا اہتمام

آپ جب بھی جامعہ ڈابھیل تشریف لاتے تو بہت سارے اساتذۂ کرام سے ضرور ملاقات فرماتے اور ان سے پوچھتے کہ: آپ کو کسی قسم کی پریشانی ہو تو بتائیں؛ تاکہ میں شوریٰ میں آپ کی بات پیش کروں۔

نیز اسی طرح مطبخ میں جا کر وہاں کے خدام سے بھی ان کی تکلیف کے بارے میں پوچھتے اور کھانا پکانے وغیرہ کا جائزہ لیتے اور ان کو اپنے مفید مشوروں سے نوازتے، اگر اساتذہ یا خدام میں سے کسی کو کوئی پریشانی ہوتی تو شوریٰ میں اس کو پیش کرتے اور ان پریشانیوں کو دور کرواتے۔

جامعہ کے ابتدائی عربی درجے کے ماہر استاذ حضرت مفتی یوسف ہانس صاحب سملکی زید مجدہم نے بھی مجھے بتایا کہ: خود مرحوم نے ایک مرتبہ مجھ سے ذاتی طور پر مذاکرہ کیا تھا۔

لیکن اب یہ سلسلہ باقی نہیں رہا، اساتذہ اور شوریٰ میں ضروری ربط بھی باقی نہیں رہا۔

والد صاحب مرحوم نے جامعہ کی شوری میں ۱۴ر سال خدمت انجام دی؛ لیکن زندگی میں کبھی بھی آپ نے آمدورفت کے مصارف جامعہ سے نہیں لیے، اپنے ہی پیسے خرچ کر کے جامعہ میں آنا جانا ہوتا تھا، یہ مرحوم کی خصوصی احتیاط تھی۔



بابِ چہارم

معمولاتِ زندگی

مہمان بن کر جانے میں آپ کا معمول

والد صاحب مرحوم کو جب کسی کے یہاں مہمان بن کر جانا ہوتا تھا تو چوں کہ آپ کے چاہنے والے ہر جگہ بڑی مقدار میں ہوتے تھے، مثلاً لاجپور، کفلیتہ، سملک، ڈابھیل تشریف لے جاتے تو جس کے یہاں کھانا کھانے کا ارادہ ہوتا، آپ صاف بتلا دیتے تھے کہ آج میں تمھارے گھر کھانا کھاؤں گا اور وقت بھی بتلا دیتے کہ دوسرے احباب کو مل کر فلاں وقت آجاؤں گا۔

شکار کا شوق

مچھلی شکار کرنے کا بھی آپ کو ایک خاص شوق تھا، ہمارے بارڈولی شہر کے قریب ''والوڈ'' نام کی ایک بستی ہے، وہاں کے مشہور بزرگ ''صوفی صاحب'' آپ کے خاص دوستوں میں سے تھے، انھوں نے خود سنایا کہ: مکاتب کی تعلیم کا معائنہ کرنے کے لیے والد صاحب جب تشریف لاتے تو ضروری کاموں سے فارغ ہو کر کبھی رات کے وقت میرے ساتھ ندی کے کنارے جاتے اور مچھلی پکڑ کر وہیں پر بُھون کر کھاتے اور کھلاتے۔

''نصیر پور'' کے آپ کے خاص دوست مولانا ہاشم صاحب مرحوم جو میرے پیر و مرشد فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے خلیفہ تھے اور انھوں نے ''مَہُوا'' کے قریب ''شکر تلاوڈی'' میں ''بچوں کا گھر'' نام سے ادارہ قائم کیا، ان کے پاس لائسنس والی بندوق تھی اور مجلسِ خدام الدین کے زمانے سے ہی مرحوم سے اچھی خاصی دوستی تھی، ان کے ساتھ جنگل اور کھیتوں میں شکار کے لیے بھی جاتے۔

اسی طرح ڈابھیل سملک کے قیام کے دور میں تالاب سے مچھلی پکڑتے اور مولانا عبدالحق میاں صاحب کے ساتھ شکار کے لیے تشریف لے جاتے۔

کھانے، پینے کا معمول

آپ کھانے، پینے کے بڑے شوقین تھے، مقوی، نفع بخش، مفرّح غذاؤں کو پسند فرماتے تھے، عمدہ کھانا تناول فرمانا اور کھلانا آپ کو بہت پسند تھا۔

آپ کے کھانا تناول فرمانے کا انداز بہت نرالا تھا، زندگی میں ان کو کبھی چار زانوں بیٹھ کر کھاتے نہیں دیکھا، کھانا بہت اطمینان سے چبا چبا کر، آہستہ آہستہ کھاتے، چھوٹے چھوٹے لقمے بناتے، پورے اطمینان کے ساتھ پانی پیتے، کھانے میں ہمیشہ یہ چاہت رہتی کہ کوئی میٹھی چیز ہو، کوئی میٹھی چیز نہ ہو تو کھانے کے دوران گُڑ شامل کر لیتے تھے اور میٹھا کھانے کی یہ عادت دارالعلوم دیوبند کی تعلیم کے زمانے سے ہی تھی۔

کوئی اگر جلدی جلدی کھاتا یا پیتا تو اس پر ناراضگی کا اظہار بھی کرتے اور جب کھانا کھا رہے ہوں اس وقت کوئی سامنے کھڑا رہے تو اس کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے، اور فرماتے تھے کہ: سب چیزیں لا کر رکھ دو اور ساتھ بیٹھ کر کھالو، سامنے کھڑے مت رہو، اگر کوئی سامنے کھڑے ہی رہ جاتا تو پُرلطف تنبیہ کرتے ہوئے یوں فرماتے:

تو مجھے نظر لگا رہا ہے۔

کبھی فرماتے کہ: میں کتنا کھاتا ہوں تو گن رہا ہے۔

ساتھ کھانے والے جلدی فارغ ہو جاتے تو اس کو فرماتے کہ: ہاتھ دھولو اور آپ اپنے کام میں لگ جاؤ، میں تو اطمینان سے آہستہ آہستہ کھاؤں گا۔

اتباعِ سنت میں سرکہ کا مستقل معمول

ویسے مرحوم کے کھانے میں سادگی بھی تھی، تکلّفات نہیں تھے، ایک ہی وقت میں کئی قسم کے کھانوں کو آپ پسند نہیں فرماتے تھے۔

محترم قاری یعقوب صاحب مملا مدظلہ العالی نے مجھ سے فرمایا: دسترخوان پر پورے اہتمام سے مستقلاً سالن کی شکل میں سرکہ، یہ صرف آپ کے والد صاحب کے دسترخوان پر دیکھا اور کسی جگہ اس طرح نہیں دیکھا۔

آپ کے دسترخوان پر — چاہے صرف گھر والوں کے ساتھ کھانا ہو یا کسی کی گھر پر دعوت ہو — سرکہ ضرور ہوتا تھا، جیسا کہ ہمارے یہاں دستور ہے کہ حلیم، سموسہ، کباب کے ساتھ لوگ بطورِ لذت کے سرکہ استعمال کرتے ہیں، جب کہ مرحوم والد صاحب مستقلاً کھانے میں استعمال فرماتے تھے اور گھر میں لیموں موجود بھی ہو تب بھی سلاڈ میں سرکہ ہی استعمال فرماتے تھے۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ اور سرکہ

ایک مرتبہ ”فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ“ اصلاحِ معاشرہ کے پروگرام کے سلسلے میں بارڈولی تشریف لائے ہوئے تھے، گھر پر کھانا کھاتے وقت معمول کے مطابق سرکہ بھی دسترخوان پر تھا، اس پر فدائے ملت ”حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ“ نے زور سے حدیث پڑھی:

نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ۔ ترجمہ: بہترین سالن سرکہ ہے۔

اِس پر وہاں موجود ایک صاحب نے سرکہ کا پورا بوتل مولانا مدنیؒ کے سامنے

رکھ دیا، تو اس پر مولانا فرمانے لگے: ارے بھائی! حدیث سنائی تو اس کا مطلب یہ تھوڑا ہی ہے کہ میں پوری بوتل پی جاؤں۔

ناشتہ میں مَد نہیں ہے

ایک مرتبہ ایک دینی ملّی پروگرام کی نسبت سے حضرت فدائے ملت ”مولانا سید اسعد مدنیؒ“ بارڈولی تشریف لائے ہوئے تھے، ناشتے کے دستر خوان پر انواع و اقسام کو دیکھ کر ارشاد فرمایا: ناشتے میں مَد نہیں ہے اور آپ نے تو پانچ الف مد کے مقدار جتنا ناشتہ کروا دیا (فدائے ملتؒ نے مد کے ساتھ خوب کھینچ کر ”ناشتہ“ کا لفظ ادا فرمایا)

آپ کے کپڑوں کا معمول

آپ ہمیشہ سفید کپڑے پہنتے، بندے نے کبھی رنگین کپڑے پہنے ہوئے نہیں دیکھا، عیدین اور جمعہ کے موقع پر بہت سی مرتبہ دار العلوم دیوبند سے ملا ہوا عمامہ بھی باندھتے، کپڑے سادے ہوتے تھے، فیشن والے کپڑے اور انگریزی بالوں سے بڑی نفرت تھی، اس پر ٹوکنے میں وہ کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے۔

دار العلوم دیوبند کی نمائندگی کا حق

دار العلوم دیوبند کے سابق سفیر مرحوم مولانا سید عالَم صاحب جب شروع میں ہمارے علاقے میں تشریف لائے تو والد صاحب نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: آپ کے بال کچھ انگریزی معلوم ہو رہے ہیں، آپ کا کرتہ بھی اونچا ہے، آپ دار العلوم کے نمائندے ہیں؛ اس لیے آپ کا کرتہ لمبا ہونا چاہیے، بال مناسب ہونے چاہیے۔

خوشبو میں آپ کا معمول

خوشبو میں آپ کو زوریم (zoriyam) زیادہ پسند تھا، میرے مشفق حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم والد صاحب کے لیے زوریم (zoriyam) کا ہدیہ نہایت اہتمام کے ساتھ بھیجا کرتے تھے اور آپ کے دوست قاری جلاد صاحب بھی ریونین سے برابر زوریم عطر بھیجتے رہتے تھے۔

جیب میں کھجور کی گھٹلی، الائچی، لونگ کے دانے ہمیشہ رہتے تھے، کسی موقع پر کھانے میں تاخیر ہوگئی تو کھجور کی گھٹلی چوستے رہتے اور فرماتے کہ: دورانِ سفر جب پیاس لگے تب بھی یہ گھٹلی بہت مفید ہے۔

جیب میں ہمیشہ چھوٹا سا چاقو بھی رہتا تھا۔

شوگر کی بیماری کے متعلق ایک لطیفہ

مرحوم کو میٹھا کھانے کا بہت شوق تھا، آپ خوب میٹھا کھاتے تھے (جیسا کہ اس کے متعلق پیچھے گذرا) کبھی کبھی کھانے کی دعوت میں مسلم ڈاکٹرس بھی ساتھ ہوجاتے تھے، تو دستر خوان پر سب کے سامنے ڈاکٹروں سے سوال کرتے تھے کہ: ڈاکٹر صاحب شوگر کا مرض کیوں ہوتا ہے؟

ڈاکٹر صاحب کہتے: زیادہ میٹھا کھانے سے۔

اس پر والد صاحب فرماتے: جھوٹ کہہ رہے ہو، پھر فرماتے کہ: میں اتنے سالوں سے برابر میٹھا کھاتا ہوں؛ لیکن مجھے کبھی کوئی بیماری نہیں ہوئی۔

اس پر ڈاکٹر لوگ کہتے کہ: مولانا! آپ پر تو اللہ کا فضل ہے؛ اس لیے آپ کو

اتنا زیادہ میٹھا کھانے کے باوجود شوگر کی بیماری نہیں ہوئی۔

بات یہ تھی کہ مرحوم میٹھا تو بہت کھاتے تھے؛ لیکن خود اپنے کام اور دیگر بہت سارے کام کرتے رہتے تھے۔

مکتب کا درس دینے کے بعد بہت پابندی سے باغیچے میں جا کر پسینے میں شرابور ہو کر کام کرتے تھے اور جب تک کھیت میں جاتے آتے رہے وہاں تک کھیت میں بھی بہت سارا کام کرتے رہے، یہ جفاکشی والی زندگی بھی آپ کی تندرستی کا ایک راز تھا۔

مساجد میں اسراف وفضول خرچی

مسجد میں مصلیان کی تعداد کے اعتبار سے پنکھے اور لائٹ چلانے کے بارے میں آپ کو خاص فکر رہتی تھی، زائد لائٹ جلانے اور پنکھے چلانے کو اوقاف کے مال میں اسراف سمجھتے تھے، اگر کوئی تبلیغی جماعت آئی ہو، تب بھی کم پنکھے سے کیسے کام چلایا جائے اس کی ترتیب بتلایا کرتے تھے، اس سلسلے میں مسجد کے مؤذن صاحب کو بھی خصوصی ہدایت دے رکھی تھی، بے ضرورت مسجد کی لائٹ جلانے کے آپ سخت مخالف تھے۔

تراویح میں جہراً بسم اللہ پڑھانے کا معمول

چوں کہ امام حفصؒ کے نزدیک بسم اللہ قرآن کی ہر سورت کا جزو ہے؛ اس لیے والد صاحب مرحوم کا اصرار ہوتا تھا کہ تراویح میں ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ جہراً پڑھی جائے اور تراویح پڑھانے والے حفاظ کو بھی ٹوکتے تھے کہ ہم قرأت میں امام ابوحنیفہؒ کے مقلّد نہیں ہے، اس قرأت میں ہم کو امام حفصؒ کی تقلید کرتے ہوئے ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ جہراً پڑھنا چاہیے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا بھی یہی معمول تھا اور مدنی خاندان میں تراویح میں آج تک بسم اللہ جہراً پڑھی جاتی ہے۔

چندہ دینے کی ترتیب

مدارس اور دینی ادارے کے چندے میں ہمیشہ مدرسہ کی روئیداد سامنے رکھتے اور دارالاقامہ میں طعام وقیام والے طلبہ کی تعداد کے اعتبار سے چندہ دیا کرتے، اور سالِ گذشتہ کے چندے کی رسید بھی بطورِ ثبوت خاص طلب فرماتے۔

شبِ قدر کے متعلق ایک خاص عمل

پورا رمضان روزانہ مغرب اور عشا کے بعد چند افراد کو خصوصی صدقہ دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ: کوئی بھی رات شبِ قدر ہوسکتی ہے؛ اس لیے پورا رمضان مغرب، عشا کے درمیان صدقہ کرنے کا اہتمام کرتا ہوں؛ تاکہ دوسری عبادتوں کے ساتھ شبِ قدر میں صدقہ کرنے کا بھی ثواب حاصل ہو۔

صدقے کا عام معمول

میرے والدین کو ہر ہفتہ جمعہ کے دن گوشت، انڈے، راشن وغیرہ غربا کو نفلی صدقہ کرانے کا ہمیشہ اہتمام رہا، جس میں گھر کے تمام افراد اور ذرائعِ آمدنی وغیرہ کی طرف سے صدقہ کی نیت ہوتی اور ہمیشہ اس کے بڑے برکات دیکھے گئے۔

بارڈولی ''مسجدِ حافظ جی'' کی زمین

خاندانی میراث کی تقسیم میں آبائی محلہ — جو ''حافظ جی محلہ'' کے نام سے مشہور

ہے اس — میں مکان کی تعمیر کے قابل ایک بہت بڑا قیمتی پلاٹ حصے میں آیا تھا، جب میرے لیے مکان کی تعمیر کا مسئلہ چل رہا تھا تو اس کا ایک حصہ مکان کی تعمیر کے لیے مجھے ہبہ دینے کی بات آئی؛ لیکن اہلیہ کو ایک خاص وجہ سے اس جگہ مکان کی تعمیر مناسب معلوم نہیں ہو رہی تھی اور اس محلے اور اطراف کے مسلمانوں کی دیرینہ چاہت تھی کہ وہاں ایک مسجد تعمیر ہو، مرحوم والد صاحب نے وہ پوری زمین مسجد کے لیے وقف کرنے کی نیت فرمائی اور اپنے اس عمل پر بہت ہی خوش رہا کرتے تھے۔

اس وقف کے فیصلے کے وقت بندہ کسی ملک کے دینی سفر پر تھا، جب میری سفر سے واپسی ہوئی تو والد صاحب مغرب کی نماز پڑھ کر گھر کے دروازے پر پہنچے تھے اور بندہ اسی وقت کار کے ذریعہ گھر پہنچا، گھر کے آنگن ہی میں معانقہ و مصافحہ ہوا، وہیں پر مجھے روک کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے نہایت خوشی کے جذبے میں فرمانے لگے: بیٹا! میں نے ایک بات طے کی ہے، بتاؤ! اس میں تمھاری کیا رائے ہے؟ پھر زمین کے وقف والی پوری بات سنائی۔

بندے نے بھی اس پر اللہ کا شکر ادا کر کے خوشی کا اظہار کیا تو اس پر ان کی خوشی دوبالا ہو گئی، بات پوری کر کے پھر گھر میں داخل ہو گئے۔

”مَہُوا“ مسجد کے لیے اپنا ایک کھیت وقف

اپنی بعد والی زندگی کے لیے صدقۂ جاریہ کا بھی بڑا فکر تھا۔

ایک مرتبہ جمعرات کی شام کو جب میں جامعہ ڈابھیل سے حسبِ معمول گھر پہنچا اور خدمت میں حاضری ہوئی تو ایک تحریر مجھے بتائی، اس تحریر میں لکھا ہوا تھا کہ ”مَہُوا“

جو بارڈولی کے قریب ایک گاؤں ہے، وہاں ایک پورا کھیت مرحوم نے ''مہوا'' کی نئی مسجد کے لیے وقف کرنے کی وصیت لکھی تھی۔

مجھے یہ تحریر دکھا کر فرمایا: تم اس سلسلے میں کیا کہتے ہو؟

میں نے عرض کیا کہ: بہت ہی مناسب ہے۔

اس پر بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا، پھر مسئلے کے سلسلے میں مذاکرہ فرمایا کہ: میری یہ وصیت صحیح ہے یا نہیں؟

میں نے عرض کیا کہ: اس وقت آپ کی جتنی جائیداد ہے اس میں یہ کھیت ایک ثلث سے کم ہے؛ لہٰذا آپ نے یہ وصیت نامہ تیار کیا ہے، اس کے پیشِ نظر آپ کی یہ وصیت صحیح اور ان شاء اللہ! نافذ ہوگی۔

چنانچہ مرحوم کے وصال کے بعد بڑی ہمشیرہ سے مذاکرہ کر کے ایک تحریر بندے نے تیار کی، اس کو ''نوٹری'' کروا کر ''مَہُوا'' مسجد والوں کے حوالے کر دیا۔

بعد میں بھائی احمد صاحب نے بھی مہوا میں جمعہ کے دن بندے کے ایک بیان کے وقت تشریف لا کر اس کا اعلان کیا، گویا مہوا کا پورا کھیت مسجد کے لیے وقف فرما کر اپنی آخرت کے لیے ایک بہت بڑا صدقۂ جاریہ کا کام کر دیا۔

مرحوم والد صاحب کے اوصاف واخلاق

آپ کی تواضع کا حال

تواضعاً اپنے لیے نشست وغیرہ میں امتیازی مقام کو کبھی پسند نہیں فرمایا، ایک طویل عرصہ تک جامعہ ڈابھیل کے رکنِ شوریٰ رہنے کے باوجود کبھی بھی کسی بھی جلسے میں

اسٹیج پر یا نمایاں مقام پر نہیں بیٹھے؛ حتی کہ رمضان میں آنے والے سفرا کو چندہ دیتے وقت رسید پر اپنے نام کے ساتھ لفظ ''مولانا'' لکھوانا بھی کبھی پسند نہیں کیا، اپنی خاندانی نسبت یعنی سلیمان موسیٰ حافظ جی ہی لکھواتے، جس سے بہت سارے سفرائے کرام کو یہ شک ہو جاتا کہ آپ حافظِ قرآن ہے اور آپ کے نام کے ساتھ ''حافظ'' لکھ دیتے، گویا اپنے نام کے ساتھ عالمانہ، مولویانہ تعارف بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔

تواضع کی ایک بات یہ تھی کہ وہ اپنا عصا، اپنی چپل، اپنی تھیلی خود سنبھالتے تھے، کسی اور کو پکڑوانا گوارا نہ فرماتے اور اگر کوئی آ کر ہاتھ سے لے بھی لیتا تو فوراً چھین لیتے اور مزاحاً فرماتے کہ: تو لے کر بھاگ جائے گا۔

یہ تواضع کی بات تھی کہ اپنی چیز کسی کو پکڑنے کے لیے دینا پسند نہیں فرماتے تھے، اور فرماتے تھے کہ: میں اس قابل نہیں ہوں۔

یہ سب حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی صحبت کا فیض تھا۔

مہمانوں کا اکرام

آں مرحوم کی مہمان نوازی بہت ہی معروف ہے۔

ہمارے جامعہ ڈابھیل کے درجۂ حفظ میں طویل عرصے تک خدمت دینے والے مدرس مرحوم ''حافظ ابراہیم فڑیا صاحب'' نے خود مجھے سنایا تھا: ایک مرتبہ بارڈولی مدرسے میں مکتب کے امتحان کے لیے جانا طے تھا اور مقررہ وقت سے کچھ پہلے ممتحن حضرات کا وفد پہنچ گیا، اتنی بڑی جماعت دیکھ کر میزبان حضرات حیرت میں پڑ گئے کہ اتنے سارے حضرات کے کھانے کا انتظام کیسے کیا جائے!!

مرحوم حافظ صاحب نے فرمایا کہ: صرف آپ کے والد صاحب نے فوراً فرمایا کہ: سب حضرات میرے یہاں تشریف لے آئیں، کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا؛ لیکن جو ہوگا سادہ سیدھا کھانا ہم ابھی تیار کر دیتے ہیں۔

جنگلی کچھّ ے کی دعوت

میرے استاذ ''حضرت مولانا رشید احمد بزرگ سملکیؒ'' نے سنایا: دیوبند طالبِ علمی کے دور میں مولانا عبدالحق میاں صاحبؒ — جس زمانے میں سہارنپور میں پڑھتے تھے — دیوبند تشریف لائے، والد صاحب نے ہم سب کی دعوت کی اور ایک لذیذ سالن پکایا، کھانے کے بعد پوچھنے پر بتایا کہ: یہ جنگلی کچھّ ے کا سالن تھا، جو میں تمھارے لیے شکار کر کے لایا تھا، پھر فقہ کی کسی کتاب کی عبارت سنائی۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم کا ارشادِ گرامی: وقت کی قدر و قیمت

حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب دامت برکاتہم نے ''مجلسِ خدام الدین'' کے زمانے کی بات مجھے سنائی کہ: مرحوم والد صاحب جس جگہ بیٹھتے تھے وہاں بڑے حروف سے ایک عبارت لکھی ہوئی تھی ''آپ اپنا کام کرو، مجھے میرا کام کرنے دو''۔

والد صاحب کو فضول وقت ضائع کرنے سے بہت نفرت تھی، کوئی بھی آدمی آ کر فضول وقت ضائع کرتا یہ والد صاحب کو بالکل پسند نہیں تھا، اس سلسلے میں وہ بے جھجک ٹوک دیا کرتے تھے۔

مرحوم والد صاحب اپنے نظام الاوقات کے پابند تھے، جس کام کا وقت ہوتا — چاہے کھانے کا، آرام کا، مطالعہ کا، یا عبادت کا — اس وقت کوئی بھی ہو فوراً فرمادیتے کہ: اس وقت میرا یہ کام ہے۔

معاملات کی صفائی

دینی اداروں کے منتظمین کے لیے دو بہت ہی اہم واقعے

"مجلسِ خدام الدین" کے تمام تر حسابات آپ کے پاس رہتے، خود حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم نے مجھے یہ بات بتائی کہ: مجلس کے دفتر کی چابی مولانا عبدالحق میاں صاحب مرحوم اپنی ازار بند کے ساتھ باندھ کر رکھتے تھے اور بہت ہی وثوق کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ: مولانا سلیمان صاحب جو بھی حساب رکھتے ہیں وہ اتنا صاف اور صحیح ہوتا ہے کہ اگر آدھی رات کو بھی کوئی مجھ سے مجلس کے حسابات کے بارے میں سوالات کرے تو کل شام تک کا مکمل حساب کھول کر بتا سکتا ہوں۔

خود حضرت مولانا عبداللہ صاحب دامت برکاتہم نے اپنا واقعہ مجھے سنایا کہ: ایک مرتبہ میں اور مولانا ہاشم صاحب نصیر پوری ثم برطانوی مجلس کے کام سے کسی جگہ گئے ہوئے تھے، دورانِ سفر جو اخراجات ہوئے وہ لکھ کر والد صاحب کو جمع کرا رہے تھے، والد صاحب مرحوم کا نظام ایسا تھا کہ جو بھی اخراجات ہوئے ہو اس کی پوری تفصیل بل کے ساتھ وہ دیکھنا چاہتے تھے اور وہ دیکھا کرتے تھے، یہاں تک کہ بس کا ٹکٹ بھی ان کو جمع کرانا ہوتا تھا۔

مولانا عبداللہ صاحب فرمانے لگے کہ: تمہارے والد صاحب تمام حسابات جانچ کر کے صحیح کا نشان کرتے جارہے تھے، ایک جگہ پہنچ کر ان کا قلم رک گیا، جہاں تین چائے کا حساب لکھا ہوا تھا، والد صاحب نے فوراً سوال کیا کہ: مجلس کی طرف سے آپ دو حضرات گئے ہوئے تھے، یہ تین چائے کیسی؟ دو ہونی چاہیے؟

اس پر میں نے اور مولانا ہاشم صاحب نے کہا کہ: ہم دونوں سورت ریلوے اسٹیشن کے قریب چائے پی رہے تھے کہ اتنے میں ایک تیسرے مولوی صاحب وہاں پہنچ گئے تو ان کو بھی چائے پلادی۔

اس پر والد صاحب مرحوم فرمانے لگے کہ: وہ تیسرے مولانا صاحب کی مہمانی آپ لوگوں کے جیب سے، مجلس کے حساب سے تو دو ہی چائے کے پیسے ملیں گے۔

اس پر مولانا عبداللہ صاحب نے مولانا ہاشم صاحب سے فرمایا: مولانا سلیمان کی یہ بات اصولی اور ضابطے کی ہے۔

آپ حسابات کے معاملے میں اس قدر دیانت دار تھے۔

صلہ رحمی

مرحوم کو اپنے رشتے داروں سے صلہ رحمی کا بھی بڑا اہتمام تھا، نزدیک اور دور کے تمام رشتے داروں کے ساتھ رشتے داری کے تمام حقوق برابر ادا فرماتے، زکوٰۃ کی اپنی ذاتی رقومات اور دوسروں کی جو رقوم ان کے پاس تقسیم کے لیے آتیں اور دیگر مختلف قسم کے صدقات، عطیات میں سے رشتے داروں میں جو غریب ہیں ان کے لیے ایک خاص حصہ متعین فرماتے اور ان کو ضروریات کے مطابق منظم طور پر عنایت فرماتے۔

دور دور کے رشتے داروں سے رشتے داری کیسے بیٹھتی ہے اس کی تفصیلات سے ہم لوگوں کو آگاہ فرماتے، اپنی دونوں طرف کی رشتے داریاں یعنی اپنے نسب اور خاندان کی اور دوسری سسرالی رشتے داری برابر مربوط رکھتے تھے۔

خود باری تعالیٰ قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ (الفرقان:۵۴)

ترجمہ: اور وہ (اللہ تعالیٰ) وہی ہے جنھوں نے پانی (یعنی منی کے قطرے) سے انسان کو پیدا کیا اور اس (انسان) کو نسبی اور سسرالی رشتہ والا بنایا۔

گویا جس طرح نسب اور خاندان ایک مستقل اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اسی طرح سسرالی رشتہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔

دیکھیے! سسرالی رشتے میں کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں کہ اس میں دائمی حرمت آتی ہے، مثلاً اپنی بیوی کی ماں، چاہے بیوی نکاح میں ہو یا اس کو طلاق ہوگئی ہو، چاہے بیوی زندہ ہو یا انتقال کر گئی ہو، اس کی ماں سے دائمی طور پر نکاح حرام ہے، قرآنِ مجید میں اور ایک جگہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ (بنی اسرائیل:۲۶)

ترجمہ: اور تو رشتے داروں کو ان کا حق دے۔

اس میں باری تعالیٰ نے رشتے داروں کا حق ادا کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

اسی طرح حدیث شریف میں بھی رشتے داری کے حقوق کی ادائیگی پر بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں، حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلّى الله عليه وسلم قال:
مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِيْ رِزْقِهِ وَأَنْ يُنْسَأَلَهُ فِيْ أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ. (رواه البخاري)

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: جس شخص کو رزق کی وسعت اور لمبی عمر کی خواہش ہو تو اسے صلہ رحمی کرنا چاہیے۔

دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

عن جبير بن مطعم عن النبي صلّى الله عليه وسلم قال: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ۔ (رواه البخاري)

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: قطع رحمی کرنے والا (یعنی رشتے داریاں کاٹنے والا) جنت میں داخل نہ ہوگا۔

رشتے داری کے حقوق

مرحوم قرآن اور حدیث کی ان تاکیدات پر بفضل اللہ! پوری زندگی برابر عمل کرتے رہے اور دوسروں کو بھی اس سلسلے میں بڑی تاکید فرماتے۔

آج کل اس سلسلے میں ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ جو رشتے دار صاحبِ مال ہیں یا صاحبِ منصب و وجاہت ہیں یا جن سے کوئی غرض وابستہ ہوتی ہے یا جن سے کوئی کام پڑتا ہے یا جو رشتے دار مشہور ہوتے ہیں یا جن کی طرف رشتہ داری کی نسبت کرنے سے خود کو عزت ملنے کی توقع ہوتی ہے، یا جن رشتے داروں سے کوئی فائدہ ہوسکتا ہے، ان سے تو لوگ رشتے داری کا تعلق رکھتے ہیں، کسی بھی طرح تعلقات نبھا لیتے ہیں۔

لیکن جہاں کوئی دنیوی فائدہ یا غرض نظر نہ آوے وہاں رشتے داریاں نبھانے

میں بڑی کوتاہیاں ہوتی ہیں؛ حالاں کہ ضرورت ہے اس بات کی کہ اغراضِ دنیوی سے دور ہو کر محض اللہ کی رضا کے واسطے رشتے داریوں کو نبھایا جائے اور قرآن وحدیث میں آئے ہوئے فضائل کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

آج کے دور میں رشتے داریوں کا حال

آج کے ماڈرن زمانے میں ایک ایسا نظامِ زندگی بنتا جارہا ہے کہ لوگ رشتے داروں سے کٹے ہوئے رہتے ہیں؛ بلکہ رشتے داروں کو جانتے پہچانتے تک نہیں ہیں اور رشتے داروں کے بجائے دوستوں اور سرکل کے لوگوں کے ساتھ تعلقات اور روابط زیادہ ہوتے ہیں، ضرورت ہے اس بات کی کہ ہم رشتے داریوں کو جاننے، پہچاننے اور ان کے حقوق ادا کرنے کا اہتمام کریں۔

بندے کے متعلق پیر ومرشد حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کا یہ ارشاد بہت ہی مشہور ہے کہ: ہم دنیا میں جہاں بھی جاتے ہیں مفتی محمود کے کوئی نہ کوئی رشتے دار ضرور مل جاتے ہیں اور وہ ان کو ملنے جاتے ہیں۔

مرحوم والد صاحب پوری زندگی اپنے دور اور قریب کے تمام رشتے داروں سے برابر تعلقات رکھتے تھے اور جب کبھی دوسرے کسی گاؤں میں جانا ہوتا اور وہاں کوئی رشتے ہو، چاہے دور ہی کا رشتہ؛ تو ان کی خبر پرسی کے لیے ضرور تشریف لے جاتے اور اپنے وطن میں جو رشتے دار ہیں ان کو بھی ملنے کے لیے تشریف لے جاتے۔

یہاں تک کہ اپنے رشتے داروں میں جو چھوٹے سمجھے جاتے تھے، مثلاً خود کے پوتے، نواسے، بھائی بہن کے پوتے، نواسے ان سے بھی اچھے تعلقات رکھتے تھے۔

بابِ پنجم

اسفار

والد صاحب کے اپنے حج کے اسفار

میری یاد اور معلومات کے مطابق حضرت والد صاحبؒ نے سب سے پہلا حج والدہ مرحومہ کے ساتھ ۱۹۷۳ء میں ادا کیا، اس وقت وسائل کی بہت کمی تھی، بارڈولی سے سورت جانے کے لیے بارڈولی ریلوے اسٹیشن پہنچے، ٹرین میں سوار ہو کر سورت تشریف لے گئے، وہاں سے بمبئی تشریف لے گئے، واپسی بھی تقریباً اسی طرح ہوئی۔

حافظ جی محلے والے خاندانی مکان سے ریلوے اسٹیشن گھر کے ٹرک میں سوار ہو کر گئے تھے، اس زمانے میں حجاج کی تعداد قلیل ہوا کرتی تھی؛ اس لیے بستی کے کافی لوگ؛ خصوصاً رشتے دار ریلوے اسٹیشن تک الوداع کرنے آئے اور خوب دعائیں ہوئیں، اس وقت سفرِ حج میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ بھی اپنے پورے اہل کے ساتھ اسی پانی کے جہاز میں تشریف فرما تھے۔

اس کے بعد دوسرے دو حج والدہ کے ساتھ ادا فرمائے، اس طرح والدین نے کل تین حج ساتھ میں ادا کیے تھے۔

پہلی مرتبہ سفرِ حج کے بعد گھر جل جانے کا عجیب واقعہ

والد صاحب مرحوم کے پہلے سفرِ حج کے بعد ہمارا پورا مکان جل گیا تھا، مکان جلنے کی کیفیت یہ تھی کہ گھر کی ایک چیز بھی باقی نہیں رہی تھی، صرف ایک قرآنِ مجید کا نسخہ اور چند سکّے — جو حضرت مدنیؒ کے دیے ہوئے تھے — محفوظ رہے تھے۔

حضرت مدنیؒ کے تبرکات میں سے ایک ”نقدی سکہ“ بندے کے پاس بھی

بطورِ تبرک موجود ہے الحمد للہ علی ذالک۔

گھر جل جانے والے قصے کو میرے بڑے بھائی احمد نے مفصل لکھا ہے جو اس طرح ہے کہ:

۱۹۷۳ء میں میری (احمد کی) منگنی ڈابھیل میں تبلیغی ذمے دار مرحوم ”عثمان بھائی چنارا“ کی بیٹی سے کروا کر والدِ مرحوم پہلی مرتبہ بحری جہاز سے سفرِ حج کے لیے تشریف لے گئے ۲۹/یا ۳۰/شعبان کو مکۃ المکرمہ پہنچے اور رمضان المبارک سے محرم الحرام تک پورے چھ ماہ سفر میں گزار کر آخری بحری جہاز سے واپسی ہوئی تھی۔

بارڈولی میں والد صاحب کی قیام گاہ داداجی کے پُرانے مکان کے اوپر والے حصے میں تھی، مکان کچا لکڑیوں کا بنا ہوا تھا، والد صاحب ظہر کی نماز کے لیے مینارہ مسجد تشریف لے گئے تھے اور والدہ محترمہ اور (مفتی) محمود اور بھانجہ شعیب گھر میں آرام کر رہے تھے اور احمد ٹرک کے ساتھ سورت جانے کے لیے عقّل ٹیکری گیا تھا۔

عقّل ٹیکری کی وجہ تسمیہ

فی الحال بارڈولی مکی مسجد کے سامنے جو باغ ہے وہاں دکھّنی حصے میں ٹرک والوں کی مجلس ہوتی تھی اور وہاں ایک آم کا درخت تھا، اس کے نیچے مرحوم حاجی احمد بھائی کلیکٹر کی چائے کی لاری تھی، سب ٹرک والے مسلم، غیر مسلم وہاں جمع ہوتے تھے، ایک جملہ مشہور تھا کہ اس ٹیکری پر عقل والے لوگ ہی جمع ہوتے ہیں، اسی سے اس کا نام ”عقل ٹیکری“ ہو گیا تھا۔

بہر حال! ”عقل ٹیکری“ سے سورت جانے کے لیے ٹرک میں بیٹھا ہی تھا کہ

گاؤں کی طرف میری نظر پڑی تو دیکھا کہ گاؤں میں آگ کی وجہ سے بہت زیادہ دھواں اٹھ رہا ہے، تو میں اپنی عادت کے مطابق سورت جانے کا سفر موقوف کر کے سائیکل پر گاؤں کی طرف روانہ ہوا، دیکھا کہ ہمارا ہی مکان جل رہا ہے، والدۂ محترمہ کو آگے والی کھڑکی سے نیچے اتارا گیا، مکان لکڑی کا ہونے کی وجہ سے مکمل جل گیا تھا، عصر سے پہلے پہلے آگ قابو میں آئی۔

پڑوس کے چند بچے مکان کے قریب چُھپ کر بیڑی پی رہے تھے، وہ اس حادثہ کا سبب بن گیا۔

حضرت مدنیؒ کے تبرکات

والد صاحب مرحوم عصر کی نماز ادا کر کے آئے تھے اور یوسف چاچا کے مکان کے پاس اپنے رشتے دار، دوست واحباب کے ساتھ کھڑے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

سب لوگوں نے ان کو ہمت دلائی اور صبر کرنے کی تلقین کی۔

اس پر والدِ مرحوم نے ایک عجیب بات فرمائی کہ: جس نے دیا تھا اس نے لے لیا اور فرمایا کہ: میں ۷۵/روپیے کی تنخواہ کا آدمی ہوں، پھر بھی اللہ کا شکر ہے کہ اس ذات نے حجِ بیت اللہ نصیب فرمایا۔

پھر ایک عجیب بات یہ فرمائی کہ: یہ آنسو مال اور گھر جل جانے کی وجہ سے نہیں ہے؛ بلکہ — ایک آہ لے کر فرمایا — یہ آنسو تو میرے مرشد ''شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ'' کے جو تبرکات میرے پاس تھے اس کے جل جانے کی وجہ سے ہیں؛

کیوں کہ یہ تبرکات اب مجھے ہاتھ آنے والے نہیں ہیں، مکان اور سامان تو اللہ مجھے دوبارہ عطا فرمادے گا۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی طرف سے والد صاحب مرحوم کو جو تبرکات ملے تھے اس میں سے ایک حضرت شیخ علیہ الرحمہ کا کرتہ تھا اور کرتے کے متعلق والد صاحب فرماتے تھے کہ: اس کرتے میں سے ایک ٹکڑا کاٹ کر میرے مرنے کے بعد میرے کفن میں بھی رکھ دینا۔

دوسری چیز جو بطور تبرک ملی تھی وہ حضرت کی استعمال کردہ جوتیاں تھیں اور تیسری چیز حضرت شیخ الاسلامؒ کی بیاض (کاپی) تھی، اس کے علاوہ دیگر اساتذۂ کرام کی یادداشتین بھی تھیں۔

آج کل حجّاجِ کرام کا طرزِ عمل

اِس زمانے میں ماشاء اللہ! حجاج کی کثرت ہے، لوگ بڑی تعداد میں حج کی سعادت سے مالا مال ہو رہے ہیں؛ لیکن ہوتا یہ ہے کہ بمبئ ہوائی اڈے پر کئی مرتبہ یہ منظر دیکھا کہ ایک دو حاجیوں کو رخصت کرنے کے لیے بڑے بڑے قافلے آتے ہیں، عورتیں بے پردہ، نمازوں کی ادائیگی کا کوئی اہتمام نہیں اور روانگی کے وقت ہوائی اڈے پر تصویر کشی کے لیے ویڈیو (video) وغیرہ چلائے جاتے ہیں یہ سب غلط کام ہیں۔

یہ حج کے فریضے کی ادائیگی کا سفر ہے، اس کو سادگی سے انجام دیا جائیں، نمائش اور مجمع کو جمع نہ کیا جائیں، کوئی گناہ نہ کریں، نمازوں کا اہتمام ہو، شرعی پردے کا لحاظ ہو، یہ ایک اہم عبادت ہے اور عبادت کو رسم نہ بنایا جائیں۔

زندگی کا آخری حج

چوتھے حج میں والد صاحب کے ساتھ (مفتی) محمود کو بھی سعادت حاصل ہونی مقدر تھی، اس کا پس منظر اس طرح ہے کہ نواپور میں والد صاحب مرحوم کے دوست ''آدم باوا وہورا'' کا انتقال جمعہ کے دن ہوا تھا (نواپور و وہورا خاندان کا تذکرہ آگے آرہا ہے) ان کی جنازے کی نماز میں شرکت کے لیے ہم جارہے تھے، میں نے راستے میں بہت لجاجت کے ساتھ عرض کیا کہ: والد صاحب! مجھے آپ کے ساتھ حج کی سعادت حاصل نہیں ہوئی ہے، میری درخواست ہے کہ آپ کی معیت میں سفرِ حج ہوجائے۔

والد صاحب نے بڑی خوشی سے درخواست کو قبول فرمایا، پاسپورٹ بھی ختم ہو گیا تھا، ہمارے ایک دوست — جو دمن شہر میں رہتے ہیں — محترم بھائی الحاج ساجد صاحب میمن — اللہ ان کو جزائے خیر دے — رات دیر سے بارڈولی پہنچے اور والد صاحب کو لے کر سیدھے احمد آباد گئے اور فوری پاسپورٹ بنایا اور پھر حج کے لیے تیاری شروع کردی۔

والد صاحب کے حج کی خبر سنتے ہی برطانیہ سے میری دونوں بہنیں بھی دونوں بہنوئی کو لے کر حج میں شرکت پر آمادہ ہوگئیں، گویا یہ حج کا سفر بہت پُر کیف رہا۔

اس وقت محترم صادق بھائی احمد آباد والے جو بارڈولی سے حج کا گروپ لے کر چلتے تھے اور ٹورنٹو، کنیڈا کے حج گروپ میں شامل ہوجاتے تھے، جو کنیڈا کے جناب الحاج شعیب بھائی باگیا کا ہوتا تھا۔

حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری (أطال اللہ بقاءہ) اور حضرت مفتی ابراہیم صاحب گجیا (دامت برکاتہم العالیہ) اور دوسرے بھی علمائے کرام کا چھوٹا قافلہ تھا۔

طوافِ زیارت کا عجیب واقعہ

اس آخری حج کے موقع پر جسمانی علالت اور بڑھاپے کی وجہ سے منیٰ، عرفات، مزدلفہ وغیرہ مقامات پر زیادہ تر مرحوم کے واسطے ''ویل چیئر'' کا استعمال کیا گیا؛ البتہ جب طوافِ زیارت کا وقت آیا تو ہم نے بہت درخواست کی کہ ''حشب'' میں طوافِ زیارت کروا دیا جائے۔

اُس وقت مطاف میں کمزوروں کے لیے حشب ہوا کرتے تھے۔

دونوں بہنوں اور محمود نے اور بھانجہ شاہد نے بہت ہی اصرار کیا؛ لیکن کسی طرح بھی تیار نہ ہوئے اور پیدل ہی طوافِ زیارت پر مُصر رہے؛ بالآخر ان کے عزم کے سامنے ہمیں اپنا اصرار چھوڑنا پڑا، ایک بڑا رومال — جو عام طور پر ساتھ رکھنے کا معمول تھا— کمر پر باندھا اور بڑی ہمشیرہ مرحومہ اور بھانجہ شاہد دونوں آگے رہے اور محمود پیچھے کی طرف رہا، اس طرح پورا طوافِ زیارت کیا۔

پیدل طوافِ زیارت پر بہت خوش بھی تھے، یہاں تک کہ قیام گاہ پر آ کر حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کے سامنے بہت ہی خوشی سے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے پیدل طوافِ زیارت کا تذکرہ کیا اور ایک شعر جھوم جھوم کر پڑھ رہے تھے:

اٹھ، باندھ کمر، ڈرتا کیا ہے؟	پھر دیکھ خدا کرتا کیا ہے!

بارڈولی مسجدِ افضیٰ کے چندے کے لیے برطانیہ کا سفر

ہمارے محلّے ''آدرش کالونی'' کے لیے جب مسجدِ افضیٰ کی تعمیر ہونا طے ہوا تو

اس کے چندے کے لیے مرحوم والد صاحب نے برطانیہ کا سفر فرمایا اور وہاں بہت ہی محنت سے اپنے رشتے دار اور رُفقا سے مسجد کا چندہ کیا۔

جامعہ قاسمیہ کھروڈ کے ایک اہم ذمے دار انگلینڈ میں مقیم حافظ سلیمان جو گیات صاحب نے مجھے بتایا کہ: میرے والد اور آپ کے والد میں بڑی گہری دوستی تھی، جب آپ کے والد صاحب برطانیہ مسجد کے چندے کے لیے تشریف لائے تو سخت سردی کے موسم میں گھر گھر جاتے، برف اور اولے باری ہوتی، دروازہ کھٹ کھٹا کر مسجد کے لیے چندے کی اپیل کرتے، اس وقت کے حالات میں زیادہ تر لوگ آدھا پاؤنڈ یا ایک پاؤنڈ چندہ دیتے، کوئی پانچ پاؤنڈ دیتا تو یہ بہت بڑی بات سمجھی جاتی۔

واپسی کے بعد ایک صاحب نے برطانیہ کے سفر کے دوران طبیعت کے متعلق سوال کیا تو جواب عنایت فرمایا کہ: ایک روز بھی ایسا نہیں گذرا جس میں مسجد کے لیے چندے کا کام نہ کیا ہو۔

وہاں اپنی ضروریات کے لیے بڑی ہمشیرہ مرحومہ کے مکان میں عارضی طور پر فرشی استنجا خانہ بھی پر تیار کروایا، دونوں ہمشیرہ اور دیگر رشتے داروں اور رفقا کے یہاں قیام رہا اور مسجد کے چندے کا یہ سفر بہت ہی کامیاب رہا۔

حج اور عام اسفار میں تکبیرِ اولیٰ کا اہتمام

سفرِ حج و عمرہ میں والد صاحب پانچوں نمازیں باجماعت تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ حرم شریف میں پڑھنے کا اہتمام فرماتے تھے، تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ نماز پڑھنے کا معمول پوری زندگی رہا؛ حتی کہ میرے ساتھ کسی سفر میں دمن، نواپور وغیرہ جب آنے کا ارادہ

فرماتے تو پہلے مجھے سوال کرتے کہ کتنے بجے چلنا ہے؟

دورانِ سفر کسی نماز کا وقت آجاتا تو پوچھتے: مثلاً ظہر کی جماعت کہاں ملے گی؟ یا عصر کی جماعت کہاں ملے گی؟

یعنی دورانِ سفر بھی اس طرح نظام مرتب کرنے کا حکم رہتا تھا کہ راستے میں بھی جماعت مل جائے، یہ آپ کا خاص وصف رہا ہے، ہاں! اگر سفر کے دوران کسی جگہ راستے میں مسجد میں جماعت کا موقع نہ ہو سکے تو پھر رفقا کے ساتھ جماعت کا اہتمام فرماتے، بعض مرتبہ کسی بہت ہی زیادہ مجبوری کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھنے کا موقع ہوا تب بھی گھر کے افراد کو جمع کر کے جماعت سے نماز پڑھتے تھے۔

سفرِ حج میں والدِ مرحوم کے متعلق حضرت شیخ الحدیث مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کا ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم نے مجھے ایک موقع پر فرمایا کہ: سفرِ حج میں آپ کے والد صاحب کے ساتھ رہ کر میں نے ایک بات دیکھی کہ آپ (مرحوم والد صاحب) کا اللہ کی ذات کے ساتھ تعلق، توکل اور یقین بہت قوی ہے۔



بابِ ششم

متفرقات

والد صاحب مرحوم کی اپنے ملک ہندوستان سے محبت

اپنے وطن ہندوستان کی محبت بھی آپ کے دل میں بہت زیادہ تھی، چنانچہ آپ نے اپنے بچپن میں ہندوستان کی جنگِ آزادی میں باقاعدہ حصہ لیا تھا، ہمارے دادا مرحوم حاجی موسیٰ حافظ جی بارڈولی میں آزادی کی جنگ میں حصہ لیتے تھے اور اسی سلسلے میں ان کو جیل کی سزا بھی ہوئی تھی۔

والد صاحب کو شجاعت وراثت میں ملی تھی اور اپنے شیخ اور استاذ ''حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ'' کے ساتھ جنگِ آزادی کے آخری دنوں میں سفر اور حضر میں ساتھ رہتے تھے، جس وقت ملک کے بہت سارے حصوں میں تقسیم کے عنوان سے حضرت مدنیؒ کی مخالفت ہو رہی تھی، اس وقت بھی مرحوم والد صاحب حضرت مدنیؒ کے ساتھ جایا کرتے تھے۔

اتنا ہی نہیں؛ بلکہ وطن کی محبت اس درجہ دل میں بھری ہوئی تھی کہ ہمارے بڑے بھائی احمد کے یہاں جس وقت ان کے بچے چھوٹے چھوٹے تھے اور ان کو سُلانا ہوتا تو والد صاحب بچوں کو سلانے کے لیے جو لوری پڑھی جاتی ہے اس میں بہت نرالے انداز میں جنگِ آزادی کے موقع پر بچوں کے لیے پڑھا جانے والا ترانہ پڑھتے تھے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

میرا مُنّا جوان ہوگا، ہتھیار اٹھائے گا	وطن کے دشمنوں کا خون بہائے گا

اُس زمانے میں انگریزوں کے خلاف بچوں کی اس طرح ذہن سازی کی جاتی تھی، والد صاحب بھی اِس طرح بچپن ہی سے بچوں کی ذہن سازی فرمایا کرتے تھے۔

کفایت المفتی میں ایک استفتاء:ہندوستان میں سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

حضرت مولانا سلیمان بن محمد موسیٰ حافظ جی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا استفتا

از مفتیٔ اعظمِ ہند حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سوال: ہندوستان کے دار الحرب ہونے میں اب تو کوئی شک نہیں معلوم ہوتا، تو کیا اب سود لینا جائز ہوگا اور اس کا استعمال جائز ہوگا؟

۱۸ / ربیع الاول ۱۳۷۰ھ

۲۸ / دسمبر ۱۹۵۰ء

جواب: ہندوستان اگرچہ پہلی حالت میں نہیں رہا؛ مگر دار الحرب نہیں بنا؛ بلکہ یہاں کی حکومت قانوناً مشترک حکومت ہے، جس میں مسلمان ممبر بھی شامل ہے؛ اس لیے سود کا جواز سمجھ میں نہیں آتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(کفایت المفتی ۱۱/ ۱۷۳، مطبع ادارہ الفاروق کراچی)

والد صاحب کی شجاعت اور بہادری

آپ کی شجاعت اور بہادری کا ایک عجیب واقعہ لکھتا چلوں:

غالباً ۱۹۸۳ء میں شہر بارڈولی میں ایک قومی فساد ہوا تھا اور میرے بھائی مرحوم مولوی محمد اس وقت نظام الدین مرکز دہلی میں پڑھتے تھے- جن کا وصال مؤرخہ ۲ / صفر المظفر ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۶ / نومبر ۲۰۱۴ء بروز بدھ کافی دن علالت کے بعد لیسٹر، برطانیہ

میں ہوا، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون — اس وقت رمضان میں اپنے ایک ساتھی مولوی ممتاز رانچی کو بارڈولی مسجدِ اقصیٰ میں تراویح پڑھانے کے لیے ساتھ لے کر آئے تھے، یہ دونوں یعنی مولوی محمد اور ان کے ساتھی مولوی ممتاز کسی کام سے سورت گئے تھے اور دونوں کو بارڈولی آنے میں رات کو بہت دیر ہوگئی تھی، اِدھر بارڈولی کا ماحول ناسازگار تھا اور اس زمانے میں فون کا بھی اتنا رواج نہ تھا اور یہ دونوں ساتھی سورت سے بس میں سوار ہو کر بارڈولی پہنچے، اُس وقت بسیں ''لمڈا چوک'' — جہاں ابھی سرکاری ہسپتال ہے اس کے پڑوس — میں رکتی تھیں۔

جب یہ دونوں بارڈولی پہنچے تو ان کو معلوم نہیں تھا کہ ماحول ناسازگار ہے اور دونوں بس سے ''لمڈا چوک'' اتر گئے، جیسے ہی بس سے اترے تو دونوں کو چند شرارت پسند لوگوں نے گھیر لیا اور کچھ زیادتی بھی کی؛ لیکن مولوی ممتاز بھاگنے میں کامیاب ہو گئے اور بھاگتے بھاگتے ملی مسجد ہوتے ہوئے گاندھی روڈ سے گھر پر صحیح سلامت آ گئے، اُس وقت گانڈھی روڈ کا کام چل رہا تھا اور بھائی مولوی محمد کہیں چھپ گئے۔

ہوا یہ کہ بھائی مولوی محمد سے پہلے مولوی ممتاز جلدی گھر آ گئے اور بھائی کو آنے میں دیر ہو گئی، تو ہماری سوسائٹی میں ہنگامہ ہو گیا کہ مولوی محمد کو فسادیوں نے پکڑ لیا ہے، اس وقت والد صاحب نے سر پر عمامہ باندھا اور ہاتھ میں ڈنڈا لیا اور فوراً بڑی ہمت کے ساتھ بس اسٹاپ کے علاقے میں بیٹے مولوی محمد کی تلاش کے لیے تشریف لے گئے، جب کہ بھائی صاحب دوسرے راستے سے صحیح وسلامت گھر آ گئے اور والد صاحب کو معلوم نہ ہو سکا، والد صاحب نے پولس والوں کو بڑی ہمت سے کہا کہ: آپ لوگ بیچ سے ہٹ جاؤ، پھر دیکھو! ہم کس طرح ان کا مقابلہ کرتے ہیں۔

بہر حال! آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ بہت ہمت و دلیری بھی عطا فرمائی تھی، یہ فیض بھی آپ کے شیخ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا تھا۔

غریبوں اور مزدوروں کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ

مرحوم کا مکتب کی تعلیم کے ساتھ ساتھ کاشت کاری اور اینٹ بنانے سے بھی تعلق رہا ہے، اُس زمانے میں چاول کی کھیتی کیا کرتے تھے، جب چاول کی فصل تیار ہو جاتی تو اس کے کاٹنے کے موسم میں مزدوروں کی مختلف چھوٹی بڑی جماعت اس کی کٹائی کے لیے آیا کرتی تھی اور لوگ ان سے معاملہ طے کر کے اپنے اپنے کھیتوں میں کٹائی کے لیے لے جاتے۔

ایک مرتبہ اسی طرح مزدوروں کی ایک جماعت آئی تھی، مرحوم کو ایک فصل کی کٹائی کی ضرورت تھی، مرحوم نے ان مزدوروں سے بات چیت کی، اس وقت کٹائی کی جو معروف اجرت چل رہی تھی اس کے مقابلے میں ان مزدوروں نے کافی کم اجرت بتائی تو مرحوم سمجھ گئے کہ یہ مزدور نئے ہیں اور ان کو معروف اجرت معلوم نہیں ہے؛ لیکن مرحوم نے ان کی اس جہالت سے فائدہ نہیں اٹھایا؛ بلکہ نبیٔ کریم ﷺ کی پاکیزہ تعلیم پر عمل کیا کہ ہر انسان کے ساتھ خیر خواہی ہونی چاہیے؛ اس لیے ان سے بات کی کہ تم لوگ نئے معلوم ہو رہے ہو، آخر ان مزدوروں کو معروف اجرت سے بھی کچھ زیادہ اجرت دے کر فصل کی کٹائی کے لیے معاملہ طے کر لیا اور ان کو اپنے کھیت میں لے آئے۔

اسی طرح ملازموں کو گجراتی زبان میں ”ماما“ کے معزز لفظ سے خطاب کرنے کی عادت تھی۔

آج کے زمانے میں جب کہ مزدوروں کے ساتھ بُرا سلوک کیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ ایسا حق تلفی کا معاملہ کیا جاتا ہے -الامان والحفیظ- کہ ہماری عقل حیران رہ جاتی ہے؛ لیکن ایک مؤمنِ صادق کی زندگی سے کیسی عمدہ بات سیکھنے کو ملتی ہے۔

اسی سلسلے میں حدیث کی کتابوں میں وارد ایک عجیب واقعہ جو بندے نے اپنے مرشدِ ثانی حضرت اقدس شیخ الحدیث مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم کے درسِ بخاری شریف میں سنا تھا اور بعد میں استاذِ محترم حضرت مولانا ابراہیم صاحب پٹنی دامت برکاتہم کی عشقِ نبی ﷺ سے لبریز کتاب "عمدة النصيح على بردة المديح" میں پڑھا تھا، اس کو بعینہ نقل کرتا ہوں:

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ایک عجیب واقعہ

حافظ طبرانیؒ نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ایک بصیرت افروز واقعہ نقل کیا ہے کہ: ایک دفعہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو ایک گھوڑا خرید لانے کا حکم دیا، وہ تین سو درہم میں ایک گھوڑا خرید لایا اور گھوڑے کے مالک کو رقم دلوانے کے لیے ساتھ لے آیا، حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو طے شدہ دام بھی بتلائے گئے اور گھوڑا بھی پیش کر دیا، آپ رضی اللہ عنہ نے اندازہ کیا کہ گھوڑے کی قیمت تین سو درہم سے کہیں زائد ہے، چناں چہ آپ رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کے مالک سے کہا کہ: آپ کا یہ گھوڑا تین سو درہم سے زائد قیمت کا ہے، کیا آپ چار سو درہم میں فروخت کرو گے؟

اس نے جواب دیا کہ: جیسے آپ کی مرضی۔

پھر فرمایا: آپ کے گھوڑے کی قیمت چار سو درہم سے بھی زائد ہے، کیا پانچ سو

درہم میں بیچو گے؟

اس نے کہا کہ: میں راضی ہوں۔

اسی طرح حضرت جریر رضی اللہ عنہ سو، سو درہم کی زیادتی کرتے چلے گئے؛ بالآخر آٹھ سو درہم میں گھوڑا خرید لیا اور رقم مالک کے حوالے کر دی۔

آپ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ: جب مالک تین سو درہم پر راضی تھا تو پھر آٹھ سو درہم دے کر اپنا نقصان کیوں کیا؟

آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: گھوڑے کے مالک کو قیمت کا صحیح اندازہ نہیں تھا، میں نے خیر خواہی کرتے ہوئے اس کو پوری قیمت ادا کی ہے؛ کیوں کہ میں نے حضرت نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ ہمیشہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا، میں نے اس وعدے کا ایفا کیا ہے۔ (نووی شرح مسلم: ۱/۵۵۔ تراشے ص: ۱۷)

بارڈولی مینارہ مسجد کے قضیہ کے موقع پر حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ کی بارڈولی تشریف آوری اور میری تعلیم کی بسم اللہ

میرے دوسرے نمبر والے بھائی مولانا محمد صاحب کا بیان ہے کہ میں (یعنی محمود) بہت چھوٹا تھا تو میری قرآنِ مجید ناظرہ کی بسم اللہ بھی والد صاحب نے حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ سے کروائی تھی، یعنی میری تعلیم کا آغاز بھی والد صاحب نے سلیمان بھائی آبوت کے مکان میں کرایا تھا جہاں حضرت فقیہ الامتؒ کا قیام تھا۔

میری بسم اللہ کے بعد جب دعا ہوئی تو اس وقت بہت لطافت کے انداز میں حضرت مفتی صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ:

محمود کام کے لیے محمود کے سامنے محمود کی بسم اللہ۔

اِس قسم کا جملہ حضرتؒ نے ارشاد فرمایا تھا، یہ جو کچھ اِس وقت ہے اللہ کے اُس نیک بندے کی توجہ کی برکات ہیں اور بس!

میرے والد کی دیکھی ہوئی شیخ الاسلامؒ کی ایک کرامت

مرحوم والد صاحب کا دیوبند میں میزان سے دورۂ حدیث شریف تک کے قیام کے دوران حضرت مدنیؒ سے محبت، عقیدت اور تعلق کا سلسلہ رہا اور والد صاحبؒ کے پہلے پیر حضرت میاں اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ کے انتقال کے بعد والد صاحب نے حضرت مدنیؒ سے تجدید بیعت کی اور دورۂ حدیث شریف کے بعد مستقل ایک سال خادم بن کر رہے، سفر، حضر میں حضرت مدنیؒ کے ساتھ رہتے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کی خدمت کے زمانے کا ایک واقعہ حضرت والد صاحب سنایا کرتے تھے کہ: ایک مرتبہ حضرت کا دہلی کا سفر تھا، اماّں جان — حضرت مدنیؒ کی اہلیہ — بھی ساتھ تھیں، مدنی منزل سے حضرت مدنیؒ اور اماں جان ایک رکشے میں ریلوے اسٹیشن کے لیے روانہ ہوئے اور دوسرے رکشے میں والد صاحب حضرت کے سفر کا ضروری سامان لے کر روانہ ہوئے۔

جب ریلوے اسٹیشن پہنچے تو دیکھا کہ ٹرین دہلی جانے کے لیے بالکل تیار ہے اور روانگی کی سیٹی بج رہی ہے، حضرت مدنیؒ بہت ہی تیزی سے رکشے سے کودنے کے انداز میں نیچے اترے اور اہلیہ کو کہہ دیا کہ: تم آہستہ آہستہ ٹرین پر پہنچو۔

ایسے بھی عورت ذات چلنے میں آہستہ اور کمزور ہے۔

اور والد صاحب سے فرمایا: سلیمان! تم سامان لے کر کے پلیٹ فارم پر پہنچو اور حضرت مدنیؒ بہت ہی تیزی سے ٹکٹ کی کھڑکی پر پہنچے اور ٹکٹ لے کر بہت ہی تیزی سے ٹرین پر پہنچ گئے اور ٹرین کے دروازے کے پاس جو دستہ ہوتا ہے اس کو پکڑ لیا اور پکڑ کر کھڑے ہو گئے، ٹرین پلیٹ فارم ہی پر کھڑی تھی اور ٹرین کی سیٹی بج رہی ہے؛ لیکن پھر بھی ٹرین آگے چل نہیں پا رہی ہے، اتنے میں اماّں جان آہستہ آہستہ ٹرین کے پاس پہنچ گئی اور ٹرین میں سوار ہو گئی، والد صاحب سارا سامان اکیلے لے کر ٹرین پر پہنچے اور ٹرین میں سارا سامان رکھ دیا، پھر حضرت ڈبے میں چڑھے، تب جا کر ٹرین آگے چلی۔

میرے بھائی بہنوں کے ناموں میں حضرت مدنیؒ کی ایک بیّن کرامت

ہمارے یہاں گھر میں والدین کو پہلے لڑکی ہوئی، والد صاحب نے شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے نام کی درخواست کی تو حضرت نے دو نام پرچی پر لکھ کر عنایت فرمائیں: (۱) مریم (۲) خدیجہ۔

اللہ تعالیٰ کی شان کہ والدین کو دو ہی لڑکیاں ہوئیں اور والد صاحب مرحوم نے دونوں بیٹیوں کے نام اسی ترتیب سے رکھے، پہلی کا مریم دوسری کا خدیجہ۔

پھر جب بڑے بھائی کی ولادت ہوئی تو والد صاحبؒ نے پھر حضرت مدنیؒ سے نام کی درخواست کی تو حضرت مدنیؒ نے پرچی پر تین نام لکھ عنایت فرمائے:

(۱) احمد (۲) محمد (۳) محمود۔

اللہ کا کرم دیکھو کہ والدین کو تین ہی لڑکے ہوئے اور اسی ترتیب سے نام بھی رکھے گئے، عمر کے حساب سے ترتیب حسب ذیل رہی: (۱) مریم (۲) احمد (۳) خدیجہ

(۴) محمد (۵) محمود۔

والد صاحب کے حضرت شیخ الاسلامؒ سے نام تجویز کروانے کی بڑی برکتیں دیکھنے کو ملتی رہی ہیں۔

حضرت مدنیؒ کی دعا کی ایک برکت

محمود کو بفضل اللہ! جمعہ کی شب میں دور دراز کی جگہوں پر دینی مجالس کی نسبت سے جانا ہوتا ہے تو رات کو بارڈولی گھر پہنچنے میں کافی تاخیر ہو جاتی ہے، مرحوم والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ: بیان کے بعد جہاں بھی ہو وہیں پر آرام کرلو، صبح واپس آیا کرو؛ لیکن اس نصیحت پر عمل کا کم ہی موقع ہوتا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اہلِ خانہ بارڈولی میں مقیم ہیں اور ہفتے میں ایک ہی مرتبہ جمعرات، جمعہ کو گھر جانے کا موقع ملتا ہے۔

بعض مرتبہ ہفتے کے دوران اہم تقاضوں کے پیشِ نظر دور دراز دینی مجالس میں جانا ہوتا ہے اور واپسی میں دیر ہوتی ہے، پھر بھی صبح درس میں عام طور پر کوئی کمی نہیں ہوتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے، میرے رفقائے تدریس اس پر تعجب سے مجھ کو کہتے بھی ہیں کہ: آپ رات اتنی دیر سے آتے ہو اور پھر صبح تازہ دم درس دیتے ہو۔

الحمد للہ! یہ دینی اسفار اللہ تعالیٰ کی مدد ہے اور ایک بزرگ صفت رفیقِ تدریس کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ: حضرت مدنیؒ کی دعائیں اور نسبت کا یہ اثر ہے۔

اللہ تعالیٰ دارین میں اس کی برکتوں سے ہم کو نوازے، آمین۔

اولاد کے سلسلے میں دعا کی برکت

میرے گھر میں تیسرے بچے کی ولادت کا واقعہ بھی عجیب ہے؛ اس لیے کہ

پہلی دونوں ولادتیں آپریشن سے ہوئی تھیں جس کی وجہ سے یہ تیسری ولادت بہت خطرے میں تھی؛ بلکہ ڈاکٹروں نے اپنا یقین ظاہر کیا تھا کہ تیسری ولادت اگر ہوگی تو بیوی کا انتقال ہوجائے گا، دمن کے ہمارے مخلص بھائی مرحوم حاجی شوکت صاحب قریشی کے ساتھ ہم بمبئی گئے، وہاں کی ایک بہت بڑی ڈاکٹرنی سے بھی جانچ کروائی، اس نے بھی کہا کہ: یہ تیسری ولادت خطرے میں ہے۔

جمعہ کا دن تھا، مبارک گھڑیاں تھیں، اللہ کے سامنے بندے نے دعا کی: اللہ! آپ قادر مطلق ہیں، آپ کے خزانے میں کوئی کمی نہیں ہے، ان ڈاکٹروں کی باتوں کو جھوٹی کردیجیے اور اپنی قدرت کو ظاہر فرمادیجیے۔

الحمدللہ! دعا قبول ہوئی اور اللہ نے تیسرا بیٹا عطا فرمایا، جب اس کے نام رکھنے کی بات آئی تو والد صاحب مرحوم کی چاہت تھی کہ میرا ہی نام رکھا جائے تو ان کی چاہت کے مطابق اس کا نام سلیمان رکھ دیا۔

اِس پر میرے مخلص دوست دمن کے مرحوم حافظ شریف صاحبؒ نے میرے نام ''مبارک بادی'' کا ایک خط لکھا، خط میں مزاحاً یہ بات لکھی کہ بیٹے کا نام سلیمان رکھا! گویا پہلے سلیمان کو تم گھر سے روانہ کرنا چاہتے ہو۔

یعنی رواج یہ ہے کہ دادا کی وفات پر پوتے کا نام وہ رکھا جاتا ہے جو دادا کا تھا، خیر! مرحوم حافظ شریف صاحب نے بہت لطافت سے یہ بات مجھے لکھی تھی۔

اس بچے کی ولادت رات کے آخری حصے میں ہوئی تھی اور مجھے معلوم تھا کہ میرے مشفق استاذ ''حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم'' سورت ہی میں جناب الیاس بھائی منیار کے مکان پر ہیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ حضرت کی عادتِ

شریفہ صبح تقریباً ساڑھے تین بجے کے قریب تہجد کے لیے بیدار ہونے کی ہے تو اسی وقت حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت کو درخواست کی اور حضرت شفقت فرماتے ہوئے ڈاکٹر عائشہ آپا کے اسپتال — جو ملّا مسجد کے قریب ہے — تشریف لائے، حضرت نے بچے کے کان میں اذان واقامت پڑھی اور تحنیک بھی فرمادی۔

ہمارے گھر میں بچوں کے نام

ایک بات یہ بھی عرض کردوں: ہمارے بھائی احمد کے یہاں جب دوسرے لڑکے کی ولادت ہوئی تو اس وقت میرے مرشد حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ ڈابھیل تشریف لائے ہوئے تھے اور بھائی احمد اور والد صاحب حضرت کی زیارت و ملاقات کے لیے آئے ہوئے تھے، انھوں نے حضرتؒ سے بیٹے کے نام کے متعلق پوچھا تو حضرتؒ نے ''عبیداللہ'' نام تجویز فرمایا۔

ماشاءاللہ! مولوی عبیداللہ نے جامعہ ڈابھیل سے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی اور اس کے بعد دیوبند میں ایک سال رہے اور فی الحال جامعہ دارالاحسان نواپور میں تدریس اور نظامت کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

جب تیسرا لڑکا پیدا ہوا تو والد صاحب نے اس کا نام ارشد یا اسعد رکھا ہوا تھا، میں اس وقت دیوبند رمضان گزارنے کے لیے جارہا تھا، بھائی احمد نے مجھے کہا تھا کہ: حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ سے پوچھ لینا کہ بیٹے کا کیا نام رکھنا ہے؟

چنانچہ میں نے حضرتؒ سے جا کر عرض کیا تو حضرت نے فوراً نام تبدیل فرماتے ہوئے فرمایا کہ: اس کا نام ''حماد'' رکھو؛ کہ ''حماد'' یہ امام ابوحنیفہؒ کے بیٹے ہیں اور حماد بن

سلیمان کوئیؒ مشہور محدث ہیں، اس مناسبت سے اس کا نام حماد تبدیل ہوا۔

رمضان المبارک میں بیٹی کی ولادت

ایک اور بات عرض کردوں کہ: میرے یہاں جب پہلے بچی کی ولادت ہوئی اس وقت ۱۹۹۵ء میں نے بارڈولی کی مینارہ مسجد میں پہلی مرتبہ اعتکاف کیا تھا اور خانقاہ کا نظام چلایا تھا، میرے شیخ حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ رمضان میں "مدراس میل وشارم" میں مقیم تھے اور رمضان ہی میں بیٹی کی ولادت ہوئی تھی، تو میں نے فیکس کے ذریعہ سے حضرتؒ کو اطلاع دی کہ: حضرت! گھر میں بیٹی کی ولادت ہوئی ہے، آپ کوئی نام تجویز فرمادیں۔

حضرت فقیہ الامتؒ کا بچوں کے نام کے سلسلے میں طرزِ عمل

حضرتؒ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب کسی کے یہاں پہلی لڑکی کی ولادت ہوتی تھی اور کوئی نام پوچھتا تو حضرت اس کی ماں کا نام معلوم فرماتے اور ماں کے نام سے ملا جُلا نام بیٹی کا نام عطا فرماتے تھے اور کسی کے یہاں اگر پہلے لڑکے کی ولادت ہوتی تو حضرت اس کے باپ کا نام معلوم کرتے اور اس کے باپ کے نام سے ملا جلا نام عطا فرماتے تھے اور دوسرے تیسرے بچے کی ولادت ہوتی تو اگلے بچوں کے نام بھی معلوم کروا کر اس کی مناسبت سے نام تجویز فرماتے۔

چوں کہ حضرتؒ کا یہ معمول مجھے معلوم تھا؛ اس لیے میں نے اپنی بیٹی کی والدہ کا نام بھی لکھ دیا تھا، تو اسی نسبت سے حضرت نے جوابی فیکس ارسال فرمایا کہ: بیٹی کا نام

''سمیہ'' رکھا جائے اور یہ جوابی فیکس میرے مشفق حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کے ہاتھ سے تحریر کروایا تھا، میں نے پھر بیٹی کا نام سمیہ رکھ دیا۔

اس کے بعد جب گھر میں بیٹے کی ولادت ہوئی، اس کے چند ہی روز پہلے حضرت قاری صدیق صاحب باندویؒ کا وصال ہو گیا تھا تو میں نے مرشدِ ثانی حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم سے پوچھا کہ: بیٹے کا کیا نام رکھے؟

حضرت نے فرمایا کہ: صدیق احمد رکھو؛ تا کہ حضرت قاری صدیق احمد باندویؒ کی نسبت حاصل ہو جائے۔

مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند سے تعلق

مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند سے بہت ہی گہرے روابط وتعلقات تھے، دارالعلوم دیوبند کے ہمارے حلقے کے سفیر ''مرحوم حضرت مولانا سید عالم صاحب'' کا بیان ہے کہ پورے سال بار بار میرا بارڈولی جانا ہوتا اور میرا طعام، قیام والد صاحب کے پاس ہی ہوتا اور ہر مرتبہ دارالعلوم کے لیے چندے میں ایک بڑی رقم عنایت فرماتے۔

رمضان میں تو دارالعلوم کے لیے ایک خاص حصہ مقرر ہوتا، دارالعلوم کے چندے کے لیے دوسرے لوگوں کو بھی ترغیب دیتے اور بیرون سے رشتے داروں کی تقسیم کے لیے آنے والی رقومات میں سے دارالعلوم کے لیے ایک خاص حصہ متعین فرما دیتے، عید الاضحیٰ کے موقع پر مساجد میں اعلان لکھوا دیتے اور قربانی کی بڑی رقم جمع کر کے ۱۰ر ذی الحجہ کو جب استاذی حضرت مولانا واجد حسین صاحبؒ دیوبند تشریف لے جاتے تو ان کے ساتھ قربانی کی رقومات روانہ فرما دیتے۔

دارالعلوم کے مدرسین میں سے جب کسی کا ہمارے علاقے میں دورہ ہوتا تو ضیافت اور ملاقات کا اہتمام فرماتے۔

ایک مرتبہ دارالعلوم کے صدر مفتی ’’حضرت مفتی حبیب الرحمن صاحب خیرآبادی دامت برکاتہم‘‘ ہمارے یہاں بارڈولی تشریف لائے ہوئے تھے، دسترخوان پر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ: دیوبند تشریف نہیں لاتے؟

اس پر بہت ہی وجد میں آ کر فرمایا: میں اپنی ہر دعا میں دارالعلوم کو ہمیشہ یاد رکھتا ہوں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا معین الدین صاحب گونڈویؒ اس زمانے میں گجرات کے مختلف مدارس میں سالانہ اجلاس کی نسبت سے تشریف لایا کرتے تھے تو وہ ضرور ہمارے گھر تشریف لاتے، قیام فرماتے اور بہت ہی بے تکلف رہتے اور فرمایا کرتے: اللہ تعالیٰ نے دینی درسگاہوں میں بڑی محبت رکھی ہے، بس اسی درسگاہوں کی نسبت سے ہم بھائی بھائی کی طرح ملتے ہیں اور رہتے ہیں، گھر کے قیام کے دوران مولانا گونڈوی مرحوم نے ترجمۂ قرآنِ مجید کا ایک سبق راقم الحروف کو پڑھایا تھا۔

دارالعلوم دیوبند سے انوکھی محبت

جیسا پہلے میں لکھ چکا ہوں کہ مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند سے نہایت درجہ عشق تھا، ایک مرتبہ حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے ساتھ والد صاحب کی کہیں سے واپسی ہو رہی تھی اور مولانا بارڈولی کے قریب سے گذر رہے تھے، حضرت مولانا ارشد صاحب دامت برکاتہم سے درخواست کی کہ: گھر تشریف لائیے،

مولانا بھی عجلت میں تھے، آگے کسی جگہ پہنچنا تھا اور ہائیوے سے گھر آ کر دوبارہ ہائیوے پر جانے میں قریب آدھا گھنٹہ خرچ ہو سکتا تھا۔

والد صاحب نے چائے، شربت، ناشتہ کی نسبت سے درخواست کی، پھر بھی دعوت قبول نہیں ہو رہی تھی تو والد صاحب نے بہت ہی حکمت سے عرض کیا کہ: حضرت! گھر تشریف لائیے، اگر آپ گھر تشریف لائیں گے تو دارالعلوم کے لیے چندہ بھی دوں گا، اس پر حضرت مولانا ارشد صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے دعوت قبول فرمالی۔

اس سے ان دونوں حضرات کی مادرِ علمی سے محبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا آخری سفر

مرحوم والد صاحب کے رفیقِ خاص مولانا سلیمان سامرودی مرحوم برطانیہ سے تشریف لائے تو بڑھاپا، ضعف اور کمزوری کے باوجود آپ مادرِ علمی سے محبت کی وجہ سے دیوبند تشریف لے گئے۔

دورۂ حدیث شریف سے تکمیل کرنے والوں کو ایک نصیحت

آج کل کے ہمارے طلبہ دورۂ حدیث سے تکمیل کر کے مدرسوں سے جاتے ہیں، ان میں مادرِ علمی سے تعلق اب آہستہ آہستہ مفقود ہوتا رہا ہے، دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد جب طلبہ مدرسے سے جاتے ہیں تو طویل طویل عرصہ تک مادرِ علمی اور اساتذہ سے ملاقات کے لیے آنا نہیں ہوتا، یہ ان کی علمی زندگی کے لیے نقصان دہ چیز ہے، طلبہ کو اپنی دینی خدمات کے سلسلے میں اساتذہ سے مشورہ کرتے رہنا چاہیے تو ان شاء اللہ!

ترقی بھی ہوگی، اساتذہ کی دعائیں بھی ملیں گی جو ان کی علمی زندگی کے لیے نفع کی چیز ہوگی، کسی نے خوب کہا ہے:

پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

یعنی جب تک کوئی شاخ اپنی اصل سے جڑی رہے تو اس میں ہریالی، تازگی رہتی ہے، پھول کلیاں، پھل اس پر لگتے رہتے ہیں اور جب ڈالی درخت سے کٹ جاتی ہے تو سوکھنا شروع ہو جاتی ہے اور اس میں ہریالی، تازگی باقی نہیں رہتی تو پھر اس پر پھل، پھول کیسے آئیں گے؟

مرحوم والد صاحب کی زندگی میں ہم نے یہ چیز دیکھی کہ بڑے اہتمام سے دیوبند میں اپنے اساتذہ کے لیے اور ان کے بعد ان کے گھر والوں کے لیے ہدایا اور تحائف بھی بھیجتے رہتے تھے۔

میرے دینی اسفار اور والد صاحب کی مبارک دعائیں

میرے والدِ مرحوم ہمیشہ میرے دینی اسفار سے بہت خوش ہوتے اور دوسروں کے سامنے بھی بڑی خوشی سے اس کا تذکرہ فرماتے، رخصت ہوتے وقت سینے سے لگاتے، آنکھوں میں آنسو ہوتے اور ان الفاظ میں دعا دیتے:

برائے اشاعتِ دینِ اسلام

بسفر رفتن محمود مبارک باد۔ بسلامت روی و باز آئی

نوٹ: لیکن جب حجِ بیت اللہ کا سفر ہوتا تو ’’برائے حجِ بیت اللہ و زیارتِ طیبہ‘‘ یہ جملہ فرماتے۔

تین مرتبہ یہ کلمات ارشاد فرماتے، اس سے بڑی ہمت رہتی، افسوس! مؤرخہ ۲۳/ اکتوبر ۲۰۰۹ء سے اس مبارک زبان کے دعائیہ کلمات سے بندہ محروم ہوگیا۔ اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ وادخلہ الجنۃ، آمین۔

حضرت اقدس شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوریؒ سے ملاقات

والد صاحب نے خود ارشاد فرمایا: ایک مرتبہ بمبئی جانا ہوا، ساتھ میں حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم بھی تھے، کس کام کے لیے جانا ہوا وہ اس وقت یاد نہیں؛ البتہ بمبئی جا کر پتہ چلا کہ حضرت شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوری یہاں تشریف فرما ہیں۔

ہم دونوں ملاقات اور زیارت کی غرض سے حاضر ہوئے، پہلے حضرت مولانا عبداللہ صاحب نے حضرت فتح پوریؒ سے مصافحہ کیا، پھر میں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا تو بہت دیر تک حضرت فتح پوریؒ نے میرا ہاتھ پکڑ کر رکھا اور میری طرف مسلسل دیکھتے رہے، خود مولانا عبداللہ صاحب دامت برکاتہم کو بھی حیرت ہوئی، وہ بعد میں خود مجھے کہہ رہے تھے کہ: آپ بہت سعادت مند ہے کہ حضرت نے کافی دیر تک آپ کا ہاتھ پکڑ کر رکھا اور آپ کو مسلسل دیکھتے رہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے دسترخوان پر

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب اور حضرت مولانا سید سلمان صاحب — ناظم: مدرسہ مظاہر العلوم، سہارن پور — ہمارے یہاں تشریف لائے ہوئے تھے، کھانے

کے وقت والدِ مرحوم نے حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا: حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کی خدمت کی برکت سے آپ کے والدِ مرحوم کے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کئی مرتبہ کھانا کھانے کی سعادت نصیب ہوئی۔

مرحوم نے کچھ اس انداز سے اس کو ذکر کیا کہ حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کو سن کر رونا آ گیا۔

نواپور کا ’’وھورا خاندان‘‘

نواپور کے مرحوم ’’آدم باوا‘‘ علما سے بہت محبت رکھنے والے تھے، والد صاحب مرحوم اور حضرت مولانا عبدالحق میاں صاحب سملکیؒ نے جب ’’مجلسِ خدام الدین‘‘ کے ذریعہ آہوا، ڈانگ کے جنگل میں مکاتب کا سلسلہ قائم فرمایا اور جنگل کا دورہ فرماتے تھے تو مرحوم ’’آدم باوا‘‘ ناشتہ، کھانا وغیرہ لے کر نواپور سے جایا کرتے تھے۔

نواپور کا پورا ’’وھورا خاندان‘‘ علما، صلحا سے محبت کرنے والا ہے، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوریؒ جیسے اکابرین حضرات اس خاندان میں مہمان بن کر تشریف لا چکے ہیں اور جس بنگلے میں ان اکابرینِ امت کا قیام رہتا تھا وہ آج تک علیٰ حالہ موجود ہے، اس وقت حاجی ہاشم صاحب اور حاجی غلام محمد یہ سب حضرات علما سے بہت محبت کرتے ہیں، حضرت مولانا غلام محمد صاحب دیسائیؒ — حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے خلیفہ، جو طویل عرصہ ہمارے بارڈولی مدنی مسجد میں امام وخطیب رہے، ان — کی زندگی کے آخری ایام میں محترم غلام بھائی نے بہت خدمت کی ہے۔

نواپور دارالاحسان کا قیام

چند سالوں سے بندے کا دینی نسبت سے نواپور آنے جانے کا سلسلہ شروع ہوا، دومرتبہ نواپور کی جامع مسجد میں رمضان کے اخیری عشرے میں اعتکاف اور اجتماعی معمولات کا سلسلہ رہا، نواپور والوں کے ساتھ جانبین سے محبت کے تعلقات شروع ہوئے، پھر محترم حاجی فقیر بھائی فینسی، قاسم اور حاجی غلام بھائی ووہورا کے اصرار پر پورے سال ہر ماہ ایک جمعرات، جمعہ دینی مجالس کا سلسلہ شروع ہوا، اسی کی برکت سے اہلِ بستی سے انس ومحبت میں اضافہ ہوتا رہا۔

محترم فقیر بھائی نے اپنی قیمتی زمین —جس پر آج دارالاحسان قائم ہے— کی پیش کش کی کہ اگر آپ اس زمین پر مدرسہ بناؤ تو یہ میری زمین مدرسہ کے لیے ہے، وہاں پہلے مرغیوں کا فارم تھا جس کا نام ''منّ و سلوٰی'' فارم تھا، جس کو میرے مخلص مرحوم الطاف بھائی مانداسنبھالتے تھے۔

اس سلسلے میں بندے نے اپنے مرشدِ ثانی شیخ الحدیث حضرت مفتی احمد صاحب —مد ظلہ العالی— سے مشورہ کیا اور اس زمین کو بطورِ ہبہ قبول کیا اور اس پر مدرسہ قائم ہوا۔

وقف والی جائیداد میں بڑے اہم مسائل ہوتے ہیں، اس کے مقابلے میں ہبہ والی شکل بڑی سہل ہے؛ اس لیے ہبہ والی شکل اختیار کی گئی۔

بلیشور یا ''پالاوالا فیملی'' اور نواپور ''دارالاحسان''

اسی دوران حاجی عبد الصمد بھائی پالاوالا اور ان کے خاندان کی طرف سے ان

کا بہترین مکان پالاوالا اسٹیٹ مدرسے کے لیے پیش ہوا، جس میں مدرسے کی ابتدا ہوئی، اسی مکان میں حضرت قاری صدیق صاحب باندویؒ نے قیام فرمایا تھا، مکان کے باہر ایک شامیانہ بنایا گیا جس میں ایک مجلس حضرت اقدس مفتی احمد صاحب مدظلہ العالی کی منعقد ہوئی، جس میں حضرت کے خطاب اور دعاؤں کے ساتھ مدرسے کی ابتدا کا اعلان ہوا اور مدرسہ عارضی طور پر وہیں چلتا رہا۔

اسی دوران حاجی فقیر بھائی کی جانب سے جو زمین بطورِ ہبہ ملی تھی اس پر تعمیری سلسلہ شروع ہوا، حضرت مولانا غلام محمد وستانوی دامت برکاتہم، حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم اور حضرت والد صاحب مرحوم کی دعاؤں کے ساتھ سنگِ بنیاد رکھا گیا اور تعمیری سلسلہ شروع ہو گیا۔

اس مدرسے کی تعمیر میں مالی اعتبار سے بھی حضرت والد صاحب مرحوم کا بڑا تعاون رہا، بعد میں جب تعمیر ایک حد تک مکمل ہوئی تو مدرسہ نئی جگہ منتقل ہوا اور پالاوالا خاندان کی طرف سے جو مکان پیش ہوا تھا اس میں اُسی وقت سے لڑکیوں کا مدرسہ ''دار الاحسان للبنات'' چل رہا ہے اور دو مدرس صاحب مع اہل قیام کرتے ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے اور ہر قسم کی ترقیات سے نوازے، آمین۔

دعوت و تبلیغ کی محنت سے خصوصی تعلق

دعوت و تبلیغ کی موجودہ مروجہ محنت سے بھی مرحوم والد صاحب کو خاص تعلق تھا، ہماری مسجد میں کہیں سے بھی جماعت آتی، جماعت والوں کی ہر مجلس میں شرکت فرماتے اور اس انداز سے طالب بن کر بیٹھتے کہ اکثر جماعت والوں کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ آپ

اتنے بڑے عالمِ دین ہیں؛ بلکہ بہت سی مرتبہ تو جماعت آئی ہوتی اور ظہر کی نماز کے بعد جب تعارفی بات چیت ہوتی اور بستی کا اور کوئی فرد وہاں موجود نہ ہوتا اور جماعت کے حضرات گشت، بیان، ملاقاتیں وغیرہ کے متعلق مشورہ طلب کرتے تو والد صاحب ہی ان کو ترتیب بتلاتے کہ گشت اتنے بجے ہوگا اور بیان اتنے بجے ہوگا۔

نیز مسجد میں فضائلِ اعمال کی تعلیم میں اور آنے والی تبلیغی جماعتوں کی ہر مجلس میں پابندی سے شرکت فرماتے۔

بہت سی مرتبہ جماعت والوں کی گھر پر کھانے کی دعوت بھی کراتے۔

ایک مرتبہ ہمارے یہاں مسجدِ اقصی میں پورے علاقے کا تبلیغی اجتماع ہوا تو ضلع کے ذمے داروں نے بہت اصرار کیا کہ اجتماع میں آخری بیان آپ کا ہوگا؛ لیکن والد صاحب مسلسل منع فرماتے رہے، پھر انھوں نے اصرار کیا کہ کم از کم دعا کروا دیجیے، اس پر بھی آمادہ نہ ہوئے، تو انھوں نے آخری درخواست کی کہ: جن جماعتوں کی روانگی ہو رہی ہے کم از کم روانگی کا مصافحہ آپ کے ساتھ ہو جائے، اس کو تقریباً نا منظور فرمایا؛ اس لیے کہ جہاں کہیں بھی شہرت اور ناموری کا شائبہ ہوتا اس سے ہمیشہ اپنے آپ کو بہت ہی دور رکھا۔

ماں کی شان

ماں مختلف صورت میں ہر اک دور میں زندہ رہی
ہاجرہؓ مریم کبھی دائی حلیمہ بن گئی
جس کی عظمت کی گواہی دی خدائے پاک نے
جس کو دی تعظیم بڑھ کر خود شہ لولاک نے

بابِ ہفتم

ذوقِ مطالعہ، مضمون نگاری اور اشعار کی ایک جھلک

مضمون نگاری

مرحوم عام طور پر مضمون لکھنے کے عادی نہیں تھے؛ لیکن اگر کبھی لکھتے تو بہت ہی عمدہ انداز میں مضامین لکھتے تھے اور پڑھنے والوں کے دل پر اس کا بڑا اثر رہتا تھا، مجھے بھائی احمد صاحب نے بتایا کہ: کچھ سالوں پہلے "مجلسِ خدام الدین" سے شائع ہونے والے رسالے "الاصلاح" میں گجراتی زبان میں ایک بہت ہی قیمتی مضمون شائع ہوا تھا، جو اس وقت مجھے دست یاب نہ ہو سکا۔

اسی طرح "مجلسِ خدام الدین" کے بانی و صدر حضرت مولانا عبدالحق صاحب میاںؒ کی وفات پر ایک بہت عمدہ مضمون گجراتی زبان میں لکھا تھا، جو صدر صاحب کی وفات کے بعد "الاصلاح" کے خصوصی شمارہ میں شائع ہوا تھا، اردو زبان میں اِس مضمون کا خلاصہ اس کتاب میں ہم نے پیش کیا ہے۔

عدالت کے جج صاحب پر تحریر کا اثر

ہمارے شوکت علی نام کے ایک چچا تھے جن کے انتقال کے وقت ان کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی؛ اس لیے ان کی وفات کے بعد ان کی میراث میں والد صاحب اور میرے دوسرے چچاؤں کا بھی حصہ ہوتا تھا، یہ بات ہمارے یہاں کی عدالت کے جج صاحب کو سمجھانے کے لیے مرحوم والد صاحب نے گجراتی زبان میں ایک مضمون لکھا، جس میں اس سلسلے کی بہترین وضاحت کی تھی اور "مسلم پرسنل لا" کا تذکرہ کیا۔

ایک سادہ کاغذ پر لکھی ہوئی تحریر اتنی عمدہ تھی کہ بفضل اللہ تعالیٰ! جج صاحب

نے بھی وہ بات تسلیم کرلی۔

آپ کے حروف موتی کے دانوں کی طرح ہوتے تھے، آپ کی تحریر — اردو ہو یا گجراتی یا انگریزی — بہت صاف اور بہت عمدہ انداز میں ہوتی تھی؛ بلکہ انگریزی زبان میں تیسری چوتھی ”A B C D“ میں تو بہت عمدہ لکھتے تھے۔

جس وقت بندہ عربی سوم میں زیرِ تعلیم تھا، اس وقت پہلی مرتبہ بندے کے پاسپورٹ بنانے کی نوبت آئی، ہمارے یہاں بارڈولی میں ”ٹمڈا چوک“ میں ”چندر کانت“ نامی ایک جین تھے جو زمینوں کے دستاویز، پاسپورٹ ویزا، سرکاری کارروائیاں کیا کرتے تھے، غالباً وکالت کی ڈگری ان کے پاس تھی، میرے پاسپورٹ کا فارم پُر کرنے کے لیے جب والد صاحب نے اپنے ہاتھ سے انگریزی میں لکھنا شروع کیا تو اتنے عمدہ حروف سے لکھا کہ ”چندر کانت بھائی“ میری طرف مخاطب ہوکر کہنے لگے: ایسا لکھنا تو ہم لوگوں کو بھی نہیں آتا۔

مطالعہ کے اصول

مرحوم والد صاحب کتاب یا اخبار وغیرہ پڑھنے کے لیے خصوصی ہدایات فرمایا کرتے تھے:

(۱) سوتے سوتے کتاب نہ دیکھیں، اس سے نگاہیں کمزور ہوتی ہیں۔

(۲) آنکھ اور کتاب کے درمیان مناسب فاصلہ ہونا چاہیے، کم سے کم ایک فٹ سے زائد فاصلہ تو ہونا ہی چاہیے۔

(۳) چھوٹے حروف سے لکھی ہوئی کتابت بہت دور سے دیکھنے کی کوشش نہ

کریں۔

(۴) مناسب روشنی کے ماحول میں مطالعہ کریں، دن کے وقت میں جہاں قدرتی روشنی زیادہ ہوتی ہے وہاں بیٹھیں، مثلاً کھڑکی یا دروازے کے قریب، اور رات کے وقت بھی مناسب روشنی ہی کے انتظام کے ساتھ پڑھیں۔

نوٹ: پہلے لوگوں کے قویٰ بہت مضبوط ہوتے تھے، اب دن بدن اس میں کمی آرہی ہے؛ اس لیے ان باتوں کی خصوصی رعایت رکھنا بہت ضروری ہے۔

حضرت مولانا عبدالحق میاںؒ کی وفات پر لکھا ہوا مضمون

اب ہم یہاں وہ مضمون نقل کرتے ہیں جو "مجلسِ خدام الدین" کے بانی وصدر حضرت مولانا عبدالحق صاحب میاںؒ کی وفات پر حضرت والد صاحبؒ نے لکھا تھا۔

نوٹ: یہ مضمون رسالہ "الاصلاح" گجراتی کے خصوصی شمارے سے لیا گیا ہے، اردو زبان میں اس کا خلاصہ ہم پیش کرتے ہیں۔

ازقلم: حضرت مولانا سلیمان موسیٰ حافظ جی بارڈولی۔

(سابق آفس سیکریٹری مجلسِ خدام الدین، سملک، گجرات)

یہ ناکارہ (سلیمان) نہ مضمون نگار ہے نہ اس کا لائق ہے کہ مرحوم ومغفور حضرت مولانا عبدالحق میاں صاحب صدر مجلسِ خدام الدین کی حیاتِ مبارکہ پر کچھ لکھ سکے، جن کی پوری حیاتِ مستعار متعدد ملّی خدمات اور قومی فلاح وبہبودگی میں صرف ہوئی۔

مرحوم کا تعارف سب سے پہلے طالب علمی کے زمانہ میں ہوا، وہ پہلے "مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور" میں پڑھتے تھے اور میں نے ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۸ء تک "دار العلوم

دیوبند'' یوپی میں پڑھا۔

مدارس میں گجراتیوں کی پہچان خاص کر شمالی گجراتیوں کی پہچان ''سورتی'' سے ہوتی تھی، تعطیلات میں یا جلسوں میں یا سال کے درمیان دو چار مرتبہ آپس میں ملاقات ہوتی، حضرت جب سہارنپور سے دیوبند تشریف لاتے تو ہم سورتیوں کو میزبانی کے شرف سے محروم رکھتے ؛ اس لیے کہ محدّثِ زماں حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے خاندان کے افراد سے ان کے بہت اچھے تعلقات تھے، جس کی وجہ سے وہ ان کے مہمان بنتے ؛ لیکن اس کے باوجود سورتیوں سے ضرور ملاقات کرتے، اس وقت آپس میں بیٹھ کر باتیں کرنے اور تبادلۂ خیال اور علمی مباحثے کرنے کا مزہ آتا۔

ہم گجرات کے دیوبندی طلبہ جب دیوبند سے سہارنپور جاتے تو عام طور پر ان ہی کے مہمان بنتے، تو خوش ہو کر شوق سے اچھا اچھا کھانا پکاتے، جھینگے اور مچھلی کے قیمے کے کباب، سب سے پہلے ان ہی کے ہاتھ سے کھانا یاد پڑتا ہے، ہنسی خوشی کھانا پکانے کا کام کرتے اور ہماری دل جوئی کے لیے ہم کو بھی اس میں شامل کرتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی مہمان نوازی کی تمام تر صفات اول سے آخر تک حضرت مرحوم میں دیکھنے کو ملی ؛ کیوں کہ آخر وہ بھی ابراہیمی اولاد ہے، ان کے والدِ مرحوم حاجی ابراہیم میاں جن کو میں نے کئی سال تک قریب سے دیکھا تھا اور ان کے کفن دفن اور قبر میں اتارنے میں شریک رہا ہوں، وہ بھی علما کی مہمان نوازی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے، مرحوم کھانے اور کھلانے کے بہت شوقین تھے، کبھی ''مجلس'' کے تمام لوگوں کی اور کبھی کبھی جامعہ ڈابھیل، سملک کے تمام اساتذہ کی پارٹی کے عنوان سے دعوت دیتے۔

درویش صفت جناب حاجی محمود پانڈور صاحب کی صاحب زادی اور ''شیخ

الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ'' کے مجاز: حضرت مولانا بایزید پانڈور صاحب افریقی کی بہن نیک خاتون رابعہ رفیقۂ حیات بنی، وہ بھی آں حضرت کے کھانے کے شوق کی وجہ سے عمدہ عمدہ کھانے پکانے میں ماہر تھی، کبھی مہمان نوازی سے منہ نہیں چڑھاتی تھی؛ بلکہ مہمان کو کھلانے پر فخر محسوس کرتی۔

مولانا مرحوم بعض مرتبہ خاص خاص دوستوں اور اسٹاف والوں سے جب ان کی تنخواہ بڑھتی تو ان کی دعوت کا مطالبہ بھی فرماتے، راقم الحروف کے صاحب زادوں کی پیاری والدہ محترمہ — اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور بے حد رحمتوں سے نوازے، آمین۔ جن کا حال ہی میں ۲۷ر ستمبر ۱۹۹۸ء کو انتقال ہوگیا، ان — کے ہاتھ سے ''جو بَن مَتی'' نام کا کھانا بہت ہی لذیذ بنتا تھا؛ اس لیے مرحوم نے فرمائش کی کہ یہ کھانا پکا کر کھلاؤ تو اس فرمائش پر میں نے اسٹاف کے تمام حضرات کو کھانا کھلایا۔

مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ: اچھا اچھا کھاؤ، پیٹ بھر کر کھاؤ اور خوب کام کرو۔

مرحوم بندوق سے شکار کرتے، وہ دریا، ندی سے شکار کرنے کے بہت شوقین تھے اور اس کو پکا کر کھانے اور کھلانے کے بھی بہت شوقین تھے، ایسی بہت ساری دعوتیں مجھے یاد ہیں۔

مجلس میں یا دعوت میں خوش مزاجی اور دل کش باتوں سے تمام احباب کا دل بہلاتے تھے، مرحوم کو پٹھانوں اور ''انبیٹھا'' — یوپی کا ایک گاؤں، جہاں کی بے وقوفی مشہور ہے — کے رہنے والوں کی بے وقوفی کے بہت سارے قصے یاد تھے جسے وہ سناتے تھے، شاعر تو نہیں تھے؛ لیکن قافیہ بندی اچھی کر لیتے تھے، بیت بازی کا بھی شوق تھا، بات طویل ہوتی جارہی ہے؛ اس لیے مختصر کر کے واپس اصل بات کی طرف

آتے ہیں۔

مظاہر العلوم سہارنپور میں اس وقت عظیم المرتبت اساتذۂ کرام میں حضرت مولانا مفتی عبداللطیف صاحب، حضرت مولانا عبدالرحمن کیمل پوری صاحب، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب، حضرت مولانا اسعداللہ صاحب، حضرت مفتی سعید صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مرحوم کے عقیدت مندانہ اور اچھے تعلقات تھے، جس کی وجہ سے ہم لوگوں کو بھی بزرگوں کی مجالس میں حاضری کی سعادت نصیب ہوتی اور قیمتی باتیں سننے اور دعائیں لینے کا موقع ملتا۔

مظاہر العلوم میں ان کے تین سال کی طالبِ علمی کے بعد علمی پیاس بجھانے اور باقی درسیات کی تعلیم کی تکمیل کے لیے "دارالعلوم دیوبند" میں داخلہ لیا، ان کے چھوٹے بھائی بھی اسی دور میں دارالعلوم میں پڑھنے کے لیے تشریف لائے۔

دیوبند میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیری صاحبؒ کے صاحب زادے حضرت مولانا سید اظہر شاہ قیصر — جو ماہنامہ "دارالعلوم" کے مدیر تھے، ان — کے ساتھ مرحوم کا ڈابھیل سے ہی قدیم دوستانہ تعلق تھا؛ اس لیے حضرت مولانا سید اظہر صاحب کی مجلس سے فیض حاصل کرنے کا اور علمی استفادہ کا مجھے بھی موقع ملا، حضرت مولانا سید اظہر صاحب پان بھی خوب کھاتے تھے، اِدھر پان کھاتے جاتے اور باتیں بھی کرتے اور اُدھر لکھنے کا کام بھی کرتے تھے۔

ایسا لگتا ہے کہ حضرت مرحوم کو شاہ جی کی دوستی کی وجہ سے ہی پان کھانے کی عادت ہوگئی تھی، عمدہ پان اور پان میں اُبالا ہوا کتّھا، مکھن جیسا چونا، خوشبو والی تمبا کو استعمال کرتے اور پان پر کتھا، چونا لگانے کی چمچ الگ الگ رکھتے، جو طبیعت میں نفاست

ہونے کا ثبوت دیتی ہے، جو کوئی مہمان چمچ کو بدل دیتا تو ان کا دل ناراض ہوتا، جس کی وجہ سے بعض حضرات کو وہ خود ہی پان پر کتھا لگا کر دیتے۔

پانوں میں عمدہ قسم کے پانوں کی جستجو فرماتے، جیسے کہ لکھنوی پان، بیگماتی پان، کلکتی پان، بمبئی پان، دیسی پان وغیرہ۔

پان کھانے کے اتنے عادی اور شوقین تھے کہ ان کے کہنے کے مطابق جب میں حج میں گیا تو بمبئی سے عمدہ پان کا پورا ایک ٹوکرا خریدا، جدہ اترنے کے بعد کسٹم میں سامان کی جانچ شروع ہوئی، اُس وقت سعودی میں، گھی، تیل، ادرک، اچار، پان وغیرہ لے جانے کی ممانعت تھی، سامان کی جانچ کرنے والا سعودی آدمی تھا، اس کی نظر اس پان والے ٹوکرے پر پڑی تو اس نے اس پان کے ٹوکرے کو زور سے کچرے کے ڈبے میں ڈال دیا، مولانا فرماتے ہیں کہ: اس نے کیا ڈالا کہ مجھے بہت گہرا صدمہ ہوا اور دل پر اس کا بہت گہرا اثر رہا اور میں کانپ اٹھا، اب پان کی داستان کو مختصر کر کے پیچھے جاتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں انھوں نے دورۂ حدیث مخدومی وسیدی ووسیلتی فی الدارین شیخ الاسلام ''حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ'' سے پڑھا، فراغت کے بعد وطن تشریف لاکر، سملک ہی میں رہے، اپنے مرشد کے بتلائے ہوئے معمولات سفر، حضر میں پابندی کے ساتھ پورے فرماتے، چادر ورومال سر پر ڈال کر مراقبہ میں بیٹھتے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خوب عاشق اور مداح تھے، جس کی وجہ سے خانقاہ تھانہ بھون کے بہت سارے واقعات بیان کرتے، ان کا دلی رجحان ان کی طرف زیادہ تھا اور ہونا بھی چاہیے تھا۔

گھر پر رہ کر والدِ بزرگوار کے ساتھ کھیت میں جاتے اور اپنے بہنوئی حضرت مولانا محمد سعید بزرگ صاحب، سابق مہتمم جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک اور سابق خزانچی مجلسِ خدام الدین کے ساتھ مشترکہ طور پر سملک میں ایک اناج کی دکان شروع کی تھی، مجلس کے قیام سے پہلے آپ کی دینی خدمات گاؤں میں اور اطراف میں تبلیغی وتقریری شکل میں چل رہی تھیں۔

مجلس کا قیام

مجلس کے قیام سے پہلے سورت ضلع میں علما، حفاظ مدرسین کی کوئی تنظیم نہ تھی جس کا احساس اور فکر بعض نوجوانوں کو بھی ہوا کرتا تھا کہ ان کی کوئی تنظیم ہو جو ضرورت کے وقت عوام میں اپنی آواز اٹھا سکے، اس کام کے لیے سورت میں بہت سارے علما مشورے کے لیے جمع ہوئے اور تنظیم کے قیام کے لیے ایک کمیٹی بنائی، جنھوں نے تنظیم کے مقاصد و دستور کا نقشہ تیار کر کے ایک جنرل میٹنگ بلانا طے کیا، جس کا اعلان زبانی طور پر اور ملاقات سے اور ڈاک و اخبار سے کیا گیا، جس کے نتیجے میں سورت صوفی باغ میں علما اور حفاظ وغیرہ کا ایک بہت بڑا مجمع جمع ہو گیا۔

اس میٹنگ میں ''ایڈہوک'' کمیٹی نے تنظیم کے مقاصد و دستور کا نقشہ وغیرہ بزرگوں کو سنایا اور اس میں کمی وبیشی اور کسی کسی جگہ ضروری اصلاح کر کے اس کو منظور کیا گیا، اس تنظیم کا دائرہ کار جنوب میں نربدا ندی کے کنارے تک اور شمال میں واپی تک، اور پورب میں نواپور تک اور پچھم میں بحرِ عرب کے پوربی کنارے تک طے کیا گیا، اور تنظیم کا نام ''مجلسِ خدام الدین سورت'' رکھا گیا، اس طرح دسمبر ۱۹۵۲ء میں تنظیم کی

بنیاد رکھی گئی۔

تنظیم میں کام کرنے کے لیے پیسے نہ ہونے کی وجہ سے بطورِ قرض پیسے لے کر کام شروع کیا گیا، اس قرض کے لیے تنظیم کے خزانچی حضرت مولانا محمد سعید بزرگ صاحب جو امانت داری سے کئی سالوں تک اس کے خازن کے عہدے پر تھے، وہ پیش پیش رہے، مجلس میں صدارت کے تاج کے لیے کام کو بہ حسن وخوبی پورا کرنے کی فکر رکھنے والے ایک حساس اور بیدار مغز انسان مرحوم حضرت مولانا عبدالحق میاں صاحب پر حاضرین کی نظرِ انتخاب پڑی اور ان کے سر پر وہ تاج رکھا گیا، جس کو مرحوم نے آخری سانس تک نبھایا۔

دفتر کے لیے مناسب جگہ

کسی بھی تنظیم کے لیے دفتر ایسی جگہ ہونا بہت ضروری ہے جو صدر اور ناظم کے گھر سے قریب ہو؛ تاکہ صدر اور ناظم پوری توجہ سے کام کر سکے، اسی مقصد سے سملک گاؤں میں مرحوم احمد مُتالا صاحب کی دوگالے والی عمارت میں سے بالائی منزل بطورِ کرایہ لی گئی، کئی سالوں تک اسی میں مجلس کا دفتر رہا، اس کے بعد مرحوم صدر صاحب کے چچا: مرحوم یوسف میاں صاحب — جنھوں نے ڈابھیل، سملک گاؤں کے باشندوں کے پانی کی سہولت کے لیے بڑی محنت کی؛ تاکہ ثوابِ جاریہ حاصل ہو، بڑی محنت کر کے دونوں گاؤں کے لیے پانی کی ٹنکیاں بنوائیں اور ہر محلے میں اس کی پائپ لائن ڈالی، نیز پانی کے اسٹینڈ بنائے اور اس نیک کام کے ہمیشہ بحسن وخوبی جاری رکھنے اور اس کی آمدنی کے لیے ایک وقف بنایا، کئی سال ہو گئے الحمدللہ! یہ کام آج تک جاری ہے، ان —

کی عالی شان عمارت جیسے ہی خالی ہوئی فوراً مجلس کا دفتر وہاں پر منتقل کرلیا گیا اور وہ دفتر آج بھی اسی عالی شان عمارت کے وسیع ہال میں ہے۔

مرحوم صدر صاحب کے لائق بیٹے اور جانشین محترم حاجی عبداللہ میاں صاحب اور مجلسِ منتظمہ سے ایک بات — بطورِ یاد دہانی — پیش کر کے اپیل کرتا ہوں کہ مرحوم صدر صاحب کی چاہت اور فکر یہ تھی کہ سملک گاؤں میں مجلس کے لیے مستقل دفتر کے لیے ایک بڑا مکان بنالیا جائے، اس کے لیے مرحوم کی نظرِ انتخاب اسی کے سامنے اپنے رشتے دار میاں لوگوں کی اس زمین پر پڑی جس میں پتھروں کی بنیادیں پڑی تھیں، امید ہے کہ مرحوم کے جانشین اور مجلس کے منتظمین حضرات اس عمدہ کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر مرحوم کی روح کو راحت پہنچائیں گے:

ایں کار از تو آید	و مرداں چنیں کنند

مجلس کے سرپرستان

ابتدائی دور میں مجلس کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر کام شروع کرنے کے لیے گجرات کے اکابر اور بزرگ علما میں سے سات علمائے کرام کو بطورِ سرپرست متعین کیا گیا؛ تاکہ ان کی رہبری، مشوروں اور دعاؤں سے کام کیا جائے، ان سات بزرگ عالم ہستیوں میں سے ایک امیرِ شریعت ”حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ“ بھی تھے، اللہ ان کی عمر دراز فرمائیں اور مجلس کو ان کی دعاؤں سے فیض یاب فرمائیں، آمین۔

والدِ مرحوم کا تقرر

مجلس کے کام کی ابتدا کو چھ ماہ ہوئے تھے کہ اس راقم الحروف (یعنی مولانا

سلیمان صاحب) کا دینی خدمت کی نسبت پر بطورِ انٹرویو کے عالی پور جانا طے ہوا تو مجھے خیال آیا کہ مرحوم صدر صاحب کو عالی پور گاؤں کے لوگ خوب عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں؛ اس لیے حضرت مرحوم سے سفارشی درخواست لکھوا کر جاؤں؛ اس لیے میں سملک حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سلسلے میں گفتگو کی تو فوراً مرحوم نے فرمایا: آپ کو عالی پور جانے کی ضرورت نہیں ہے، یہاں رہ کر اسی مجلس میں خدمت کرو۔

میں نے حضرت کی پیش کش فوراً قبول کرلی، اس وجہ سے کہ عالی پور اور اس کے اطراف کے گاؤں میں قیام کی وجہ سے کبھی نہ کبھی کسی بھی شکل سے بدعت کے کاموں میں ملوث ہونے کا اندیشہ تھا، یا تو گاؤں کی جماعت کے دباؤ میں رہنا پڑے گا، اور مجلس میں رہ کر ان خطرات سے حفاظت ہوگی اور مجلس کے مقاصد کو سامنے رکھ کر حضرت مرحوم کے سایہ میں رہ کر دینی کاموں کا وسیع میدان ہاتھ لگے گا، مجلس کے سابق خادم "مولانا رشید احمد اسحاق جی ڈابھیلی" الگ ہونے والے ہی تھے؛ اس لیے میں نے دوسرے ہی دن سے کام کرنا شروع کردیا، اس طرح مرحوم کے قریب رہنے کا موقع مل گیا۔

نوٹ: بندہ محمود عرض کرتا ہے کہ مرحوم والد صاحب تو عالی پور تدریس کے لیے جا نہ سکے؛ لیکن بندے کی تدریس کا آغاز عالی پور سے ہی ہوا، تدریس کا پہلا سال دار العلوم ہدایت الاسلام عالی پور میں دار الافتاء اور دورۂ حدیث شریف سے لے کر عربی سوم تک کے مختلف درجات میں تدریس کی خدمت انجام دینے کی سعادت حاصل ہوئی۔

اسفار

حضرت صدر مرحومؒ کے گھریلو حالات مالی اعتبار سے اچھے تھے اور مجلس کے

مقاصد کی تکمیل کے لیے مرحوم نے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا، مجلس کے ممبران زیادہ ہو اور جماعت مضبوط ہو اس کے لیے اور امدادی اور غیر امدادی مدارس زیادہ ملے یا مکاتب کی وِیزٹ کے لیے یا بیان اور وعظ و نصیحت اور تبلیغ کے لیے یا غیر ملحقہ مدارس کا امتحان لینے کے لیے اور دیگر بہت سارے دینی کاموں کے لیے مرحوم نے بہت اسفار کیے اور اسفار کی تکالیف خندہ پیشانی سے قبول فرمائی، کئی سالوں تک ٹرینوں، بسوں اور بیل گاڑیوں میں اسفار کرتے رہے اور کبھی پیدل بھی سفر فرماتے تھے، چاہے کیچڑ یا بارش میں جانا پڑے؛ حتی کہ رمضان میں روزے کی حالت میں بھی اور رمضان کے علاوہ دنوں میں بھی چندے کے لیے سفر فرماتے تھے اور بہت سارے اسفار میں ٹریننگ کے لیے راقم الحروف کو بھی ساتھ لے جاتے تھے۔

ایک مرتبہ رمضان میں بمبئی سے واپسی کے موقع پر دونوں کو روزے کی حالت میں بمبئی سے مرولی تک ٹرین میں بڑی بھیڑ میں کھڑے کھڑے اور جگڑتے ہوئے آنا بہت اچھی طرح یاد ہے۔

وعظ و نصیحت

مرحوم کے وعظ و نصیحت میں بڑا اثر ہوتا تھا اور کیوں نہ ہو؟ ان کے دل میں اصلاحِ معاشرہ کی ایک تڑپ اور ایک لگن تھی، جس کی وجہ سے ان کی اصلاحی باتیں دل کی گہرائی سے بہت درد کے ساتھ نکلتی تھیں، جس کی وجہ سے وہ باتیں بہت زیادہ اثر کرتی تھیں، ایسے بھی للّٰہیت اور خلوص سے کہی ہوئی باتیں اثر کیے بغیر نہیں رہتیں اور وہ باتیں اپنا ایک عجیب رنگ دکھاتی ہیں۔

اکثر رات کی عبادات کے موضوع پر اور حصولِ ثواب کے لیے اعمال پر ترغیب دلانے کے واسطے آپ یہ شعر خوب سناتے تھے:

جاگ اٹھ سجدے میں گر کر دعائیں مانگ تو
بتا! بات تیری کون سی اللہ نے مانی نہیں؟
آہ! تجھ میں وہ ذوقِ مسلمانی باقی نہیں

تکبر کی حقیقت

غافل تکبر کرنے والا انسان اپنی طاقت پر تکبر کرتا ہے، اس کی اصلاح کے لیے مثال دے کر سمجھاتے کہ تجھ سے زیادہ تو ایک چھوٹی سی چڑیا میں طاقت ہے۔

بچوں کی دینی تعلیم کے لیے بہترین مثال

بچوں کی دینی تعلیم کے متعلق ذمے داروں کی غفلت کو دور کرنے کے لیے مثال دیتے ہوئے فرماتے کہ: تم لوگ اس لائٹ کی روشنی کو جگمگاتے ہوئے دیکھ رہے ہو، یہ ایک ہی طرح کے تار سے وجود میں نہیں آتی ؛ بلکہ اس میں دو طرح کے پاور والے تار ہوتے ہیں: ایک مثبت، دوسرا منفی (Negative-Positive) یہ دونوں طرح کے تار ملتے ہیں تو لائٹ جلتی ہے، اسی طرح بچوں کے لیے ماں باپ اور استاد دونوں مثبت و منفی کی طرح ہیں کہ جب دونوں کی محنت اور فکر ہوگی تو ہی بچوں میں علمِ دین آئے گا۔

دوسری مثال دیتے ہوئے فرماتے کہ: تمھاری یہ دونوں آنکھیں اسی وقت کام دیں گی جب کہ باہر بھی روشنی اور اجالا ہو، اور جب باہر اندھیرا ہو تو اس وقت آنکھ کی

بینائی کتنی بھی تیز ہو کچھ کام نہیں دیتی، اسی طرح بچے کے لیے والدین اور استاد کی محنت لگے گی تب ہی صحیح طریقے سے بچہ علم حاصل کر پائے گا؛ لیکن بہت افسوس کی بات ہے کہ آج مسلمان اس سلسلے میں بہت ہی غفلت کا شکار ہے۔

بلکہ مسلمانوں پر اور زیادہ افسوس کرتے ہوئے، جھنجھوڑتے ہوئے فرماتے کہ: آج مسلمان دینی اور دنیوی دونوں اعتبار سے بہت زیادہ پیچھے ہیں، اس کے باوجود مسلمانوں کو اس کا رنج اور فکر نہیں ہے، جو بڑی کم نصیبی کی بات ہے، یہ بیان کرتے ہوئے یہ شعر ارشاد فرماتے:

وائے ناکامی! متاعِ دین وایماں جاتا رہا
اور کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

آفس کی صدارت اور سیکریٹری

ہر ادارے میں صدر اور سیکریٹری اہم ذمے دار ہوتے ہیں، اگر وہ دونوں قریب قریب رہتے ہوں تو کام میں بڑی آسانی ہوتی ہے، اسی مقصد سے ڈابھیل کے ''حضرت مولانا عبدالحیٔ صاحب بسم اللہ— سابق استاد و مہتمم: جامعہ ڈابھیل— مل گئے، جنھوں نے سالوں تک اس منصب کو چمکایا اور مجلس کی ترقی کے لیے مرحوم صدر صاحب کے ساتھ کئی سالوں تک کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔

تنظیم کا رسالہ

کسی بھی تنظیم کو آگے بڑھانے کے لیے، اس تنظیم کا ایک رسالہ ہونا بہت

ضروری ہے،شروع کے تقریباً پانچ سال تک تنظیم کا کوئی رسالہ نہیں تھا،سورت سے ہر ہفتے نکلنے والے ایک رسالے''مسلم گجرات'' کے مدیر اور مالک جناب منادی صاحب نے اپنے رسالے میں تنظیم کی کارکردگی کا خوب تعارف کرایا؛لیکن مرحوم کو دین پھیلانے اور اپنی تنظیم کی ترقی کے لیے ایک ماہ نامہ جاری کرنے کی بہت فکر تھی ؛بالآخر مؤرخہ یکم اپریل ۱۹۵۷ء سے بزرگوں کی دعاؤں کے طفیل ''الاصلاح'' کے نام سے رسالہ شائع ہونا شروع ہوا،جو آج تک الحمدللہ! اپنے مقاصد کے ساتھ جاری وساری ہے۔

اور اس کے اکتالیسویں (۴۱) سال مرحوم کی یاد میں یہ خصوصی شمارہ شائع ہو رہا ہے اور چالیس کا عدد نیک فال کے لیے ہوتا ہے،جو اس (الاصلاح) شمارے نے مرحوم کے ہاتھ سے مکمل کیا،اب دوسری چالیس سال کی تکمیل کس کے ذریعہ ہوتی ہے وہ تو آنے والا وقت ہی بتلائے گا،البتہ امید اور یقین ہے کہ مرحوم کے لائق وفائق بیٹے محترم جناب حافظ عبداللہ صاحب جو مرحوم کے بعد صدر منتخب ہوئے ہیں ان کی ذات سے سنہرے چالیس سال ان شاءاللہ! پورے ہوں گے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد!

دینی رسائل اور مالی نقصانات

اپنی قوم میں بے حسی زیادہ ہے جس کی وجہ سے یہ رسالہ مالی اعتبار سے کافی نقصان میں چل رہا ہے اور مجلس اس نقصان کی بھرپائی کرتی ہے؛ورنہ پچھلے پچاس سالوں میں کئی ماہانہ،پندرہ روزہ اور ہفت روزہ رسائل شائع ہوئے ؛لیکن ان میں مالی نقصان ہونے کی وجہ سے بند کرنا پڑا،اب قوم اس پر جتنا بھی افسوس کرے کم ہے۔

نشر واشاعت

پیچھے گذر چکا کہ مرحوم وعظ ونصیحت سے دین کی خوب تبلیغ کرتے تھے، اس طرح حضرت مرحوم کو کتابوں کو شائع کر کے امت میں تقسیم کر کے اصلاح کرنے کا بھی خوب شوق وذوق تھا، جس کے نتیجہ میں مجلس کی طرف سے چھپی ہوئی چھوٹی بڑی ۶۸ ر دینی کتابیں اور کئی پمفلٹ مسلمانوں کے گھروں میں پہنچ گئے۔

اب مجلس کی اس نشر واشاعت والی تبلیغی کارروائی میں کمی آ گئی ہے، اس کو آگے بڑھانے کی خوب ضرورت ہے، الاصلاح اور دوسری دینی کتابیں آسانی سے شائع ہو سکے اس لیے مجلس نے "مرحوم مولانا غلام محمد نور گت صاحب" کے پاس سے "انور پریس" بھی خرید لیا ہے، اس پریس کے مشین پرانے ہونے کی وجہ سے اور کام کرنے والوں کی تنگی کی بنا پر اس کو بند کرنا پڑا، اب حالاتِ حاضرہ کے پیشِ نظر "آفسیٹ" لا کر اس کام کو آگے بڑھانا چاہیے۔

مکاتب

مسلمان بچوں کی دینی تعلیم صحیح طور پر اور صحیح نہج پر ہو اس کی مرحوم کو بہت فکر تھی، اس کو بھی مرحوم نے مجلس کی اہم ذمے داریوں میں سے سمجھا اور اس کے لیے خوب محنت کی اور مجلس کے سرپرستوں سے مل کر بار بار مشورے کر کے مکاتب کا ایک نصاب بنایا اور گاؤں گاؤں کے مکاتب کو اس کا فائدہ ہو اس کے لیے آپ نے اپنے امدادی اور غیر امدادی مکاتب شروع کیے اور مکاتب کے شعبے کے لیے ایک دستور بنایا اور تعلیم صحیح نہج پر ہوتی ہے یا نہیں اس کی نگرانی کے لیے گاؤں کے متولی صاحب سے دستخط کے ساتھ

ماہانہ رپورٹ منگوانے کا اہتمام کروایا اور سہ ماہی، ششماہی، سالانہ امتحان کا سلسلہ قائم فرمایا اور اچانک جانچ شروع کی، جس کے لیے وزیٹروں کو متعین کیا اور ان سب پر کنٹرول کرنے لیے آفس میں تعلیمی شعبے کے لیے ایک سیکریٹری کو طے کیا گیا، اور گاؤں کے مکاتب کے مہتمم حضرات کو خصوصی ہدایات بھیجی گئیں جس سے اساتذہ اور مہتمم دونوں چوکنّا رہے اور پڑھائی میں اصلاح ہوتی رہے۔

مکاتب کے کاموں کی ترتیب بہت ہی اچھے انداز سے حضرت مرحوم نے مرتب فرمائی تھی، آفس میں آنے والے حضرات کو مکاتب کا نظام بہت اچھی طرح تفصیل سے سمجھاتے تھے، جس سے مہمان متأثر ہو کر تعریف کیے بغیر نہ رہتے۔

مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ ندوۃ العلما لکھنؤ کے روحِ رواں ''حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ''، مجلس کے دفتر میں جب تشریف لائے تو حضرت مرحوم نے ان کے سامنے مکتب کے پورے نظام کو مفصل پیش کیا، جس کو حضرت نے بہت دھیان سے سنا اور بہت متأثر اور خوش ہوئے اور خوب دعائیں دیں۔

اس نظام کی کارکردگی کو سمجھا کر سامنے والے کو چکا چوند کر دینا حقیقت میں ''عبدالحق'' ہی کا حق تھا۔

اس وقت ۱۶۱ امدادی اور ۱۴۱ غیر امدادی مکاتب مجلس کے ماتحت چل رہے ہیں۔

مجلس میں نشیب و فراز

تنظیم چاہے دینی ہو یا دنیوی اس میں کام کرنے والے افراد کے مختلف مزاج ہونے اور اندازِ کار کے مختلف ہونے کی وجہ سے کام کرنے میں بھی نشیب و فراز آتا رہتا

ہے، تو یہ مجلس بھی اس سے کیسے دور رہ سکتی ہے؟

مجلس کی عاملہ اس کی ایک منتظمہ کمیٹی ہے، جس کے ممبروں میں ۳۱/افراد کا انتخاب ہوتا ہے، سال تو مجھے یقینی طور پر معلوم نہیں؛ لیکن اس بات کو کئی سال ہو گئے، کمیٹی کے جو حضرات مجلس کی ترقی کے بہت فکر مند تھے، انھوں نے کسی وجہ سے استعفا بھیج دیا، ان میں سے ایک صاحب تو مرحوم کے بہت قریبی دوست تھے، انھوں نے بھی استعفا دے دیا، ان کے استعفا نامے مجلس کی کمیٹی میں پیش ہوئے، تو اس پر بہت غور کیا گیا اور بہت سوچا گیا، اس کے بعد ان کے استعفا کو منظور کیا گیا۔

اس کے چند روز بعد مجلس کی سالانہ انتخابی میٹنگ کا وقت آ گیا اور کمیٹی نے اس کی تاریخ انوکھے انداز سے طے کر کے اس تاریخ کا بھی اعلان کر دیا، تو اس کے بعد جن حضرات نے استعفا پیش کیا تھا، ان لوگوں نے مجلس کی یہ انتخابی میٹنگ نہ ہو اس کے لیے کوشش شروع کی اور حکومت سے اس مجلس کو غیر قانونی ٹھہرا کر اس کے خلاف ''اِسٹے'' (STAY) لانے کا پلان تیار کیا اور انتخابی مجلس کے بارے میں ایک پروپیگنڈا بنایا۔

دوسری طرف مرحوم نے اپنی حکمتِ عملی سے کام کرنا شروع کیا، اور سرکاری ''اسٹے'' (STAY) آجائے تو اس کو فوری طور پر کیسے دور کیا جائے اس کا بھی انتظام کر دیا، اس کام کے لیے حضرت مرحومؒ نے اپنے قریبی مخلص ہمدردوں کو مشورہ کے لیے جمع کر دیا تھا، ان میں سے ایک مرحوم حاجی احمد چوتھیا صاحب بھی تھے، اللہ ان کی مغفرت فرمائے، اس کام میں حضرت مرحومؒ کامیاب رہے اور سالانہ انتخابی میٹنگ بہت اچھی طرح ایجنڈے کے مطابق ہو گئی اور سب کاموں کو انجام دے کر یہ مجلس دیر رات دعا کے ساتھ اختتام کو پہنچی تھی۔

عوام کے لیے نفع مند خدمات: مکاتب، مساجد

جس گاؤں میں مسلمانوں کے آٹھ، دس یا اس سے زیادہ مکان ہیں اس میں نماز باجماعت ہو اور دینی تعلیم صحیح نہج پر ہو ایسے دیہاتوں میں مکاتب شروع کر کے اساتذہ کا انتخاب کر کے عبادت خانے اور مساجد بنوائیں اور جہاں مسجد تھی؛ لیکن اس میں مرمت کی ضرورت تھی اس میں مرمت کروائی، اسی طرح جہاں پانی کی ضرورت تھی وہاں کنواں کھدوایا، جس کی تعداد بہت زیادہ ہے جس کے حالات مجلس کی سالانہ رپورٹ یا ''الاصلاح'' میں بار بار شائع ہو چکے ہیں، اگر اس کی تفصیل لکھی جائے تو کئی صفحات بھر سکتے ہیں، جس کی وجہ سے میں نے مختصر لکھ دیا ہے۔

سورت گجرات کا سیلاب

۱۹۵۷ء میں سورت تاپی ندی میں ایک بڑا تباہ کن سیلاب آنے کی وجہ سے سورت ضلع کے آس پاس کی بستیوں میں اور خود شہر سورت میں بھی جانی اور مالی نقصان بہت زیادہ ہوا تھا، نیز کئی جانوروں پر بھی اثر ہوا تھا، یہ تباہی اور نقصان دیکھ کر اچھے اچھے لوگوں کے دل کانپ اٹھے تھے۔

مرحوم نے یہ تباہی اپنی آنکھوں سے دیکھی اور ان کا جذبۂ رحم دلی بھی کانپ اٹھا، مرحوم نے سیلاب کے اثر زدہ لوگوں کے لیے بیرون ملک سے آنے والے سامان کی ''کسٹم ڈیوٹی'' معاف کرانے میں بہت محنت کی اور بیرون ملک سے بہت زیادہ چندہ وصول کیا اور کپڑے وغیرہ وصول کر کے سیلاب زدہ لوگوں کی ایک فہرست تیار کی، پھر

کپڑے اور دیگر ضرورت کا سامان ہر ایک کے گھر اور جھونپڑوں میں پہنچایا گیا۔

نیز سیلاب میں "آٹھوا پولس کالونی مسجد" کو بھی کافی نقصان ہوا تھا اور اسی مسجد میں اُس وقت مجلس کی طرف سے ایک امدادی مدرسہ بھی چلتا تھا، اس مسجد کی مرمت کے اخراجات کا اندازہ نکال کر اُس وقت سورت سیلاب کی راحت کمیٹی کے ایمان دار اور امانت دار آدمی "جناب حاجی قاسم سیٹھ منیار – حافظ بردرس والے (Hafiz Brothers) کو کام سپرد کیا، اس کے ساتھ خرچ کی تخمینی رقم مرحوم نے ان کے حوالے کی، اس سلسلے میں راقم الحروف کا بھی حاجی قاسم سیٹھ منیار سے تعلق ہوا۔

غریبوں کی امداد

اس کے ساتھ غریب، عالم، حافظ کی بیماری اور شادی، غمی کے موقعوں پر زیادہ تر نقد امداد بھی فرماتے، نیز شمالی گجرات کے مسلمانوں کے بمبئی کے ساتھ بہت روابط تھے جس کی وجہ سے کئی مرتبہ بمبئی آنا جانا ہوتا تھا اور وہاں قیام کرنے میں تکلیف نہ اٹھانی پڑے؛ اس لیے بہت محنت کر کے بمبئی میں مسافر خانہ بنانے میں بھی پوری مدد کی۔

شعبۂ تجوید

مکاتب میں اکثر اساتذہ تجوید کا علم نہ ہونے کی وجہ سے خود بھی قرآنِ پاک کو صحیح نہیں پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے شاگردوں کو صحیح پڑھا سکتے تھے، اس کے لیے سورت صوفی باغ میں "مدرسہ تجوید القرآن" شروع کیا، اس میں پڑھانے کے لیے میوات کے "مولانا قاری محمد رمضان صاحب – جو میرے استاذ، ماہرِ فنِ تجوید، دارالعلوم دیوبند

کے صدر القراء: قاری حفظ الرحمن صاحب کے شاگرد تھے ان — کو طے کیا گیا، جنھوں نے بہت محنت سے فنِ تجوید حاصل کیا تھا، جس کی وجہ سے فنِ تجوید پر انھیں مکمل مہارت تھی اور اپنے تلامذہ کو ماہرِ فن بنانے کی ایک فکر اور لگن تھی، ان کو میوات سے خود بات کر کے صوفی باغ مدرسے کے لیے لے آئے تھے؛ تاکہ ایسے استاذ سے طلبہ کو خوب فائدہ حاصل ہو۔

لیکن چوں کہ اُس وقت گجرات میں لوگوں کو اس فن سے زیادہ دل چسپی نہیں تھی، جس کی وجہ سے چند ہی مدت کے بعد اس شعبۂ تجوید کو مجبوراً بند کرنا پڑا اور اس شعبہ کے بند ہونے میں حضرت قاری صاحب کی گرم مزاجی کا بھی دخل ممکن ہے۔

دار الافتاء

مسلم قوم صحیح مسائل حاصل کر سکے اس کے لیے ''الاصلاح'' میں مفتیٔ گجرات حضرت مفتی اسماعیل صاحب بسم اللہ ڈابھیلی — سابق صدر مفتی: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، گجرات — جو فتاویٰ کے جوابات دینے میں بہت ہی ماہر تھے ان — کے فتاویٰ بہت پابندی سے شائع ہوتے تھے، جب ان کا وصال ہوا تو کئی دنوں تک ان کے جیسا با کمال مفتی میسر نہ آسکا، جو ان کی جگہ سنبھال سکے، اب دوبارہ فتاویٰ کا سلسلہ جاری کرنے کے لیے مرحوم کو بہت زیادہ فکر لگی ہوئی تھی کہ کسی طرح بھی کوئی ایسا مفتی میسر ہو جائے جو اس کام کو آگے بڑھائے، اس سلسلے میں مرحوم نے مجلسِ منتظمہ سے درخواست بھی کی کہ ان کی جگہ پر کوئی کامل اور باوقار مفتی لایا جائے؛ تاکہ یہ سلسلہ جاری رہے اور لوگ اپنے دینی مسائل کا حل نکال سکے۔

اس سلسلے میں مرحوم کی نظر ''قطبِ وقت حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ'' کے خلیفۂ اجل ''فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ'' کی ذاتِ گرامی پر پڑی جو اُس وقت کانپور میں شیخ الحدیث کے منصب پر تھے اور دار الافتاء کی خدمت فرمارہے تھے، حضرت مرحوم مجلسِ منتظمہ سے منظوری لے کر اس سلسلے میں بات کرنے کے لیے کانپور تشریف لے گئے اور حضرت فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ سے گفتگو کی اور حضرت فقیہ الامت کو راضی کرلیا۔

ادھر حضرت مرحوم نے سملک واپس تشریف لا کر اس بات کی خوش خبری سنائی اور اس کے ساتھ اس راقم الحروف کو بھی تیار کرلیا کہ تجھے گجراتی سوالوں کو اردو میں کر کے حضرت فقیہ الامت کے سامنے پیش کرنے ہوں گے؛ لیکن دوسری طرف کانپور والوں کو جب اس بات کا علم ہوا تو فوراً ان لوگوں نے حضرت فقیہ الامت کے گھر جا کر چاروں طرف سے اصرار کر کے گھیر لیا اور کہہ دیا کہ آپ کو یہاں سے جانا نہیں ہے؛ ورنہ ہم احتجاج کریں گے اور آپ کا گھیراؤ کریں گے، آخر حضرت نے مجبور ہو کر سملک والوں کو منع فرمادیا، جو ہم گجرات والوں کے لیے بہت کم نصیبی کی بات تھی، جس کی وجہ سے مجلس میں دار الافتاء کا شعبہ قائم نہ ہوسکا۔

سیمینار

ہر تنظیم اپنا کام عوام کو سمجھانے کے لیے اور خود کی کارکردگی سے واقف کرانے کے لیے اور تنظیم کی ترقی کے لیے بڑے بڑے سیمینار کرتی ہے، اس کے لیے مجلس نے بھی نوساری اور دھمڑاچھا — کچھولی میں سیمینار کیے ہیں۔

سب سے پہلا سیمینار ۱۹۵۵ء میں ''دھمڑاچھا– کچھولی'' میں کیا، اس میں سب سے زیادہ حصہ مرحوم حاجی احمد– والدِ محترم مولانا موسیٰ کچھولی صاحب، سابق مدرس: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات اور مہتمم: مدرسہ نورالاسلام موٹی دمن– کا تھا اور اس کے لیے حافظ ابراہیم چاسوی صاحب مدظلہ– حضرت مولانا اسماعیل صاحب چاسوی، استاذِ حدیث: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کے والدِ محترم– کا بھی بڑا کردار رہا ہیں جنھوں نے حاجی احمد کی تشکیل کر کے سیمینار کا پورا خرچ حاجی احمد صاحب سے کروایا۔

اس سیمینار میں مہمانِ خصوصی کے طور پر لوگوں کو فیض یاب کرنے کے لیے صدر صاحب اور راقم الحروف کے استاذِ محترم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو دعوت دینے کے لیے مجلس کے منتظمین میں سے جناب مولانا عبد الصمدؒ واکانیری کو دیوبند روانہ کیا، حضرت مدنیؒ ان کی دعوت کو قبول فرما کر ان کی بتائی ہوئی تاریخ کے مطابق ''کچھولی'' گجرات میں شاندار سیمینار میں تشریف فرما ہوئے، جس میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کر کے فیض اٹھایا اور باہر سے آنے والے سبھی مہمانوں کے کھانے کا انتظام بھی حاجی احمد صاحب نے کیا۔

حضرت مدنیؒ سے گجرات کے اس سفر میں اور اس سے قبل کے اسفار میں لوگوں نے خوب فائدہ اٹھایا اور اپنے نفس کی اصلاح کرائی اور آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں پر کئی لوگوں کو بیعت بھی فرمایا، اپنے مریدین کو ذکر واذکار اور چاروں سلسلے کا شجرہ وغیرہ کا ایک رسالہ ''سلاسلِ طیبہ'' اردو میں شائع کیا تھا اور اس کا گجراتی ترجمہ حضرتؒ کے چہیتے شاگرد ''حضرت مولانا شمس الدین بروڈویؒ نے کیا تھا، وہ رسالہ حضرت صدر صاحب کی طلب پر گجراتی میں چھپوانے کے لیے حضرت نے عنایت کیا تھا جس کو مجلس

نے شائع کیا اور مریدین میں تقسیم کروایا تھا۔

حضرت مدنیؒ نے پچاس سال تک دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمت انجام دی اور طلبہ کو علمِ حدیث سے سیراب کیا حضرت مدنیؒ کا وصال ۵ ر دسمبر ۱۹۵۷ء میں ہوا۔

میرے اور صدر صاحب مرحوم کے استاذ شیخ الاسلامؒ کی یاد میں ''الاصلاح'' کا ایک خصوصی شمارہ جنوری، فروری ۱۹۵۸ء کو شائع کیا گیا تھا، حسنِ اتفاق دیکھو کہ مجلس کی پچاس سالہ خدمات پر مرحوم کی یاد میں دسمبر رجنوری ۹۸ ر ۹۹ء ایک مستقل شمارہ شائع ہو رہا ہے، اس میں کچھ لکھنے کی مجھے سعادت حاصل ہو رہی ہے؛ اس لیے کچھ لکھ کر بھیج رہا ہوں۔

مجلس کی طرف سے دوسرا سیمینار ۱۹۶۰ء میں نوساری ''لُنسی کوئی'' میدان میں ہوا، جس میں مہمانِ خصوصی ندوۃ العلما کے روحِ رواں ''حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب ندویؒ'' اور ''حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ'' تشریف لائے تھے، جنھوں نے اپنے پُرکشش علمی بیانوں کے ذریعہ عوام کو فیض یاب کیا تھا۔

مدرسہ اصلاح البنات

آج سے تقریباً تیس سال پہلے جامعہ ڈابھیل کے سالانہ جلسے میں مفسرِ قرآن ''حضرت مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمیؒ'' تشریف لائے تھے، انھوں نے دورانِ بیان لڑکیوں میں اعلیٰ تعلیم عام ہو، اس کے لیے ایک الگ جامعہ قائم کرنے کی ترغیب دی، اس جلسے میں صدر صاحب بھی موجود تھے، یہ بات ان کے دل پر اثر کر گئی اور لڑکیوں

کا جامعہ قائم کرنے لیے ان کے دل میں خیالات آنے شروع ہو گئے۔

اس سے یہ احساس بھی ہوا کہ یہ قوم کی لڑکیوں کی بہت بڑی خدمت ہو جائے گی اور اگر ''مجلسِ خدام الدین'' یہ کام کرلے تو اس کا نام اور زیادہ روشن ہوگا، نیز گجرات میں بے پردگی کی وبا عام ہے، تو ادارہ قائم ہونے کی وجہ سے کسی حد تک بے پردگی دور ہوگی، ساتھ ہی لڑکیاں دین کا علم حاصل کر کے ماحول کی اصلاح میں بڑا حصہ لے سکیں گی اور دینی ماحول پیدا ہوگا۔

اس کے لیے پہلے انھوں نے اپنے دل میں پختہ ارادہ کیا اور ''مجلسِ خدام الدین'' کے کچھ ممبران کو اپنا ہم نوا بنا لیا، اور افریقہ میں مقیم اپنے بڑے بھائی ''محترم جناب الحاج حافظ عبد الرحمن میاں صاحب'' کو ایک تفصیلی خط لکھا۔

اللہ تعالیٰ سے میں دعا کرتا ہوں کہ باری تعالیٰ ان کی عمر کو تندرستی کی نعمت کے ساتھ طویل فرمائیں، آمین۔

افریقہ میں ان کا ایک بڑا حلقہ ہے، جن میں ان کی بڑی عزت ہے، حافظ عبد الرحمن صاحب نے اس مبارک کام کا استقبال کیا اور ہری جھنڈی دکھائی اور ساتھ ہی پورے تعاون کا وعدہ بھی کرلیا اور افریقہ سے تعمیر کا نقشہ بنوا کر بھیجنے کے لیے لکھا۔

یہاں محترم صدر صاحب نے مجلسِ منتظمہ کی میٹنگ میں تفصیل کے ساتھ یہ مسئلہ پیش کر کے ''مجلسِ خدام الدین'' کی زیرِ نگرانی مدرسہ اصلاح البنات شروع کرانے کی تجویز منظور کرالی، اس کے لیے للہ زمین کے پلاٹ وقف ملے اور کچھ خریدے بھی گئے، ۱۹۷۴ء میں اس کا سنگِ بنیاد رکھا گیا، ملک و بیرونِ ملک کے اسفار کیے، بہت ہی تندہی کے ساتھ دس سال میں تعمیرات کی تکمیل ہوئی۔

طالبات کو پورے پردے کے ساتھ ہر طرح کی سہولیات میسر ہو سکے اس طرح کی درسگاہیں، دارالاقامہ، مطبخ، بیت الخلا، غسل خانے، دفتر، عبادت گاہ، اور باغیچہ وغیرہ تعمیر کرائے، جو دیکھنے ہی سے تعلق رکھنے والی چیز ہے۔

نصاب بنانے میں بھی بڑی زحمت اٹھائی، تجربہ کار اہلِ علم سے مل کر نصاب مرتب کروایا، دسمبر ۱۹۸۳ء میں مدرسہ کا افتتاح کروایا، داخلے کے اصول وضوابط بنائے اور اس پر بڑی مضبوطی سے عمل کرواتے رہے، ایک عالمہ کا اہتمام کے لیے تعین فرمایا اور تمام شعبوں پر قابو اور نگرانی کے لیے اپنا گھر چھوڑ کر مدرسۃ البنات ہی میں رہنے لگے، جس کی وجہ سے نہایت اہم کاموں کے بغیر سفر میں جانا بند کر دیا اور اگر کبھی مجبوراً جانا پڑتا تو رات ہی میں واپس لوٹ آتے، ایسا لگتا ہے کہ مدرسۃ البنات ان کا خود کا مکان بن گیا اور وہ خود مدرسہ ہی کے بن کر رہ گئے۔

وفات

ہر کسی کو یہ فانی دنیا چھوڑ کر وقتِ مقررہ پر جانا ہی ہے، بالآخر مرحوم کا وہ وقت آپہنچا، اور اُسی مدرسے کی آفس میں پلک جھپکنے میں خود اپنی قیمتی جان، جاں آفریں کے سپرد کر دی، إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون۔

ان کی زندگی کا آخری غسل بھی اُسی مدرسے میں دیا گیا، غسل کے بعد کفن پہنا کر جنازہ مدرسے سے گھر لایا گیا، دور دراز کے دیہاتوں سے بڑی تعداد میں مجمع اُمڈ پڑا تھا اور آخری زیارت کر کے جنازے کی نماز پڑھی اور خاک سے پیدا شدہ انسان کو روتی ہوئی آنکھوں نے خاک کے حوالے کیا۔

رحمتِ حق ان کی لحد پر برسا کرے

مرحوم کی اولاد اور پسماندگان اور روحانی اولاد یعنی مدرسۃ البنات کی لڑکیاں زبانِ حال سے کہہ رہی تھیں:

حالِ ما در ہجرِ حضرت کمتر از یعقوب نیست
او پسر گم کردہ بود، ما پدر گم کردہ ایم

مرحوم کو مدرسے سے جو تعلق تھا اس کو دیکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مرحوم کی روح عالمِ ارواح میں یہ شعر پڑھ رہی ہوگی:

پھلا پھولا رہے یارب! چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

اللہ تعالیٰ اس مدرسے کو ہمیشہ قائم رکھے، لڑکیوں کو صحیح علمِ دین سے مالا مال کرے، علم پر عمل کرنے والیاں بنائے، آمین۔

مرحوم کے بعد ان کی جگہ پر مجلس کے نائب صدر: مولانا اسماعیل دلیر صاحب ویسما والے — جو اس راقم الحروف کے حقیقی خالو خسر ہوتے ہیں — کو مدرسے کی ذمہ داری سونپی گئی، اللہ ان کو ہمت، صحیح سمجھ دے اور کام کا نظم ونسق قائم کرائے، آمین۔

امتیازی شخصیت ایوارڈ

اخیر میں ایک واقعہ لکھ کر اس مضمون کو مکمل کرتا ہوں:

''مجلسِ خدام الدین'' کے قیام سے تین چار سال پہلے ضلع سورت میں ایک اور ادارہ قائم ہوا تھا، دوسری طرف ''مجلسِ خدام الدین'' کی تیز رفتاری، نفع بخش کار

کردگی سے عوام بھی بہت ہی متأثر ہو رہی تھی اور عوام کا رجحان بھی اس کی طرف بڑھ رہا تھا، اس کو دیکھ کر کچھ لوگ ''مجلسِ خدام الدین'' کی ترقی کو روکنا چاہتے تھے اور مجلس کے وجود کو ختم کرنے کے لیے زبان وقلم سے کوشش بھی کرتے رہے؛ لیکن مرحوم صدر صاحب کی مہارت اور مجلسِ منتظمہ کے اخلاص کے پیشِ نظر وہ لوگ ناکام رہے اور مجلس اپنی کارکردگی میں آگے بڑھتی ہی رہی۔

ان لوگوں کو کیا خبر کہ اِن دونوں اداروں میں کیسے گہرے روابط ہیں، بالآخر مدرسہ اصلاح البنات جیسی عظیم تنظیم — جو قوم کے لیے بہت ہی نافع ادارے کی شکل میں ہے اس — کی ترقی کے پیشِ نظر اُس دوسرے ادارے نے اپنی پچاسویں سال گرہ گولڈن جیوبلی سال میں ''موٹا وراچھا''، ضلع سورت میں ایک بہت بڑی مجلس میں مرحوم صدر صاحب کو ''امتیازی شخصیت کے ایوارڈ'' سے نوازا؛ لیکن مرحوم اُس وقت بیمار تھے؛ اِس لیے اُس مجلس میں جا نہ سکے، تو اُس ادارے نے وہ معزز ایوارڈ صدر صاحب کے گھر پہنچانے کے لیے اُس ادارے کے حال کے خادم مزاج صدر جناب حاجی احمد چوتھیا صاحب کو مقرر کیا، اُنھوں نے یہ ایوارڈ مرحوم کے گھر پہنچایا۔

صحیح بات یہ ہے کہ اچھے کام انسان کو چمکا کر رہتے ہیں، اخیر میں دعائیہ کلمات پر اس تحریر کو مکمل کرتا ہوں:

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اور:

رحمتِ حق اُن کی قبر پر برسا کرے

مرحوم کی حیاتِ طیبہ پر اگر عمدہ مضامین لکھنا شروع کریں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے اور مرحوم کی حیات پر یہ مصرع صادق آرہا ہے:

دامنِ نگاہ تنگ و حسنِ گلِ تو بسیار

اِس میں ذرا تبدیلی کر کے:

دامنِ وقت تنگ و حسنِ کارہائے تو بسیار

یعنی لکھنے کے لیے وقت کی تنگی کا مجھے احساس ہے، آپ کے نیک کاموں کا دامن تو بہت لمبا ہے، اِس لیے اتنا لکھ کر توقف کرتا ہوں۔

والسلام

دعاؤں کا محتاج ناکارہ: سلیمان موسیٰ حافظ جی غفر لہ ولوالدیہ ولصاحبتہ

مؤرخہ: ۲۳ ؍ رجب ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۳ ؍ نومبر ۱۹۹۸ء

نوٹ: یہ گجراتی سے اردو ترجمہ ہوا ہے۔



اشعار

مرحوم والد صاحب کو شعر و شاعری کا بہت ہی عمدہ ذوق تھا، عربی، فارسی، اردو اور گجراتی زبان میں کئی اشعار نوکِ زبان تھے اور موقع بموقع پڑھتے رہتے تھے، عشقِ الٰہی، عشقِ نبوی سے لبریز اشعار سنانے اور سننے کے بہت شوقین تھے، رمضان المبارک میں تہجد کی دعاؤں میں فارسی اشعار بھی بڑے عمدہ انداز میں روتے ہوئے پڑھتے تھے، آپ کے منتخب اشعار کی ایک پوری کاپی ہے، جس کا بڑا حصہ بندے کو عنایت فرمایا تھا، مسجدِ اقصیٰ کے مرحوم مؤذن صاحب ''جناب عبدالعزیز بھائی'' اور امام صاحب ''مولانا یوسف صاحب اسلامپوری'' اور میرے رفیقِ محترم ''مولوی امتیاز صاحب کے ساتھ اشعار کی محفل لگتی تھی۔

حضرت مولانا ابوبکر صاحب غازی پوریؒ جب بارڈولی تشریف لاتے اس وقت والد صاحب مرحوم اور حضرت مولانا ابوبکر صاحب غازی پوریؒ کی بھی اشعار کی محفل ہوتی تھی۔

والد صاحب مرحوم کے چند اشعار جو اپنی حیات میں وقتاً فوقتاً وجد میں آکر پڑھا کرتے تھے:

تجھ ہی کو مانگتا ہوں، تجھ سے اے مولیٰ!	طفیلِ ذاتِ خود، مجھے یہ مدعیٰ دے دے
میں سائل ہوں، تیرے عشق و محبت کا	تو داتا ہے، نہ کر محروم اے مولیٰ!
تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں	میری عاجزی دیکھ، کیا چاہتا ہوں!
تو رحیم ہے تو کریم ہے تیری شان جل جلالہٗ	تیرا غلغلہ ہے چہار سُو، تیری حمد عمّ نوالہٗ

دنیا سیپ، محمد موتی، صلی اللہ علیہ وسلم	اُس بِن دنیا کیسے ہوتی، صلی اللہ علیہ وسلم
میرے محبت کی یہ دھرتی، اپنے اندر مجھ کو سموتی	بے چین دل کی تھی یہ تمنا، صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا ابوبکر صاحب غازی پوریؒ نے چند اشعار حضرت والد صاحب مرحوم کو لکھ کر ارسال کیے تھے:

یارب! تو پہنچادے سلیمان کو مدینہ	کہ پیمانۂ عمر اب لبریز ہوا ہے
اور مفتی محمود ہو ان کے مُصاحِب	بیٹا ہے بُل ہاتھوں میں تو پیری کا عصا ہے
اس دعا کے عوض ایک ٹوکرا ''راجاپوری آم''	بھیجا پھر اِس طرح کوئی دعا حقیر کے لیے ہے

نوٹ: آم کے موسم میں حضرت مولانا ابوبکر صاحب غازی پوریؒ بارڈولی تشریف لاتے اور اپنے خاص انداز میں بہت شکم سیر ہو کر آم تناول فرماتے تھے اور وطن کی واپسی پر وافر مقدار میں آم اپنے ساتھ اپنے وطن بھی لے جاتے تھے۔

نعت (مدینہ طیبہ کی حاضری) از: مرتب مفتی محمود صاحب

کہاں یہ شہرِ طیبہ	۱	کہاں یہ امتی عاصی
صلی اللہ علی سیدنا محمد	۲	صلی اللہ علی سیدنا محمد
کہاں یہ گنبدِ خضریٰ	۳	کہاں یہ نگاہِ عاصی
صلی اللہ علی سیدنا محمد	۴	صلی اللہ علی سیدنا محمد
دیدار ہو جو شہرِ طیبہ کا	۵	کرم ہے اس کا، فضل ہے اس کا
جس نے دیکھا شہرِ طیبہ	۶	صلی اللہ علیہ وسلم
کیا دولتِ عظمیٰ ہاتھ لگی	۷	سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم

باب ہشتم

والد صاحب تحریروں کے آئینے میں

مرحوم حضرت مولانا سلیمان صاحبؒ کی کچھ یادیں کچھ باتیں

از: مفتی ابراہیم صاحب گجیا (دامت برکاتہم)

مہتمم: جامعہ دارالاحسان، بارڈولی ورکنِ شوریٰ: جامعہ ڈابھیل

خلیفۃ: حضرت مولانا قمرالزماں صاحب الہٰ آبادی دامت برکاتہم العالیہ

شہر بارڈولی اپنے قرب وجوار کی آبادی کے لیے جہاں اقتصادی اور معاشی اعتبار سے مرکزی حیثیت رکھتا ہے وہیں قریب کی مسلم بستیوں کے لیے علمی و دینی مرجعیت کا بھی حامل ہے، اسی دینی مرجعیت کی بنیاد پر اسے ماضی قریب میں علمائے حقہ کے مقدس گروہ میں سے کئی ایک نفوس کی میزبانی کا شرف حاصل رہا ہے۔

اس کے علاوہ خود سرزمینِ بارڈولی کے خمیر سے چند ایک سرخیل وہ بھی اٹھے یا یہاں سکونت پذیر ہوئے، جنھوں نے اپنی زندگی کے لہو سے شمعِ دین کو روشن رکھا، جن کے وعظ نے مسلمانوں کے قلوب کو شناسائے ایمان رکھا، جن کی دینی حمیت نے ایک حد تک مسلم معاشرے کے دامن کو رسم ورواج کے کانٹوں سے الجھ کر تار تار ہونے سے بچائے رکھا، جن کے مکتب میں بیٹھ کر خلوص سے ”الف، با“ کی تعلیم نے کئی لوگوں کو ارتداد سے بچائے رکھا اور عین ممکن ہے کہ ”جامعہ دارالاحسان، بارڈولی“ انہیں کی تمناؤں کی تعبیر اور دعائے نیم شبی کا ثمرہ ہو۔

ان علما کے قافلے میں ”شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ“

کے شاگرد ''حضرت مولانا سلیمان صاحب حافظ جی'' بھی شامل ہیں، حضرت مولانا محمود صاحب پانڈور، حضرت مولانا داؤد صاحب سارودی، حضرت مولانا غلام صاحب دیسائی —نور اللہ مراقدھم— کے نام سرِفہرست ہیں۔

اس احقر پر اللہ تعالیٰ کے دیگر افضال وانعامات کے من جملہ ایک فضل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس حقیر کے دل میں اہل اللہ اور علما کی محبت وعظمت اور ان کے احوال سے سبق آموزی کا جذبہ ودیعت کر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ کے ودیعت کردہ اسی جذبے و محبت کے طفیل احقر کو اپنے ان ہم وطن بزرگوں کی خدمت میں حاضری اور ان سے اکتسابِ فیض کے مواقع بارہا میسر آئے، سرِ دست میں اپنے پھوپھا مرحوم ''حضرت مولانا سلیمان صاحب حافظ جی طاب اللہ ثراہ'' کے متعلق کچھ باتیں — جو آپ کے اخلاق و عنایات نے قلب پر نقش کر دی ہیں — قیدِ تحریر میں لانا چاہتا ہوں۔

حضرت مولانا کی اصول پسندی، حق گوئی، خورد نوازی اور سب سے بڑھ کر اپنے استاذ ومرشد ''شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ'' سے والہانہ عقیدت؛ بلکہ دیوانگی کی حد تک محبت یہ حضرت کے وہ خاص اوصاف ہیں جو آج تک بندے کے دل پر اتنی گہرائی اور گیرائی سے نقش ہیں کہ آج برسوں گذر جانے کے باوجود ان پر بوسیدگی کے آثار تک محسوس نہیں ہوتے، یہاں مولانا کا تذکرہ سماعت سے ٹکرایا اور یہاں ذہن میں آپ کے اعلیٰ اخلاق، بلند ہمتی، سادگی واستقامت اور خلوص و للّٰہیت کے واقعات گردش کرنے لگے:

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی	اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

شاعر نے یہ شعر خواہ کسی کے لیے کہا ہو؛ مگر آپ بھی اس کے مصداق ضرور تھے، حق گوئی آپ کی زندگی کا آئین ہی نہیں؛ بلکہ آئینِ اکبر تھا اور اصول پسندی کے معاملے میں تو ''روباہیت'' آپ کو چھو کر بھی نہیں گذری تھی۔

یہ عاجز جب مکتب سے منسلک تھا تو حضرت والا کے پوتے — احمد بھائی کے فرزند، عزیزم حماد سلمہ — کی تعلیم بندے کے ذمے تھی، موصوفؒ کبھی عزیزم کے ہاتھوں محبت کا تحفہ ''گلاب کا پھول'' بھیجتے، یوں تو گلاب کا پھول تو ہے ہی پھولوں کا بادشاہ، پھر وہ بھی کسی بڑے کی طرف سے چھوٹے کی دل جوئی اور انس کے لیے تحفہ ہو تو پھر کیوں نہ اس کی خوشبو دو آتشہ ہو جائے!!!

اسی طرح کبھی حوصلہ افزائی کے لیے عزیزم کے ہاتھوں ماہ نامہ ''الفرقان'' کے چیدہ چنندہ مضامین مطالعہ کے لیے بھیجتے، یقیناً آج بھی کبھی تنہائی میں وہ محبت کے پھول بہت یاد آتے ہیں جن سے مشامِ جاں معطر ہو جایا کرتی تھی، ہاں! وہ منتخب مضامین بھی ستاتے ہیں جن سے مشامِ روح منور ہو جایا کرتی تھی، اسی خورد نوازی کے ذیل میں ایک واقعہ جسے بندہ اپنے لیے بڑی سعادت خیال کرتا ہے، مزید سن لیجیے:

جس وقت یہ مردِ آہن اپنی حیاتِ مستعار کی آخری منزلیں طے کر رہا تھا راقم کو آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، ٹھیک انتقال سے ایک گھنٹہ قبل حاضری ہوئی تو حضرتؒ نے برادرِ مکرم ''حضرت مفتی محمود صاحب مدظلہ العالی'' کی موجودگی میں از راہِ شفقت اپنا رومال عنایت فرمایا، فجزاھم اللہ احسن الجزاء، واعطاہ اللہ ثواباً جزیلاً۔

حضرت مولاناؒ کو اپنے استاذ و مرشد حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بے پناہ عقیدت تھی، کئی مرتبہ فرمائش پر اور کئی مرتبہ از خود شیخ الاسلامؒ کے حالات و واقعات حضرت سے سننے کا موقع ملا، بسا اوقات شیخ الاسلامؒ کا تذکرہ کرتے کرتے عقیدت کے سمندر میں اتنے غرق ہو جاتے کہ آواز بھرّا جاتی اور آنکھوں کا پیمانہ چھلک پڑتا۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے ملاقات کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ بندے نے بے تکلفانہ انداز میں دریافت کیا کہ: حضرت! آپ کے دار العلوم میں تعلیمی قیام کے وقت "حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ" بقیدِ حیات ہی ہوں گے؟ اور حضرت والا کو شرفِ باریابی بھی حاصل رہا ہوگا؟

تو حضرت نے بہت کھل کر فرمایا کہ: ہاں ہاں! کیوں نہیں؟ ملاقات بھی اور تاریخی سفر بھی!

بندے نے سنانے کی فرمائش کی تو فرمانے لگے: نہیں ابھی نہیں! اس واقعہ کو سننے کے لیے تو کبھی گھر آنا تب سناؤں گا۔

دوسری مرتبہ یہی واقعہ سننے کی غرض سے بندہ حاضر ہوا تو واقعہ سنایا، فرمانے لگے کہ: قیامِ دیوبند کے زمانے میں ایک مرتبہ حضرت حکیم الامتؒ کی زیارت کے قصد سے نکل کر سواری اڈہ پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ سواری جا چکی ہے، اب پیادہ پا ہی تھانہ بھون کے راستے پر چل پڑا، ظہر کے وقت سے کچھ قبل "تھانہ بھون" پہنچا، حضرت کے متعلق معلومات حاصل کی تو معلوم ہوا کہ ابھی ظہر کے لیے تشریف لائیں گے، بندہ جلد وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر حضرت والا کی تشریف آوری کا انتظار کرنے لگا، حضرت اپنے

وقت پر تشریف لائے، آگے بڑھ کر سلام، مصافحہ ومعانقہ کے بعد اپنا پورا حال اور آنے کی غرض صاف صاف عرض کردی، حضرت بڑے خوش ہوئے اور نماز کے بعد عمومی مجلس میں بھی شرکت کا موقع ملا۔

حضرت حکیم الامتؒ سے ملاقات یہ مولانا کے لیے اور مولانا مرحوم کے واسطے ہم باشندگانِ بارڈولی کے لیے بڑی سعادت کی بات ہے۔

یقیناً آج مولانا ہم میں نہیں؛ مگر مولانا کی زندگی کے مختلف پہلو ہمارے سامنے سبق آموزی کے لیے موجود ہیں، اب ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ سے ان اوصاف کو مانگے بھی اور انہیں اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے کوشش بھی کریں۔



تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو	کتاب خواں ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں
نظیر اس کی نہیں ملتی کوئی ثانی نہیں ملتا	بھلا کیوں کر نہ ہو یکتا کلامِ پاک رحمن کا
دنیا نے دین کو بھلا رکھا ہے	غفلت کی نیند سلا رکھا ہے
اس دور میں خوش نصیب وہ ہے اکبر	جس نے قرآن مجید کو کھلا رکھا ہے

میرے والدِ مرحوم کے چند عادات واوصاف

(از قلم: برادرِ بزرگ وار الحاج احمد حافظ جی)

رمضان المبارک اپنے شیخ کے ساتھ

اپنے استاد و شیخ حضرت مدنیؒ کی معیت میں آپؒ نے بہت اسفار کیے؛ البتہ کتنے رمضان ساتھ میں گزارے اس کی تفصیلات تو نہیں مل سکیں؛ البتہ حضرت شیخ الاسلامؒ نے جب ''ٹانڈا'' میں رمضان گزارا تھا، تو وہ رمضان حضرت کے ساتھ گزارنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی، یہ میرے علم میں ہے۔

بارڈولی قیام

میرے علم میں یہ ہے کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی جب بارڈولی تشریف آوری ہوئی تھی تب مرحوم حاجی اسماعیل بہرا حافظ جی — جن کو موٹا باجی کہا کرتے تھے ان — کے یہاں حضرت کا قیام رہا تھا، حضرتؒ کی کئی مرتبہ بارڈولی تشریف آوری ہوئی لیکن حضرت کے قیام کی تفصیلات معلوم نہ ہوسکیں۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کی بارڈولی میں ایک بیّن کرامت اور روحانی تصرف کا ایک عجیب واقعہ

ہمارے یہاں ایک مسلمان جو سالہا سال سے شراب کے عادی تھے، حضرت شیخ الاسلامؒ کی جب تشریف آوری ہوئی تو حضرتؒ کی ایک نظرِ کیمیا کے اثر سے ان

صاحب نے شراب کی عادت بالکل چھوڑ دی، وہ بستی کے بڑے نامور آدمی تھے، پھر انھوں نے زندگی بھر کبھی کسی حرام چیز کو ہاتھ نہیں لگایا اور پوری زندگی علما کی خدمت کرنے والے ہو گئے۔

مضامین لکھنا

مرحوم والد صاحبؒ "مجلسِ خدام الدین" سملک کے قیام کے زمانہ میں مجلس کی طرف سے شائع ہونے والے رسالے "الاصلاح" میں گجراتی مضامین بھی لکھا کرتے تھے۔

جنگل والے علاقے میں مکاتب

آہوا، ڈانگ (Aahva,Dang) کے جنگلی علاقے میں "نادن پیڑا" نامی ایک گاؤں ہے، وہاں مسلمانوں کی کافی آبادی ہے، وہاں مکاتب کا کوئی خاص نظام نہیں تھا، حضرت مولانا عبدالحق میاں صاحب مرحوم کی معیت میں — جب وہاں مکتب کا سلسلہ شروع ہوا تو — مرحوم والد صاحب کا کئی مرتبہ وہاں آنا جانا ہوتا، تو آہوا سے نادن پیڑا پیدل تشریف لے جاتے، اور وہاں کے غریب مسلمانوں کے لیے ڈابھیل، سملک سے پرانے مستعمل کپڑوں کا چندہ بھی کرتے، اور وہاں لے جا کر مسلمانوں میں تقسیم فرماتے۔

نوٹ: مرتبِ سوانح بندہ محمود عرض کرتا ہے کہ: بعد میں "نادن پیڑا" میں نورانی مکاتب کے مبارک سلسلے کے ذریعہ ایک ادراہ مع قیام وطعام قائم کرنے کی

بندے کو سعادت حاصل ہوئی، جس کی مناسبت سے رفیقِ محترم مولانا شوکت صاحب منیار کھامبیا والے اور مولانا صادق صاحب مانیک پوری کی معیت میں بار بار جنگلات میں حاضری ہوئی اور مولانا شوکت صاحب اور مولانا صادق صاحب کے طفیل میں عمدہ، بہترین گاڑیوں سے سفر ہونے لگے، تو کبھی کبھی والد صاحب کو بندہ عرض کرتا کہ: میں نادن پیپڑ اجارہا ہوں اور پھر شام کو واپسی بھی ہوجاتی۔

اس پر مرحوم ارشاد فرماتے کہ: ہم لوگ تو کئی کئی روز تک وہاں قیام کرتے تھے؛ چوں کہ سواری کا بھی انتظام اُس زمانے میں نہیں تھا اور راستے بھی درندوں سے پُر خطر ہوتے تھے، آج کے دور میں ہم لوگوں کے لیے تو اللہ کے فضل سے بڑی سہولتیں ہیں، الحمدللہ!

قرآنِ مجید سے عشق

"مجلسِ خدام الدین" کے زمانے میں جب آپ ڈابھیل میں مقیم تھے، اونچے محلے میں مکان تھا، ایک طرف حضرت مولانا احمد حسن داحودیؒ مقیم تھے، جن کی سوانح حیات مولانا ایوب سورتی صاحب نے شائع کی ہے، اور دوسری طرف جناب حسن بھائی فینسی کے والدِ مرحوم محمود بھائی مقیم تھے، اس زمانے میں جامعہ ڈابھیل میں قاری رمضان صاحب میواتی مدرس تھے، بعض مرتبہ جمعرات کو قاری رمضان صاحب اور دیگر حضرات کو طعام کی دعوت کے لیے گھر پر بلاتے اور قرأت کی مجلس منعقد ہوتی، یہ مرحوم کی قرآنِ مجید سے عشق کی دلیل ہے، نیز مولوی امتیاز کولہاپوری کا آنا ہوتا تو ان سے ضرور نعت سننے کی فرمائش کرتے۔

لوجہ اللہ نماز کی امامت

ڈابھیل، سملک کے قیام کے زمانے میں اور پھر بارڈولی منتقل ہونے کے بعد مختلف مساجد میں امامت و خطابت کا سلسلہ بھی خوب رہا، اکثر مساجد کے ائمہ کو کہیں جانا ہوتا تب مرحوم خالصتاً لوجہ اللہ امامت کروایا کرتے تھے، تبلیغی کاموں میں بھی خوب تعاون فرماتے، مسجدِ اقصیٰ میں بھی طویل عرصہ امامت فرمائی۔

بارڈولی عیدگاہ میں کئی مرتبہ عید کی نماز، خطبہ اور بیان کی خدمت بھی آپ نے انجام دی۔

عملیات کی خدمت

ڈابھیل، سملک کے قیام کے زمانے میں اور پھر بارڈولی منتقل ہونے کے بعد عملیات کی لائن سے لوجہ اللہ خدمت کا سلسلہ خوب رہا، مسلم، غیر مسلم بڑی تعداد میں، بچے، بوڑھے اور عورتیں سب آیا کرتے تھے، ان کو عملیات کے ساتھ دیسی (گھریلو) علاج و معالجہ کی طرف بھی رہنمائی فرماتے۔

عملیات کی اجازت

حضرت شیخ الاسلامؒ کی طرف سے آپ کو باقاعدہ عملیات کی اجازت تھی، ایک مرتبہ ایک بنگالی عالم ــ جو دارالعلوم آنند کے مدرس تھے، جن کا بارڈولی آنے جانے کا سلسلہ تھا، ان ــ کو جب پتہ چلا کہ آپ کو حضرت مدنیؒ کی طرف سے اجازت ہے تو گھر پر تشریف لائے اور والدِ مرحوم سے عملیات کی اجازت چاہی، تو مرحوم والد صاحب نے

ان کواس شرط پر اجازت دی کہ حضرت مدنیؒ کی بیاض سے جو علاج کروگے اس پر کسی طرح کا کوئی معاوضہ نہیں لوگے۔

حضرت مدنیؒ کا تحفہ

ایک مرتبہ حضرت مدنیؒ جامعہ ڈابھیل تشریف لائے ہوئے تھے، اکابرحضرات کا جو یادگار بنگلہ ہے وہاں دعوت تھی (جس کے ایک حصے میں فی الحال بندہ محمود کا قیام ہے) مرحوم والد صاحب نے بھائی احمد کو حضرت مدنیؒ کے پڑوس میں بٹھالیا، حضرت نے اپنے مبارک ہاتھوں سے بھائی احمد کے منہ میں کھانے کا لقمہ دیا، اور بھائی احمد اور بہن مرحومہ مریم کو حضرت نے پانچ پانچ روپیے کی نوٹ بطورِ ہدیہ عنایت فرمائی تھی، جوالحمد للہ! محفوظ ہے، جب پورا مکان جل گیا تھا اس وقت بھی یہ نوٹ الحمدللہ! سلامت رہی تھی، بہن مریم کے پاس جو نوٹ تھی اس کے بارے میں بہنوئی حضرت مولانا عبد الصمد صاحب نے بتایا کہ وہ ان کے انتقال کے بعد بھانجے حاجی شاہد کے پاس ہے اور بھائی احمد والی نوٹ بارڈولی ہی میں ہے اور ایک روپیے کا سکہ محمود (مرتب) کے پاس ہے۔

حضرت مدنیؒ کی ایک اور کرامت:

مٹھائی میں برکت کا عجیب واقعہ

سملک کے قیام کے زمانے میں حضرت مدنیؒ نے مٹھائی کا ایک بکس عنایت فرمایا تھا، جس کو والد صاحب نے مکان کی چھت میں معلق کردیا تھا اور یہ فرمادیا تھا کہ: بکس کے اندر دیکھے بغیر بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر مٹھائی نکالتے رہیں، وہ مٹھائی کئی

دنوں تک مسلسل گھر میں تمام افراد کھاتے رہے اور کئی دنوں تک چلتی رہی، گویا حضرتؒ کی یہ ایک بیّن کرامت تھی۔

حضرت مدنیؒ کے یہاں سے آئی ہوئی گنّے کی کھیر

دیوبند سے کئی مرتبہ حضرت مدنیؒ کی طرف سے ایک بڑی مقدار میں گنے کی کھیر آتی تھی اور جن جن حضرات کو دینی ہے اُن کے نام ایک پرچی لکھ کر ارسال فرماتے، کھیر کو اسی ترتیب سے تقسیم کرنے کی ذمے داری مرحوم والد صاحب کی تھی۔

حضرت مدنیؒ کے گھر والوں سے تعلق

مرحوم کو میٹھی چیز کا اتنا شوق تھا کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی اہلیہ مرحومہ آپ کو سلیمان مٹھائی کے نام سے ہی پہچانتی تھیں۔

حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کی اہلیہ کے لیے ان کی حیات تک برابر تحفے اور ہدایا بھیجتے رہے اور چوں کہ حضرت مدنیؒ کے گھر میں آپ کو سلیمان مٹھائی کے نام سے پہچانتے تھے اس لیے اس طرح ہی لکھ کر بھیجتے کہ ”سلیمان مٹھائی بارڈولی“ کی طرف سے ہدیہ۔

اپنے دیگر اساتذہ کے گھر والوں سے تعلق

دارالعلوم دیوبند کے آپ کے اساتذہ میں سے یا اساتذہ کی اولاد میں سے کسی کا بھی سورت یا بھروچ یا اس کے اطراف کا سفر ہوتا تو آپ ضرور ملاقات کی نیت سے تشریف لے جاتے اور ان کے ساتھ وقت بھی گزارتے اور ان کے لیے تحائف بھی

برابر بھیجتے۔

حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب کی اعزازی دستار بندی

حضرت فدائے ملّت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے انتقال کے بعد جب حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم جمعیتِ علمائے ہند کے صدر منتخب ہوئے تو جامعہ مظہرِ سعادت ہانسوٹ میں حضرت مفتی عبداللہ صاحب دامت برکاتہم نے ایک بڑا اعزازی پروگرام منعقد کیا، جس میں حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی دامت برکاتہم بھی تشریف لائے تھے اور گجرات بھر کے علما اور عوام کا ایک بہت بڑا مجمع تھا، اس وقت حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم کے سر پر مرحوم والد صاحب کے مبارک ہاتھوں سے عمامہ باندھا گیا۔

بارڈولی کا حافظ جی محلہ

اِس وقت جہاں آبائی محلہ ہے، وہ پہلے قاضی خاندان کے لوگوں کا محلہ تھا، پھر قاضی خاندان کے لوگ جب دوسری جگہ منتقل ہو گئے تو اس کا نام ”صالح محلہ“ ہو گیا؛ چوں کہ جدِّ امجد میں صالح حافظ جی مرحوم اپنی پانچ اولاد کے ساتھ وہاں مقیم تھے، پھر بعد میں اس کا نام ”حافظ جی محلہ“ ہو گیا۔

قاضی اور گھانچی قبرستان

بارڈولی میں قاضی خاندان کے لوگوں کی بڑی آبادی ہونے کی وجہ سے ان کا قبرستان مستقلاً الگ تھا، جو آج کل ”آشیانہ نگر“ کے پڑوس میں موجود ہے، اور بارڈولی

شہر کے مشرقی علاقے میں گھانچی، ووہورا قوم کے لوگوں کی بڑی آبادتھی؛ اسی لیے ان کا قبرستان بھی مستقلاً علیحدہ ہے، جو مشہور ہے۔

بلیشور آبووت ٹرسٹ

مرحوم والد صاحب کو جب دارالعلوم دیوبند تعلیم کے لیے جانے کا ارادہ ہوا تو اخراجات کے لیے بلیشور آبووت ٹرسٹ کی طرف سے ایک محدود مقدار میں وظیفہ جاری ہوا، جو آپ کے تعلیمی دور میں بہت ہی کارآمد ثابت ہوا۔

اسکول کی تعلیم

اِس وقت جہاں مدرسہ مارکیٹ ہے وہیں پر بستی کا پُرانا مکتب تھا اور اسی میں اردو اسکول بھی چلتی تھی، وہیں پر مرحوم نے پانچ یا چھ کلاس تک اسکول کی تعلیم حاصل کی تھی، مدرسے کی تعلیم کے زمانے میں بھی تعطیلات میں کھیتی وغیرہ کے کام کرتے تھے۔

کپڑوں میں اپنے شیخ کی اتباع

اپنے شیخ کی اتباع میں ہمیشہ مقامی بنے ہوئے روئی کے کپڑے ہی پسند کرتے، اس زمانے میں ڈابھیل میں ''سوج خاندان'' کے لوگ ہاتھ سے کپڑے بُننے کا کام کرتے تھے، وہی کپڑا خرید کر استعمال کرتے تھے۔

بارڈولی مسجدِ اقصیٰ

ہمارے یہاں مسجدِ اقصیٰ کا سنگِ بنیاد مؤرخہ ۱۸/شعبان المعظم ۱۴۰۰ھ مطابق یکم جولائی ۱۹۸۰ء میں ہوا اور ۱۵/شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۸/مئی

۱۹۸۳ء سے مسجدِ افضیٰ میں نماز کا سلسلہ جاری ہوا، ویسے تعمیری کام کے جاری ہونے کے زمانے سے ہی نماز اور تراویح کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا۔

۱۹۸۲ء کے رمضان میں مسجد میں استنجا وغیرہ کا انتظام نہ ہونے کے باوجود مرحوم والد صاحب نے اعتکاف فرمایا اور بشری ضروریات کے لیے گھر تشریف لاتے، اُس وقت مسجد میں پنکھے کا انتظام بھی نہ تھا۔

نوٹ: مسجدِ اقصی کی تعمیر کی ابتدا کے وقت آم کے درخت کے نیچے ''حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب جلال آبادیؒ'' نے دعا کروائی تھی، بعد میں باقاعدہ سنگِ بنیاد ''حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب مجددی جے پوریؒ'' کے ذریعہ رکھا گیا تھا اور تعمیر کے دوران میرے حضرت ''فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ'' نے دعا کروائی تھی (از: مرتب)۔

مسجد کی تعمیر کی ابتدا

مسجدِ افضیٰ کے تعمیری کام کی شروعات بارڈولی کے مقامی چندے سے ہوئی، خاص کر ''ووہورا برادری'' کے لوگوں نے بڑھ چڑھ کر چندہ دیا، پھر مرحوم والد صاحب چندے کے سلسلے میں برطانیہ تشریف لے گئے اور چھ ماہ قیام کر کے چندہ کیا، پھر ہندوستان آنے کے بعد مسجد کے واسطے سنگِ مرمر کی خریدی کے لیے مکرانہ راجستھان کا بھی سفر کیا۔

بارڈولی آدرش کالونی

ہماری آدرش کالونی کا سنگِ بنیاد ۱۹۷۵ء میں فدائے قوم وملت ''حضرت

مولانا سید اسعد مدنیؒ'' کے ہاتھوں عمل میں آیا تھا ۱۹۷۸ء سے لوگوں نے اس میں رہائش شروع کی تھی۔

اصل عربی خاندان

خاندان کے اندر یہ بات مشہور تھی کہ مغلیہ سلطنت کے دور میں عرب کے کسی علاقے سے علما اور حفاظ پر مشتمل ایک بحری جہاز ''باب المکۃ'' سورت آیا تھا، اور دین کی خدمت کی نسبت پر وہ علاقے کے مختلف شہروں میں پھیل گیا، انھیں سے اس ملک میں ''حافظ جی'' خاندان کی ابتدا ہوئی، سورت، سامرود، کچھولی، آسنا، والکانیر، مٹواڑا، بدھان اور بارڈولی وغیرہ کے مقامات پر اس خاندان کے لوگ پائے جاتے ہیں۔

نانا مرحوم

راقم السطور کے نانا جان حاجی موسیٰ جی گجیا بارڈولی جامع مسجد کے سالہا سال تک متولی رہے اور قدیم جامع مسجد جو لکڑیوں سے بنی تھی، مرحوم نانا جان ہی کی زیرِ نگرانی تعمیر ہوئی تھی۔

دادا مرحوم جنگِ آزادی میں

دادا جان کو جنگِ آزادی کی خدمات کی وجہ سے آزادی کے پچیس سالہ جشن کے موقع پر ایک چاندی کا میڈل ملا تھا، جو انھوں نے ہمارے بھائی احمد کو ہدیہ میں دے دیا تھا، جو مکان میں آگ لگنے کے وقت پگھل گیا تھا، مرحوم دادا جان قرآنِ مجید بھی بہت اچھا پڑھتے تھے، کبھی کوئی امام نہ ہو تو فجر اور مغرب میں امامت بھی کروالیا

کرتے تھے۔

اپنے دور کے بزرگانِ دین اور رفقا سے تعلق

اُس دور کے گجرات کے اکابر علما—مثلاً مولانا احمد اللہ پالؒ، مرحوم حضرت مولانا احمد رضا اجمیریؒ، مولانا سعید صاحب راندیریؒ، مولانا اشرف راندیری صاحبؒ، مفتی اسماعیل صاحب بسم اللہؒ، مولانا عبدالغفور صاحب پٹھانؒ، مولانا سعید صاحب بزرگؒ، مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا شریف حسن صاحب دیوبندیؒ، مولانا ایوب صاحب اعظمیؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا اکرام علی صاحب بھاگلپوریؒ، حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم — سے بڑے اچھے تعلقات رہے ہیں۔

معاصرین رفقا میں مولانا حکیم سلیمان کفلیتویؒ، مولانا غلام محمد کفلیتویؒ، مولانا یوسف صاحب پیپڑ اوالا، عالی پور میں مولانا گھی والا حکیم خیر گامی، مولانا محمد میمی سملکی، مولانا محمد جسات مانگرولی، مولانا موسی مٹواڑی، مولانا ابراہیم چنامن گودھرا والے، مولانا ہاشم صاحب نصیر پوری، مولانا محمود دین دار، مولانا اسماعیل صاحب کھولوڑی اور حکیم محمد سعید خیر گامی خصوصاً قابل ذکر ہیں۔

مکتب کی تعلیم

مکاتب کے اساتذہ کے ساتھ تعلیمی جانچ کے سلسلے میں بڑا سخت رویہ استعمال فرماتے؛ لیکن ذاتی تعلقات ہر ایک مدرس کے ساتھ بہت ہی اچھے اور نرم ہوتے تھے، تعلیم کے سلسلے میں اصول کی پابندی اور صحیح محنت، صحیح نہج کے ساتھ تعلیم کے آپ خواہاں

رہتے تھے، گھر کے مکتب میں کبھی لمبی تعطیلات نہیں ہوتی تھیں، نماز، وضو، غسل، جنازہ، کفن وغیرہ میں عملی مشق کروانے کی ایک عجیب مہارت تھی۔

علاج

جب بیمار ہوتے تھے تو گھریلو دیسی علاج سے کام چلاتے تھے، بدرجۂ مجبوری ڈاکٹر کے پاس جاتے۔

نکاح کی تاریخ

مرحوم کا نکاح مؤرخہ ۱۶؍شوال المکرم ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۲؍اگست ۱۹۴۸ء اتوار کے روز عشا کے بعد ہوا تھا، آپ کا نکاح آپ کے دوست مرحوم مولانا ابراہیم راوت نصیر پوری نے پڑھایا تھا اور مہر اُس زمانے کے حساب سے ایک سو ساڑھے ستائیس روپیے تھی۔

اخباری شہادت

ایک موقع پر سورت سے شائع ہونے والے گجراتی اخبار ''گجرات مِتر'' میں ایک خبر کے متعلق عنوان میں والدِ مرحوم کے لیے یہ الفاظ استعمال ہوئے تھے ''بارڈولی علاقے کے ایمان دار، امانت دار، عالم، مولانا سلیمان صاحب حافظ جی''۔

اشعار کا شوق

اشعار و نعت کا بہت ہی شوق تھا، عشقِ الٰہی اور عشقِ رسول کے متعلق اشعار سننے، سنانے کے بڑے شوقین تھے، آپ کے منتخب اشعار کی ایک مستقل کاپی ہے،

رمضان المبارک کے دنوں میں تہجد کی دعاؤں میں بہت نرالے انداز میں دعائیہ اشعار پڑھا کرتے تھے، فارسی، اردو، عربی، گجراتی اشعار کی بڑی مقدار آپ کو یاد تھی۔

نمازوں میں مسنون قرأت کا اہتمام

نمازوں میں مسنون قرأت کا بڑا اہتمام تھا، مسجدِ اقصی بارڈولی میں جب پہلی مرتبہ برادرم مفتی محمود نے جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر پڑھی تھی تو بہت ہی خوش ہوئے، پھر اس طرح مسنون قرأت کی بار بار ترغیب دیتے تھے۔

لڑائی جھگڑوں کو نمٹانے کی عجیب صلاحیت

مسلمانوں کے آپسی جھگڑوں کو نمٹانے کی بڑی صلاحیت تھی، جس کی برکت سے بہت سارے گھرانے ٹوٹنے سے بچے ہیں، میراث کے پیچیدہ معاملات بھی بڑی فراست سے نمٹاتے تھے۔

اِسراف سے بچنے کا اہتمام

اِسراف کے معاملے میں بہت ہی سخت تھے، پانی، بجلی، گیس، چولہے میں لکڑیاں ان سب چیزوں میں اسراف پر کڑی نظر رہتی تھی۔

گھر میں داخل ہونے کا معمول

جب گھر میں داخل ہوتے تو باہر ہی سے زور سے کھانستے — یہ شریعت کی تعلیم ہے — بہ آوازِ بلند سلام کر کے تشریف لاتے اور لوگوں کو سلام کی خاص تاکید فرماتے۔

عالمی خبریں سننے اور پڑھنے کا اہتمام

سالہا سال تک شام کے کھانے کے وقت ''بی بی سی لندن'' سے نشر ہونے والی خبریں سننے کا بڑا اہتمام تھا اور صبح میں مدرسہ سے فراغت کے بعد اخبار میں ملکی اور عالمی خبریں پڑھنے کا بہت اہتمام تھا۔

زکوۃ ادا کرنے کا اہتمام

زکوۃ، صدقات کی تقسیم میں قریبی رشتے دار اور خاص خاص دینی اداروں کو خصوصیت کے ساتھ عنایت فرماتے۔

ماتحتوں کا خیال

گھر اور کھیت میں کام کرنے والے ملازمین کی ضروریات کا خاص خیال رکھتے۔

غیر مسلموں سے تعلقات

کاشت کاری، اینٹ کے کاروبار کی وجہ سے اور کرایہ کو جمع کرنے کی نسبت سے بہت سے غیر مسلموں کے ساتھ روابط ہوئے، غیر مسلم حضرات بھی آپ کے اسلامی اخلاق کی وجہ سے بہت ہی متأثر ہوتے تھے اور ہمیشہ آپ کے مداح رہتے تھے۔

متفرقات

اِس وقت جہاں ''قباپارک'' کی آبادی ہے وہاں ایک بڑا خاندانی کھیت تھا، وہاں شیر بھی ہوا کرتے تھے؛ تب بھی بڑی ہمت سے وہاں پر کاشت کاری کے کام کے

لیے تشریف لے جاتے، دادا مرحوم نے بندوق سے کئی شیروں کا شکار بھی کیا تھا۔

سالہا سال تک آپ بارڈولی کی ’’دودھ منڈلی‘‘ کے فعّال ممبر رہے ہیں۔

کوئی بھی حکومتی الیکشن ہو تو فجر کے بعد فوراً ووٹ دینے جانے کا معمول تھا۔

نہی عن المنکر کے بارے میں پوری زندگی برابر مستعد رہے، خاص طور پر ٹخنوں کے نیچے ازار یا لنگی پہننے، اور ڈاڑھی پوری نہ رکھنے یا شرعی مقدار سے کم رکھنے پر بے جھجک لوگوں کو تنبیہ فرمادیا کرتے تھے، بیڑی، سگریٹ کی بدبو سے آپ کو بڑی نفرت تھی، اس پر بھی فوراً تنبیہ فرمادیتے۔

سالہا سال تک رمضان المبارک کے آخری عشرے کا اعتکاف بھی فرمایا۔

مرحوم کی قوتِ حفظ اور قوتِ فہم قابلِ داد تھی۔

اسلامی مہینوں کے چاند دیکھنے کا بڑا اہتمام تھا۔

حجاج اور عمرہ میں آنے جانے والوں سے ملاقات کے لیے ضرور تشریف لے جاتے، نکاح اور جنازوں میں بہت ہی پابندی سے شرکت فرماتے۔

اردو، گجراتی رسائل اور کتابوں کا بہت ہی گہرائی سے مطالعہ کرتے اور مصنفین یا مضمون نگار حضرات کی طرف سے کوئی کوتاہی ہوتی اس کو حاشیہ میں نوٹ کرتے، اور دیگر اہلِ علم سے مذاکرہ کر کے مضمون نگار حضرات کو خط بھی لکھواتے۔

جامعہ ڈابھیل کی شوریٰ میں فدائے ملت ’’حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ‘‘ کو کوئی بات کہنی ہوتی تو کسی کی ہمت نہ ہوتی، مرحوم والد صاحب ہی کے ذریعہ سے فدائے قوم وملت ’’حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ‘‘ کو کوئی بات کہلوائی جاتی۔

گھر کے کاموں کے اندر بھی خوب تعاون کرتے، برتنوں کو کھانے کے بعد

برابر صاف کرتے، کپڑے اور چپل کو پیوند لگا کر کے بھی استعمال فرماتے۔

شیخ الحدیث ''حضرت مولانا مفتی احمد بیمات صاحبؒ'' فرماتے تھے کہ: حضرت شیخ الاسلامؒ کی پہلی ملاقات مولانا سلیمان صاحب کے ذریعہ سے ہوئی تھی۔

اطراف و جوار میں رشتے داروں کے یہاں حقوقِ رشتے داری کو نبھانے کے لیے جانے کا بڑا اہتمام تھا۔

جمعیتِ علمائے ہند کی تمام تحریکوں میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔

رات کو سوتے وقت سرمہ کی سنت کا بڑا اہتمام تھا۔

خود طہارت وصفائی کا بڑا اہتمام تھا اور دوسروں سے اہتمام کرواتے بھی تھے۔

ٹرین کے سفر میں استنجے کے لیے سامانِ سفر میں ڈھیلے ضرور رکھ لیتے، اس دور میں ٹرین میں پانی کی قلت رہتی تھی۔

بارڈولی کے پڑوس میں وانکانیر میں ایک نکاح کے موقع پر مرحوم مولانا عبدالحق میاں صاحب نے بیان کیا، اس کے بعد بہت ہی اصرار سے والد صاحب سے ہی نکاح پڑھوایا اور فرمایا: نکاح پڑھانے کے متعلق مولانا سلیمان صاحب میرے استاذ ہیں اور جن کے یہاں نکاح ہے وہ ان کے رشتے دار بھی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں بڑے اہتمام سے تشریف لے گئے، اس وقت آپ کے موجود اساتذہ میں سے غالباً ''بھائی جی'' سے دستار بندی بھی کروائی۔

نوٹ: یہ مضمون میرے بڑے بھائی حاجی احمد صاحب کے گجراتی زبان میں لکھے ہوئے ایک طویل ترین مضمون کا اقتباس ہے، جس کو اختصار کے ساتھ بندے نے اردو زبان میں پیش کیا ہے۔

فقیہِ ملّت حضرت مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ کی وفات پر لکھا ہوا ایک مضمون

نوٹ: حضرت مفتی صاحبؒ سے میرے والدِ مرحوم کے دوستانہ تعلقات تھے اس نسبت سے یہ مضمون یہاں پیشِ خدمت ہے، از (مفتی) محمود بارڈولی۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی خاتم الأنبیاء والمرسلین وعلی الہ وصحبہ وعلی من تبعھم باحسان الی یوم الدین، أمین۔

اللہ تعالیٰ کی جو عظیم نعمتیں اس بندے پر ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ بچپن سے ہی اہل اللہ، علما، صلحا کی زیارت و ملاقات اور ان کی خدمت کا فطری ذوق وشوق دل میں ہے، والدِ بزرگوار اور میرے وطن بارڈولی کے ساتھ بہت سے علما، صلحا کے قدیم گہرے روابط کی وجہ سے نامور اساطینِ امت کا ہمارے یہاں برابر ورود ہوتا رہتا اور ان کی خدمت و ملاقات کا شرف حاصل ہوتا، ایامِ طفولیت سے ہی جن اہلِ علم و عمل کے اسمائے گرامی کان میں سننے کو ملتے ان ہی میں سے ایک ''حضرت مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوری نور اللہ مرقدہ'' بھی تھے۔

ہمارا یہ معمول ہونا چاہیے کہ اپنے زمانے کے اور اپنے علاقے کے علما، صلحا سے ملتے جلتے رہیں، نیز اپنے بچوں کو بھی گاہے گاہے اللہ والوں کی صحبت و ملاقات کے لیے لے جاتے رہنا چاہیے، نیز اپنے بچوں کے سامنے اللہ والوں کے تذکرے بھی کرتے رہنا چاہیے، یہ چیز بھی بہت ہی مفید اور کارآمد ثابت ہوتی ہے۔

اِس وقت بہت ہی افسوس سے یہ اعتراف کرتا ہوں کہ حضرت مفتی سید عبدالرحیم

صاحب لاجپوری نور اللہ مرقدہ سے علمی استفادے میں بہت ہی کوتاہیاں ہوئیں، ہاں! اتنی بات ضرور تھی کہ مدرسے کے معاصر رفقا کو اور مدرس بننے کے بعد درسگاہ کے شریک بھائیوں کو جمعہ کے روز راندیر جا کر حضرت کی زیارت کی ترغیب ضرور دیتا تھا، حضرتؒ کی طرف سے دورۂ حدیث اور افتا کے طلبہ کو فتاویٰ کا سیٹ انعام میں برابر پہنچتا رہتا، اسلامی ماہ کے شروع میں گجراتی اخبارات میں رؤیتِ ہلال کی مناسبت سے سال بھر حضرت کا اسمِ گرامی دیکھنے کا شرف حاصل ہوتا۔

اس وقت دو واقعے — جس کا تعلق خود میری ذات سے ہیں — خاص طور پر قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

واقعۂ اول جس میں حضرتؒ کی فقاہت ولطافت ہے۔

واقعۂ ثانی جس میں نو وارد مسائل کے لیے انتہائی علالت کے باوجود پیرانہ سالی میں حضرت کی فکر و توجہ ہے۔

پہلا واقعہ

دورۂ حدیث شریف کے سال جمعرات کو حسب معمول عصر کے قبل ڈابھیل سے وطن جانے کے لیے ہم وطن ساتھیوں کے ساتھ روانگی ہوئی، جمعرات کو بعد المغرب جامعہ میں شعبۂ تقریر و تحریر کی مجلس منعقد ہوتی ہے جس میں سب طلبہ کے لیے شرکت ضروری ہوتی ہے اور غیر حاضری پر اہتمام میں باز پرسی اور سزا بھی ہوتی ہے، اگرچہ اس مفید سلسلے سے قرب و جوار کے طلبہ — جو جمعرات کو گھر جانے کے عادی ہیں — ہمیشہ نالاں و ناراض رہے ہیں اور فنِ خطابت میں کوئی مشق نہیں کر پاتے ہیں۔

میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ دفترِ اہتمام سے انجمن کی رخصت لیے بغیر روانہ ہوا، بارڈولی جانے کے لیے نیشنل ہائیوے پر ''کڈودرا'' ایک چوراہا ہے، وہاں سے گاڑی بدلنی ہوتی ہے، زمانۂ طالب علمی میں ہائیوے پر چلنے والے ٹرک، ٹیمپو، طلبہ کے لیے براق سے کم حیثیت نہیں رکھتے، کڈودرا پہنچ کر ایک ٹرک کے پیچھے والے حصے میں ہم سب سوار ہوئے، حسنِ تقدیر سے اس دن ماہِ صفر کی ۲۹ تاریخ تھی، ہم سب ساتھیوں نے ماہِ ربیع الاول کا چاند دیکھا، جمعہ کی شام جب ہم مدرسہ پہونچے تو پتہ چلا کہ یہاں کسی کو چاند نظر نہیں آیا اور راندیر سے حضرت کا بیان اخبار میں شائع ہوا کہ چاند کسی نے دیکھا ہو تو شہادت مطلوب ہے۔

اب ہم سب ساتھی پریشان کہ رؤیتِ ہلال کی بات کریں گے تو کہاں دیکھا اس کی تحقیق ہوگی اور جمعرات کو بغیر اجازت کے جانے کا پتہ چل گیا تو مستحقِ سزا ہوں گے، بہر حال! الجھنوں کے باوجود ساتھیوں کو راضی کرلیا کہ مسئلہ شرعی ہے؛ اس لیے کچھ بھی ہو شہادت دینی ہے، مدرسے سے ہم کو راندیر حضرت کی خدمت میں بھیجا گیا، مغرب کے بعد حسبِ معمول دروازے بند تھے، پھر بھی دروازہ کھول دیا گیا، حضرت نے ہم سب طلبہ کو دیکھا، شہادت سنی اور ایک کاغذ پر شہادت کی تحریر اور دستخط کروائی، بعد میں حضرتؒ نے علم وعمل کی دعائیں دیں اور پچاس روپیے ہم سب کو مشترکہ عنایت فرمائے، میں نے درخواست کی کہ حضرت اس پچاس کے نوٹ پر اپنے دستخط فرما دیجیے، حضرت نے ازراہِ شفقت دستخط بھی فرما دیے، الحمدللہ!

میں نے ساتھیوں کا حصہ اپنی جیب سے ادا کرکے وہ نوٹ ساتھیوں کی اجازت سے اپنے پاس بطورِ تبرک محفوظ کرلی، اس پچاس روپیہ کے ہدیے پر ہم نے شکریہ ادا کیا،

توحضرت نے پچاس کا نوٹ اور جس کاغذ پر ہم نے شہادت لکھ کر دستخط کیے تھے دونوں کو ملایا اور کہا: دیکھو بچو! تمھارا ہدیہ (شہادت والا کاغذ) میرے ہدیہ (پچاس کے نوٹ) سے بڑا ہے، پھر مسکراتے ہوئے دعائیں دے کر رخصت فرمایا۔

جیسا میں نے اوپر لکھا کہ چاند کی شہادت کے لیے ظاہر میں ایک مانع جامعہ کے دفترِ اہتمام سے رخصت کا نہ لینا تھا۔

دوسری ایک اہم چیز دل میں یہ تھی کہ میرے دورۂ حدیث شریف پڑھنے تک ہمارے جامعہ ڈابھیل میں گجرات کے عامۃ المدارس کے عرف کے خلاف ربیع الاول کی دس روز کی تعطیل نہیں ہوتی تھی، صرف بارہ تاریخ کو ایک یوم کی رخصت ہوتی تھی جو طلبہ کے لیے بڑی خوشی کی بات ہوتی تھی، اب اگر تیس کا پورا مہینہ ہوتا تو بارہ ربیع الاول جمعرات کو ہوتی اور جمعرات، جمعہ دو دن متصل چھٹی ہوتی جو تعطیلات عید الاضحیٰ سے سالانہ تعطیلات تک کے طویل زمانۂ فترت میں ایک بڑی غنیمت تھی اور ۲۹ رکی صورت میں وہ تعطیل بدھ کے روز ہوتی جس سے دو دن کا متصلہ تعطیل کا لطف ختم ہو جاتا؛ چوں کہ اس صورت میں جمعرات کو اسباق ضرور ہوتے۔

بعد میں میرے دار الافتا کے سال فتاویٰ محمودیہ کی دسویں جلد شائع ہوئی، جس میں عاشورہ اور ربیع الاول کی تعطیل کو رافضیوں کا طریقہ بتایا گیا، اسی وقت میرے مشفق و محسن استاذ ''حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم'' نے دار الافتاء کے طلبہ کو جمع کر کے فتاویٰ محمودیہ کی وہ عبارت سناتے ہوئے فرمایا کہ: ۱۲ ر ربیع الاول کو دار الافتا ہی میں رہیں گے اور تعلیمی سلسلہ جاری رہے گا، بعد میں حضرت مہتمم صاحب کو جب وہ فتویٰ دکھایا گیا تو دوسرے سال سے ۱۲ ر ربیع الاول اور محرم کی تعطیل منسوخ

ہوگئی اوراس کے بجائے امتحاناتِ ششماہی کے عنوان سے ایک ہفتہ کی تعطیل اواخرِ ربیع الاول میں عمل میں آئی۔

حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری نور اللہ مرقدہ نے جو ہم چند طلبہ کی شہادت کو معتبر سمجھا، اس کی ایک وجہ اُس زمانے میں میری سمجھ میں یہ آئی تھی کہ انتیس والے چاند کی صورت میں طلبہ کی دوروزہ متصلہ تعطیل کی مسرت باقی نہیں رہتی اور طلبہ کے عرف میں تعطیل کے نقصان سے بڑھ کر اور کوئی نقصان بڑا نہیں سمجھا جاتا؛ اس لیے ہم چار ساتھیوں کی شہادت بھی قبول فرمائی (بعد میں پتہ چلا کہ دوسری جگہوں سے بھی شہادتیں آئی تھیں)

مکتبِ عشق کے انداز نرالے دیکھے	اسے چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

دوسرا واقعہ

ابھی چند ماہ قبل ایک صاحب ایک اہم ترین استفتاء کے ساتھ ایک نامور محدث فقیہ کا پرچہ لے کر ڈابھیل تشریف لائے، میرے مرشد حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ العالی نے بہت ہی تحقیق کے ساتھ شرح و بسط سے اس کا جواب لکھا، (بھائی مفتی اسعد صاحب اس وقت کٹھور میں مدرس تھے، ان کی سنیچر کی چھٹی کروا کر اہم حوالے ان سے تلاش کروائے) مغرب سے قبل مجھ کو بلا کر فرمایا: راندیر جا کر حضرت مفتی صاحب کو فتویٰ سنا کر ان کی رائے اور دستخط کروانا ہے۔

مسئلہ نازک اور وقت کم تھا، اس فتویٰ کو لے کر عشا کے وقت راندیر پہنچا، حضرت کی طویل علالت، عرصے سے صاحبِ فراش اور مزید یہ کہ میں بے وقت پہنچا تھا، حضرت

کو عشا کے لیے وضو بھی کروادیا گیا تھا، میں نے جا کر سلام کیا اور تعارف کروایا— میرے والد صاحب چونکہ حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کے خاص شاگرد اور لمبی مدت تک سفر اور حضر کے خادم رہے ہیں؛ اس لیے اس مناسبت سے والدِ گرامی مدظلہ العالی کو جانتے تھے— جب میں اپنا تعارف کرواتا کہ میں بارڈولی مولانا سلیمان حافظ جی کا بیٹا ہوں تو حضرت مفتی صاحبؒ فوراً ارشاد فرماتے: کون مولانا سلیمان؟ وہ جو حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے ساتھ رہتے تھے؟ اس طرح گویا حضرت مفتی صاحب والدِ مرحوم کو حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کی نسبت سے پہچانتے تھے، اسی طرح شیخ الحدیث حضرت مولانا احمد اللہ صاحب پالؒ بھی والد صاحب کو حضرت مدنیؒ کی نسبت ہی سے پہچانتے تھے۔

گویا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی نظر میں حضرت والدِ مرحوم کی نسبت حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ سے تھی، یہ بھی ایک سعادت کی بات ہے۔

بہر حال! میں نے بے وقت جانے آنے کی وجہ مسئلہ کی نزاکت اور وقت کی قلت بتلائی، بہت خوش ہوئے اور فوراً متوجہ ہوئے اور سوال و جواب خوب غور سے سننے لگے، بیچ میں روک کر کچھ ارشاد و دریافت بھی فرماتے رہے، اور چوں کہ عشا کا وضو بھی کروادیا گیا تھا؛ اس لیے درمیان میں حضرت کے خادم نے عرض کیا: حضرت! آپ کو آج کل وضو زیادہ دیر تک نہ رہنے کی تکلیف ہے اور بار بار وضو کرنے سے بڑی تکلیف ہوتی ہے تو پہلے نماز ادا فرمالیں بعد میں جواب سنیں۔

تو فوراً فرمایا کہ: وضو ٹوٹ گیا تو دوبارہ کرلیں گے؛ لیکن مسئلہ اہم ہے، پہلے اچھی طرح سن لوں (علالت کی وجہ سے جماعت کے فوت ہونے کا اندیشہ تو نہ تھا)۔

بہت ہی توجہ سے سننے کے بعد مکمل اطمینان وانشراح کا اظہار فرمایا اور مہر اور دستخط فرمائے۔

اس عمر و بیماری میں بھی نئے مسائل میں کس قدر فکر تھا یہ قابلِ رشک وتقلید ہے!

ایک مرتبہ بہت دنوں قبل جب دہلی کے قریب کسی کمپنی والے نے اپنے جوتے چپّل کے نیچے والے حصے میں لفظ ''اللہ'' کے رسم الخط کے انداز میں کمپنی کا نام لکھا تھا، جس سے اسمِ بابرکت کی توہین ہوتی تھی تو اس وقت بندہ محمود اور جامعہ ڈابھیل کے مہتمم صاحب دونوں حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بہت ہی حوصلہ افزائی فرمائی اور فرمایا: تمام اکابر علمائے گجرات کو آپ لوگ اس سلسلے میں جمع کر رہے ہیں اور منظم تحریک کا منصوبہ ہے یہ بہت ہی قابلِ مبارک باد اور وقت کا اہم فریضہ ہے، حوصلہ افزائی کے ساتھ بہت ساری دعائیں دیں اور مفید مشوروں کے ساتھ رخصت فرمایا۔

اطراف وجوار کی دینی واخلاقی فکر اخیر عمر تک فرماتے رہے اور اطراف میں جب کوئی باطل فرقہ سر اٹھاتا تو علما کو ضرور متوجہ فرماتے۔

ملک وبیرونِ ملک میں کوئی خاص دینی، ملی جلسہ ہوتا تو پیرانہ سالی کی وجہ سے اگر تشریف نہ لے جاتے تو تحریری پیغام ضرور ارسال فرماتے برّد اللہ مضجعہٗ ورفع درجاتہ فی جنات النعیم، اٰمین۔

مرسلہ:

(مفتی) محمود حافظ جی (صاحب) بارڈولی

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

حضرت مولانا محمد شفیع صاحب سملکیؒ

مجاز: فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ

استاذِ حفظ ورکنِ شوریٰ: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

نوٹ: مرحوم والد صاحب تقریباً ۱۶؍سال تک ''مجلسِ خدام الدین'' سے وابستہ رہے؛اس لیے سملک ،ڈابھیل میں کئی لوگوں سے بڑے گہرے روابط اور تعلقات ہوئے، ان میں ایک حضرت مولانا محمد شفیع میاں صاحب سملکیؒ اور دوسرے مولانا عبدالحق میاں صاحب سملکیؒ اور تیسرے مولانا محمد سعید بزرگؒ کی شخصیت ہیں، ان تینوں حضرات سے والد صاحب مرحوم کے بڑے اچھے تعلقات تھے، اس وجہ سے ہمارے گھر میں بچپن میں ''شفیع چاچا اور ''عبدالحق چاچا'' کی اصطلاح سے ان کو یاد کیا جاتا تھا، ان گھریلو تعلقات کی بنا پر دونوں حضرات کے وصال پر بندہ نے ایک مضمون لکھا تھا جو ماہ نامہ اذانِ ہند اون سورت میں شائع ہو چکا ہے، نیز تاریخِ جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل کی ترتیبِ جدید میں بھی ان شاء اللہ! شائع ہوگا (مرتب: محمود)۔

والدِ مرحوم کے دوست حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ مرحوم کی زندگی سے سیکھنے کی چند باتیں

از: مفتی محمود صاحب حافظ جی بارڈولی

(گجراتی سے اردو) یہ مضمون ماہ نامہ ''الاصلاح'' گجراتی سے لیا گیا ہے۔

ڈابھیل، سملک کے خاندانوں میں ایک ''میاں خاندان'' ہے جو دیگر خاندانوں

کی طرح ایک نیک خاندان ہے، اس خاندان نے امتِ مسلمہ پر عموماً اور اہلِ گجرات پر خصوصاً اور اخص الخاص اطراف کے مسلمانوں پر بہت ہی احسانات کیے ہیں، اکابر علما کی مہمان نوازی، دینی اداروں کا بھر پور تعاون، نیز دینی اداروں کی بنیادیں، اسی طرح دیگر خیر کے کاموں میں اس کو اپنی ایک تاریخی حیثیت حاصل ہے اور اس وقت بھی بہت ساری خدمات میں یہ خاندان لگا ہوا ہے۔

حضرت مولانا عبدالحق میاںؒ بھی اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے، موصوف کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا رہا ہے، ان کی مختلف خدمات کو بھی سامنے لایا جا رہا ہے، مجھے مولانا مرحوم سے عقیدت اور محبت ہونے کے باوجود بہت قریب سے فائدہ اٹھانے کا موقع بہت ہی کم حاصل ہوا ہے، بچپن سے ہی جن جن ہستیوں کے نام میرے کان میں پڑتے تھے ان میں ایک نام "حق چاچا" بھی تھا۔

لفظ "حق چاچا" کا پس منظر

چوں کہ میرے والد تقریباً سولہ (۱۶) سال "مجلسِ خدام الدین" سملک سے وابستہ رہے اور ہمارے گھر میں ہم پانچ بھائی بہنوں میں سے (مفتی) محمود کے سوا باقی کا بچپن اور ابتدائی تعلیم ڈابھیل، سملک میں ہوئی۔

نوٹ: (مفتی) محمود کی ولادت مرحوم والد صاحب کے سملک سے مستعفی ہو کر بارڈولی مستقل منتقل ہونے کے بعد کی ہے، البتہ پورے گھر والوں میں سب سے طویل قیام ڈابھیل، سملک میں محمود کا جاری ہے ۱۹۸۲ء میں جامعہ میں داخلہ لیا، تب سے ایک سال دارالعلوم دیوبند میں تعلیم اور ایک سال دارالعلوم ہدایۃ الاسلام عالی پور کی

تدریس کے علاوہ ــ جامعہ ڈابھیل میں رہنے کی سعادت حاصل رہی ہے، اللہ تعالیٰ اس مبارک تعلق کو ہمیشہ باقی رکھے، آمین۔

اس لیے ہمارے گھر میں بچپن سے جو اصطلاحات رائج تھیں ان میں ایک لفظ ''حق چاچا'' بھی تھا؛ چوں کہ مرحوم مولانا عبدالحق میاں صاحبؒ کو ہم گھر میں ''حق چاچا'' کے لفظ سے یاد کرتے تھے، پھر جب بندے کی تعلیم اور تدریس کا سلسلہ جامعہ ڈابھیل میں شروع ہوا تو مرحوم سے تعلق میں اضافہ ہوا، خاص کر کے مرحومہ والدہ بچپن میں ''حق چاچا'' اور میرے والدِ محترم کی دوستی اور بہت گہرے تعلقات کی باتیں سناتی تھیں، مکاتب کی تعلیم کے متعلق لمبے اسفار خصوصاً تعلیمی جانچ (وزٹ) کے لیے دور دور کے دیہاتوں میں تکالیف برداشت کر کے سفر کرنا، نیز مسلمانوں کی دینی و دنیوی ضروریات کے لیے محنتیں کرنے کی باتیں سننے کو ملتیں، جن میں سے بہت ساری باتیں خصوصی شمارے میں مرحوم والد صاحب ــ جنھوں نے کسی شخصیت پر پہلی مرتبہ مضمون لکھا ہے ــ کے مضمون میں نظر آ سکتی ہیں۔

حق چاچا کی شخصیت کا اندازہ پہلی مرتبہ اس وقت ہوا جب مدرسہ اصلاح البنات سملک کا افتتاح ہوا، استاذِ مکرم ''حضرت مولانا یوسف صاحب کاوی مدظلہ العالی'' کے ساتھ مدرسہ اصلاح البنات دیکھنے جانے کا ایک سنہرا موقع ملا، اُس وقت ڈابھیل جامعہ میں میرا پہلا ہی سال تھا۔

مولانا مرحوم کا مدرسہ دکھانے کا طریقہ بڑا پُر اثر اور عجیب و غریب تھا، مدرسے کی ایک ایک بات کی اس طرح وضاحت فرماتے کہ تعمیری، تعلیمی، انتظامی سب خوبیاں ایک ساتھ سامنے آجاتیں۔

پچھلے دنوں جب ''حضرت مولانا محمد شفیع میاں صاحب ؒ'' کی وفات ہوئی تو جامعہ ڈابھیل کے مہتمم حضرت مولانا احمد صاحب بزرگ کے ساتھ مرحوم کے حالات جاننے کے لیے ایک رات عشا کی نماز کے بعد مدرسہ اصلاح البنات جانا ہوا، اس موقع دوسری تفصیلی ملاقات ہوئی، یہ ملاقات لمبی اور بااثر رہی تھی۔

اس ملاقات کے وقت موصوف نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں بزرگانِ دین کی خدمات کی بات کرتے ہوئے فرمایا: میں اپنے اساتذۂ کرام کی خدمت دل و جان سے کرتا رہا، جن میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب ؒ، حضرت مولانا کامل پوری صاحب ؒ، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ؒ، اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحب ؒ خاص تھے، طالب علمی کے زمانے سے ہی علمائے کرام اور بزرگانِ دین کے ساتھ مرحوم کے خصوصی تعلقات تھے ''حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ؒ'' کی بھی صحبت حاصل ہوئی ہے۔

ایک مرتبہ جامعہ فیضان القرآن احمد آباد کے اساتذہ کا ایک وفد آیا ہوا تھا، ان کے ساتھ مرحوم کی ملاقات کے لیے جانا ہوا تو ایک صاحب نے مرحوم کو احمد آباد کی ایک خاص بسکٹ کا تحفہ پیش کیا، تو فرمایا: میں ہدیہ کے معاملے میں میرے شیخ ''حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ؒ'' کے طریقے پر عمل کرتا ہوں، یعنی اکثر ہدیہ قبول نہیں کرتا ہوں اور اگر قبول کر بھی لیتا ہوں تو مدرسہ کی معلّمات کو کھلا دیتا ہوں۔

حضرت مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھی ؒ کے ساتھ بھی بہت ہی گہرا تعلق تھا، اپنی آخری ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: مولانا میرٹھی صاحب ؒ نے مجھے اپنی اوڑھی ہوئی چادر میں تقریباً آدھے گھنٹے تک اپنے سینے سے لگائے رکھا تھا اور مجھے بہت ساری

دعائیں دی تھیں۔

جب حضرت مولانا شفیع میاں صاحبؒ کے وصال کے وقت خدمت میں جانا ہوا اس وقت ایک خاص بات یہ ارشاد فرمائی کہ: آج مدارس اور دیگر کاموں میں اپنے گجراتی علما کو بہت آگے بڑھنے کی ضرورت ہے، محبت اور لگاؤ کے ساتھ ایک گجراتی عالم جو کام کرے گا اس طرح کوئی دوسرا نہیں کر پائے گا۔

اور اپنے ساتھ ہونے والے تجربہ کی بات سناتے ہوئے ارشاد فرمایا: ایک مرتبہ مدرسہ اصلاح البنات کے مدرسین علما نے ایک جماعت تیار کر کے اجتماعی طور پر مدرسے میں استعفیٰ دے کر مدرسے کو بدنام کرنے کا پلان بنایا، تو میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے سب کا استعفیٰ قبول کر لیا اور پھر دوسرے ہی دن دیہات در دیہات سواری لے کر نکلا اور اپنے یہاں کی عالمہ لڑکیوں سے پورا اسٹاف تیار کر دیا، جو ابھی تک الحمد للہ! تعلیم دے رہی ہیں۔

موصوف کا مزاج ملی خدمات کا تھا، مجلسِ خدام الدین کے علاوہ ملک کے ملی اداروں کے ساتھ بھی مرتے دم تک تعلق باقی رکھا اور "ملیک پور" میں مرکزی جمعیتِ علما کی مُلکی کاروباری مشورہ (میٹنگ) کے موقع پر جو خطبۂ صدارت پیش کیا تھا وہ دیکھنے کے لائق ہے۔

اجتماعی کام کرنے والوں کو ہدایت

ایک مرتبہ میرے بھائی احمد کے ساتھ بارڈولی کے ذمے داروں کا ایک وفد مرحوم کی ملاقات کے لیے پہنچا (تقریباً مدرسہ ہائی اسکول، بارڈولی کی سنگِ بنیاد کے

موقع پر) اس وقت مرحوم نے سب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: کام بہت اہم اور بلند کرنے جارہے ہو؛ لیکن ایک بات یاد رکھنا کہ:

پیٹ بڑا رکھنا پڑے گا، الزامات، سچ، جھوٹ، دیگر بہت کچھ ہوگا اور آپ کو آپس میں لڑانے والے بھی ہوں گے؛ لیکن بڑا پیٹ رکھ کر سب کچھ سن کر صبر سے کام لینا ہوگا، تو ہی کامیابی ملے گی۔

عالمِ اسلام کے مشہور عالمِ دین ''حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہ'' اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں: ''کوئی کام نہ کرنا ایک ہی غلطی ہے، جب کہ کرنا سو غلطی ہے'' کہ کام کرنے والے کو ہی مخالفت کی آندھیاں پریشان کرتی ہیں اور نہ کرنے والوں کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔

مرحوم کی یہ خوبی — کہ مخالفت کی آندھیوں سے ٹکر لینا اور میدانِ عمل میں ٹک جانا — مخالفین کو پریشان کرتی تھی؛ اسی لیے مرحوم کے خلاف مخالفین کی جانب سے طرح طرح کی باتیں لکھنے میں آتی رہیں؛ لیکن مرحوم ایک پہاڑ کی طرح کام میں لگے رہے اور کام کرتے رہے، نیز فرماتے تھے: جواب دینے سے کچھ ہوتا نہیں، بس کام کرتے رہو اسی میں خوبی ہے۔

ایسے آدمیوں کی یہ خدمات پڑھ کر اللہ تعالیٰ ہم سب کو ملّتِ اسلامیہ کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

نیکی کے کاموں میں تعاون

نیز امت کے ہر فرد سے درخواست ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ ہماری ذات سے

اسلام اور مسلمانوں کی کتنی خدمت ہو رہی ہے؟ اور نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ساتھ دیں، اور کام کرنے والوں کے لیے دعائیں کریں اور ان کی حوصلہ افزائی کی بہتر سے بہتر تدابیر سوچیں، یہ نہیں تو کم سے کم درجے میں یہ تو ہو کہ اچھے کام کرنے والوں کی ہم مخالفت تو نہ کریں؛ ورنہ آج امت میں حسد اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ کسی کا اچھا کام کسی سے دیکھا نہیں جا رہا ہے۔

حضرت فقیہ الامتؒ کا ملفوظ

میرے پیر و مرشد ”حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ“ فرماتے تھے: ہر انسان کی خوبیاں اور کمالات دیکھے جائیں اور ان کی بُرائیوں کو نہ دیکھا جائے، اور کسی انسان سے اختلاف ہو جائے تو اس کی وجہ سے سامنے والے کے کمالات اور خوبیاں ختم نہیں ہو جاتیں، اس کا خیال کیا جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، ان کی خدمات کا بہترین بدلہ عطا فرمائے، مرحوم کے اپنے زمانے کے بزرگانِ دین ”حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ اور ”حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ کے ساتھ بھی خصوصی تعلقات تھے جس کو دیکھنے والے آج بڑی تعداد میں موجود ہیں۔

از حضرت مفتی محمود صاحب حافظ جی، بارڈولی

بشکریہ ”الاصلاح خصوصی شمارہ



حضرت مولانا محمد صوفی میمی سملکی قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

ازقلم: مفتی محمود عبدالرحمن میمی، استاذ: جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک

نبیرۂ حضرت مولانا مرحوم

صوبۂ گجرات کی ایک مردم خیز بستی ''سملک''، ضلع نوساری میں آپؒ نے تقریباً ۱۹۱۸ء میں بستی کے مشہور میمی خاندان میں آنکھیں کھولیں، آپؒ کی ابتدائی تعلیم گجرات کی معروف دینی درس گاہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں ہوئی، اس وقت اطراف وجوانب کے بیسیوں طلبہ نے اپنی تعلیمی پیاس بجھانے کے لیے دیوبند کا رخ کیا ہوا تھا، ان طلبہ کے ہمراہ آپؒ بھی دیوبند تشریف لے گئے اور دارالعلوم ہی سے درسِ نظامی کی تکمیل فرمائی۔

حضرت مولانا صوفی مزاج انسان تھے، یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم میں اپنے ہم عصروں میں وہ ''صوفی محمد سورتی'' کے نام سے ہی پکارے جاتے تھے، ابتدا ہی سے عبادتِ الٰہی کا رنگ چڑھا ہوا تھا، تادمِ آخر آپ کی پوری زندگی عبادتِ الٰہی میں ہی گذری، اپنی طویل زندگی میں سے تھوڑا سا حصہ بھی دنیا کی خاطر صرف کرنا گوارا نہیں فرمایا۔

آپ کے والد بزرگ وار بڑے تاجر تھے، نیک مزاج انسان تھے، گھرانہ دین دار تھا، والدہ محترمہ کا حضرت شیخ الہندؒ سے ارادت وبیعت کا تعلق تھا، جب حضرت شیخ الہندؒ ۱۳۳۳ھ میں ''سملک'' گاؤں میں تشریف لائے تھے اس وقت انھوں نے گاؤں کی بعض عورتوں کو سملک کی قدیم مسجد کے حوض کے تخت پر بیعت سے مشرف فرمایا تھا، بیعت ہونے والی ان سعادت مند عورتوں میں سے ایک آپ کی والدہ محترمہ بھی تھیں۔

حضرت مولانا نے اپنا اصلاحی تعلق اولاً ''شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنیؒ''
سے قائم فرمایا تھا، بعد ازاں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ سے
بیعت ہوئے اور ہر سال پابندی سے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے،
آپؒ جب ذکرِ جہری کرتے تھے تو آپ کی کیفیت قابلِ دید ہوتی، دنیا و مافیہا سے بے
تعلق ہو کر یادِ الٰہی میں گم ہو جاتے۔

شروع ہی سے تہجد کے پابند تھے، ایامِ بیض کے مسنون روزے رکھنا آپ کا
دائمی عمل تھا، لوگوں سے بہت زیادہ میل جول پسند نہیں فرماتے تھے، قلّتِ کلام خاص
ان کی عادت رہی، تلاوتِ کلامِ پاک، درود شریف کی پابندی، دیگر وظائف کا اہتمام،
نیز زیادہ تر وقت مسجد میں ہی گزارنا آپ کا محبوب مشغلہ تھا، آخری عمر میں جب بیماری
نے آپ کو آگھیرا اس وقت بھی نماز کا ناغہ نہیں ہونے دیا، موت کا شکنجہ بھی زندگی کے اس
محبوب مشغلے کو نہ چھڑا سکا۔

جب تک سکت وطاقت رہی عبادت میں مصروف ومشغول رہے، بالکل اخیری
ایام میں جب آپ نے دنیا سے ظاہری ہوش کھو دیا تب بھی بسترِ مرگ پر آپ کو دیکھا
گیا کہ اپنے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاتے اور ناف کے نیچے باندھتے، یہاں تک کہ ایک
ہاتھ مکمل ساکت ہو گیا تو جب تک دوسرے ہاتھ میں حرکت کرنے کی سکت تھی وہی نماز
والی حالت ان سے نمایاں ہوتی تھی، اللہ اکبر! اس کو نماز سے عشق اور عبادتِ الٰہی سے
لگاؤ کا انتہائی درجہ نہ کہیں تو اور کیا کہیں کہ بے ہوشی کی حالت میں بھی اسی کی یاد آتی ہے۔
اس طرح زندگی کی آخری سانس تک اپنے پروردگار کی یاد و عبادت میں گزار

کر دنیوی بکھیڑوں اور فتنوں سے اپنے دامن کو بچا کر خاموشی کے ساتھ عبادت کرتے کرتے چاشت کے وقت ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۳/اگست ۲۰۰۶ء میں اپنے پروردگارِ حقیقی سے جا ملے اور سملک، ڈابھیل کے بیچ واقع قبرستان میں ہمیشہ کے لیے آسودۂ خواب ہو گئے، رحمہ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے	سبزۂ نورُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

نوٹ: مرحوم مولانا محمد میمی اور ان کے بھائی حافظجی باوا (حافظ عبد الرحمن میمی مرحوم کے والد) دونوں بھائی سملک مسجد کے کھونٹے سمجھے جاتے تھے۔

نظم (مکہ کی حاضری)

(من جانب: مرتب (مفتی) محمود بارڈولی)

بلدِ امین دکھایا	۱	کعبہ کا طواف کرایا
شکر ہے اللہ کا	۲	شکر ہے اللہ کا
پانی زم زم کا پلایا	۳	صفا مروہ پہ چلایا
شکر ہے اللہ کا	۴	شکر ہے اللہ کا
کہاں یہ گنہگار قدم	۵	کہاں یہ شعائر اللہ
یہ میدان عرفات کا	۶	یہ جبل رحمت کا
یہ ہے وادئ منیٰ	۷	یہ ہے مشعرِ حرام
یہ سب کچھ دکھایا	۸	یہ سب کچھ دکھایا
شکر ہے اللہ کا	۹	شکر ہے اللہ کا

بابِ نہم

مرحوم کی وفات پر شائع شدہ مضامین

مجلسِ خدام الدین، سملک کا ترجمان ''الاصلاح'' میں شائع شدہ مضمون

مجلس کے زمانۂ تاسیس ہی سے مجلس کے تمام امور میں گہری دل چسپی رکھنے والے نیز مجلس کے صدر دفتر میں سالہا سال تک اول سیکریٹری کے امور انجام دینے والے عالمِ باعمل واکمل ''حضرت مولانا سلیمان موسیٰ حافظ جی صاحبؒ'' کے بڑھاپے میں اپنے ہی وطن بارڈولی میں معمولی علالت کے بعد صدائے اجل کو لبیک کہہ کر موت کی گود میں ہمیشہ کے لیے سوجانے کی وجہ سے ہم دکھ اور تکلیف کا احساس کر رہے ہیں ''اناللہ وانا الیہ راجعون''۔

مرحوم ومغفور مولانا سلیمان حافظ جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حقیقی معنی میں مکمل طور پر مجلس کے ساتھ تعلق رکھتے تھے، مجلس کے ماتحت چلنے والے مکاتب ہوں یا پھر کوئی اور کام، جس کے لیے آپؒ کو دعوت دی جاتی تو خوشی کے ساتھ اس کو قبول کر کے آپؒ پوری ذمے داری کے ساتھ امتحانات لے کر معاون ثابت ہوتے اور مجلس کو اپنے تجربے، ضروری رہنمائی اور مفید مشوروں سے نوازتے تھے۔

آپؒ دارالعلوم دیوبند کے قدیم فضلا اور علما میں سے تھے، اپنی طالب علمی کے زمانے میں بڑے بڑے علما اور بزرگانِ دین کی تعلیم وتربیت سے بہت زیادہ فیض حاصل کیا تھا، آپ کی زندگی میں بزرگیت کے تمام ہی اخلاق بہ خوبی دیکھنے کو ملتے تھے۔ فراغت کے بعد دینی اور تعلیمی کام میں لگ گئے، اس کے بعد مجلس کی صدر

آفس میں ''معاون سیکریٹری'' کے عہدے پر رہ کر امانت داری کے ساتھ حسابات اور لین دین کے امور کو انجام دیتے تھے، خدمت کے درمیان خود بھی اصول اور ضوابط پر سختی کے ساتھ عمل کرتے اور دوسروں سے بھی ایسی ہی امید رکھ کر اس کی رہنمائی فرماتے، آپسی معاملات میں اعتدال کا خوب دھیان رکھتے، کبھی بھی بے انصافی اور بناوٹی سلوک دیکھنے کو نہ ملتا، سچی بات کہنے میں کسی کا لحاظ کیے بغیر اس کو منہ پر سنا دیتے تھے، اس میں ذرا بھی کسی کا لحاظ نہ فرماتے، آپؒ کی زندگی کا دائرۂ عمل ہمیشہ ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' ہی رہا ہے، اصلاحِ معاشرہ، احکامِ اسلام پر عمل پیرا ہونے اور ہر ایک کو انصاف ملے اس کی تبلیغ ہمیشہ کرتے رہتے۔

آپ سالہا سال تک جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک کی مجلسِ شوریٰ کے ممبر بھی رہ چکے ہیں اور ہر مجلس میں شرکت کر کے اپنے مشوروں سے نوازتے رہے۔

واقعہ یہ ہے کہ آپ کا باطن بہت ہی زیادہ صاف تھا اور کسی بھی لمحہ خوفِ خدا آپ کو آخرت سے غافل نہ کرتا، اپنی زندگی کا حقیقی مقصد: خالق ومالک کے احکامات کے مطابق زندگی گزارنے کا ہر وقت خیال رہتا اور اس کے مطابق ہی آپ کا عمل دیکھا گیا۔

مولانا مرحوم کے قابلِ صدمہ انتقال کی خبر گجرات کے تمام علمی اداروں میں تیز آندھی کی طرح پھیل گئی، یہاں سملک جب خبر پہنچی تو ''یاسین شریف'' کا ختم اور دعائے مغفرت کا اہتمام کیا گیا، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو قبول فرمائیں۔

آپؒ کے جنازے میں گجرات کے مدارس کے مہتمم حضرات، شیوخ الحدیث،

مفتیانِ کرام، علمائے کرام اور دیگر ہزارہا متعلقین نے حاضری دی، آپؒ کی نمازِ جنازہ آپ کے صاحب زادے حضرت اقدس مولانا مفتی محمود صاحب حافظ جی دامت برکاتہم نے پڑھائی اور بہ تاریخ ۲۴؍اکتوبر ۲۰۰۹ء بروز پیر صبح ساڑھے دس بجے علم وعمل کے اس خزانے کو سپردِ خاک کر دیا گیا اللهم اغفره وارحمه وسكّنه في الجنة-

مجلس کے کارکنان اور تمام ہی کام کرنے والے اپنے اس مخلص کو کھو دینے پر افسوس کر رہے ہیں اور اپنی گہری دل سوزی ظاہر کرتے ہیں، اس کے ساتھ ہی یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ ربِّ کریم ان کی بال بال مغفرت فرما کر کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائیں، نیز آپؒ کے خاندان والوں بالخصوص محترم جناب احمد بھائی اور محترم حضرت مفتی محمود صاحب دامت برکاتہم العالیہ اور دیگر رشتے داروں کے لیے بھی دل سوزی ظاہر کر کے پاک پروردگار سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ سب کو صبرِ جمیل عطا فرمائیں، آمین۔



مولانا سلیمان حافظ جی، رکنِ شوریٰ جامعہ ڈابھیل کی رحلت

مولانا سلیمان صاحب اپنے وطن بارڈولی میں انتقال فرما گئے—انا للہ وانا الیہ راجعون—آپ دارالعلوم دیوبند کے قدیم فاضل اور حضرت مدنیؒ کے خادمِ خاص تھے، مولانا مرحوم یقیناً اللہ تعالیٰ کے نیک اور برگزیدہ بندوں میں سے تھے، آج بھی ان کا روشن اور عبادت گزار چہرہ سامنے آجاتا ہے۔

خیالات کے اظہار اور حقائق میں کبھی انھوں نے نہ مصلحت دیکھی، نہ وقت کی نزاکت کی پرواہ کی، وہ کسی سے مرعوب ہونا بھی نہیں جانتے تھے۔

جمعیتِ علما سے ان کی وابستگی قدیم تھی اور موجودہ قضیۂ نامرضیہ (۱) سے وہ بہت کبیدہ خاطر تھے، اس سلسلے میں بھروچ اور سورت کے وہ علما جنھوں نے حصہ لیا تھا، ان سے سخت ناراض تھے، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل نصیب فرمائے، آمین۔

ماہنامہ، صوت القرآن

ذی الحجہ/ ۱۴۳۰ھ مطابق نومبر/ ۲۰۰۹ء

(۱) مراد حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے وصال کے بعد جماعت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی، اللھم الف بینھما ظاھراً وباطناً بفضلک وکرمک یارب العالمین۔



مرحوم کی سوانح پر ہفت روزہ ”امید“ گجراتی میں شائع شدہ ایک مضمون

یہ ایک مضمون ہے جو تاریخ ۳۰/ اکتوبر ۲۰۰۹ء کے ”امید“ کی وفیات والی خبروں میں شائع ہوا۔

۲۳/ اکتوبر ۲۰۰۹ء بروز جمعہ یعنی شبِ شنبہ بعد نمازِ مغرب لامحدود سفر میں جانے والی شخصیت، بارڈولی کے عظیم سپوت حضرت مولانا سلیمان موسیٰ حافظ جیؒ کے انتقالِ پُرملال کی خبر سے لوگ واقف ہوئے تھے، مرحوم کا ”امید“ کے ساتھ سالوں سے قدیم لگاؤ تھا اور ”امید“ کے مدیر حاجی نثار احمد واگھ بکری والا صاحب سے بھی دوستانہ تعلقات تھے، مرحوم کی دیگر خوبیوں کو سامنے رکھتے ہوئے مرحوم کا مختصراً سوانحی خاکہ یہاں پیش کررہے ہیں۔

مرحوم کی پیدائش بارڈولی کے کاشت کار خاندان میں ہوئی، مرحوم کی عمر اسلامی سن کے حساب سے ترانوے (۹۳) سال کی ہوئی، بچپن ہی سے مرحوم علما کی صحبت اور ان کی خدمت کے طالب تھے۔

ابتدائی دینی، دنیوی تعلیم بارڈولی ہی میں حاصل کی، اس کے بعد دینی علوم حاصل کرنے کے لیے ”جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل“ میں داخلہ لیا، وہاں اردو، فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اکابرین اور دیگر علما سے مزید علم کی پیاس بجھانے کے لیے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔

دورۂ حدیث اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے ۱۹۴۷ء

میں پڑھا تھا، شیخ الاسلامؒ کے خاص شاگردوں میں سے ہونے کی وجہ سے دیوبند اور یوپی میں جنگِ آزادی کی بہت ساری تحریکوں میں شامل ہوئے، اس طرح آپ جنگِ آزادی کے ایک گم نام سپاہی بھی تھے، اسی کے ساتھ آپ کے والدِ مرحوم حاجی موسیٰ حافظ جی، بارڈولی میں جنگِ آزادی کے موقع پر عظیم مجاہد کی حیثیت سے انگریزوں کی جیل میں بھی گئے تھے؛ لیکن پھر بھی کسی قسم کا معاوضہ (یعنی پینشن) اور مدد زندگی بھر نہیں لی تھی۔ (حالاں کہ مجاہدینِ آزادی کو حکومت کی طرف سے مالی تعاون ملتا رہا)

دیوبند سے فراغت کے بعد اپنے وطن بارڈولی آکر "گجیا" خاندان میں نکاح کیا، نکاح کے بعد پھر سے ایک اور سال اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی خدمت میں دیوبند گئے اور اس کے بعد ان ہی کے مشوروں سے اپنے وطن کے مکتب میں تدریس کی خدمت اور زراعت کے کام میں مشغول رہے، مکاتب کی تعلیم کو پختہ کرنے کے ارادے کے ساتھ ایک مدت تک اپنے گاؤں میں خدمت انجام دی، بعد میں اپنے جگری دوست "حضرت مولانا عبد الحق میاں صاحب سملکیؒ" کے اصرار پر "واپی" سے "دریائے تاپی" تک دینی خدمت میں لگی ہوئی تنظیم "مجلسِ خدام الدین" میں شامل ہوئے، لمبی مدت تک "صدرِ مجلس" کے ساتھ مکاتب کی تعلیم اور مختلف دینی مجلسوں اور دیگر دینی امور میں اخلاص کے ساتھ مثالی خدمت انجام دی، اسی کے ساتھ دیوبند کے اپنے پیر و مرشد اور اپنے اساتذۂ کرام سے ربط اور محبت کا سلسلہ جاری رکھا۔

ایک مدت کے بعد اپنے خُسر — مرحوم حاجی موسیٰ جی فقیر گجیا — کے اصرار اور دیگر اکابرین کے مشوروں سے تقریباً ۶۵/ ۱۹۶۴ء میں "مجلسِ خدام الدین" کی خدمت کو چھوڑ کر اپنے وطن بارڈولی آگئے اور وطن میں اینٹ بنانے اور کھیت کے کام میں

مشغول ہو گئے، اسی کے ساتھ ساتھ اپنے گھر میں دینی تعلیم — مکتب — کا سلسلہ جاری کیا اور ساتھ میں ''مجلسِ خدام الدین'' اور گجرات دینی تعلیمی بورڈ کے ماتحت چلنے والے مکاتب کی وِزِٹ (نگرانی) اور امتحان وغیرہ کی خدمت لِوجہ اللہ جاری رکھی۔

جمعیتِ علمائے ہند کے طریقۂ کار کے مطابق پوری زندگی کام کیا اور گاؤں کی امدادی سوسائٹی کے رکن کے طور پر برسوں خدمت انجام دی، نیز جامعہ ڈابھیل کی شوریٰ میں بھی ایک مثالی خدمت لمبے زمانے تک انجام دی۔

مرحوم اور بھی بہت ساری خوبیوں کے مالک تھے، جس میں حق گوئی، نماز میں تکبیرِ اولیٰ کی پابندی، سنتِ نبوی اور اس میں خاص طور پر شرعی ڈاڑھی کی اہمیت دلوانا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے آپ کو ایک دُھن اور لگن تھی، اپنے خود کے قائم کیے ہوئے مکتب میں آخری رمضان تک گھر میں معصوموں کو درس دیتے رہے۔

مرحوم کی دینی تعلیمات اور تربیت سے فیض یاب تین نسلیں موجود ہیں، مرحوم میں امانت داری، حسابی کاموں میں صفائی جیسے ان گنت صفات موجود تھے، دینی رسائل کا خوب غور سے مطالعہ کر کے غلطیوں کی اصلاح کرانا یہ مرحوم کی ایک عجیب خوبی تھی۔

خاندانی روایت کے مطابق ان کے آباؤ اجداد عرب سے ہندوستان میں دینی تعلیم کی اشاعت کی نیت سے سمندری جہاز کے ذریعہ سورت بندرگاہ اترے تھے۔

آپ کی اولاد اور پوتوں میں حافظِ قرآن، عالمِ دین، مفتی، قاری، مدرس، مبلغ اور قوم وملت کے خدام کی ایک مثالی جماعت موجود ہے، نیز اپنے پیر و مرشد کے خاندان کے ساتھ آخری دم تک تعلق باقی رکھا۔

مرحوم کے جنازے میں مؤرخہ: ۲۴/اکتوبر ۲۰۰۹ء صبح ۸/ بجے گجرات بھر کے علما اور ان کے متعلقین، نیز بے شمار تعداد میں لوگ شریک ہوئے تھے، اللہ رب العزت مرحوم کی مغفرت فرمائے اور گھر کے سبھی افراد کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے دینی کاموں کو قبول فرمائے، آمین (ہفت روزہ ''امید'' گجراتی)

بارڈولی قبا پارک کے ایک بیان میں حضرت مرحوم کے لیے دعائے مغفرت

جناب حضرت قاری عبدالرشید صاحب اجمیری شیخ الحدیث دار العلوم اشرفیہ راندیر، سورت، گجرات نے شہر بارڈولی کے ''قبا پارک'' کے ایک بیان میں مرحوم کے بہت سارے اوصافِ جمیلہ بیان کرنے کے بعد دعائے مغفرت فرمائی، پُرخلوص بیان میں بہت بڑا مجمع موجود تھا، بارش ہونے کے باوجود سامعین نے بہت غور سے باتوں کو سنا تھا، اس اعتبار سے ان کا بیان قابلِ تعریف رہا تھا۔

رپورٹ از: ہفت روزہ ''امید'' گجراتی

یکم ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۰/نومبر

نوٹ: جس جگہ اس وقت ''قبا پارک'' ہے اور اس میں اسی نام سے مسجد و مدرسہ بھی قائم ہے، وہ مرحوم مولانا سلیمان صاحب کی خاندانی زمین تھی، جس کو قدیم زمانے میں ''راینا'' (راین کے درخت سے) کہتے تھے، جس کو ''محترم الحاج بلال بھائی کاریا'' اور ''محترم الحاج محمد حنیف بھائی بھملا'' اور محترم آصف خان صاحب نے خرید کر کالونی تعمیر کی ہے۔

مجلسِ خدام الدین سملک کا ترجمان ''الاصلاح''

کل نفس ذائقة الموت

اس فانی دنیا سے سفر کر کے اور اس کے مقررہ وقت میں سلام کر کے لامحدود، دارِ بقا کی طرف سبھی متعلقین کو غموں کے سمندر میں غرق کر کے چلے جانے کا اٹل خدائی قانون ہے، اللہ کے وہ نیک بندے جو اپنے نیک اعمال کے ذریعہ عوام الناس کے دلوں میں عزت کا مقام حاصل کرتے ہیں، کہ جس کی وجہ سے لمبے عرصے تک ان کی یادیں تازہ رہتی ہیں، جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں بشارتیں منقول ہیں۔

مؤرخہ: ۲۳/اکتوبر ۲۰۰۹ء کو اپنے معبودِ حقیقی کی ملاقات کو ہمیشہ کے لیے چلے جانے والے ہمارے والدِ بزرگوار، حضرت مولانا سلیمان موسیٰ حافظ جیؒ نے اپنے معبودِ ازل کو لبیک کہہ دیا ''انا للہ وانا الیہ راجعون''۔

مرحوم اپنے مخصوص انداز میں، دینی، دنیوی تعلیم وتربیت، یتیم ومسکین، بیوہ وغربا وغیرہ کی خدمت اور مساجد ومدارس وغیرہ کی تعمیرات میں آخری عمر تک خاموشی کے ساتھ مثالی خدمت انجام دے کر ہم سب کو غموں کے دریا میں غرق کر کے چلے گئے۔

والدِ محترم کے انتقالِ پُرملال کے موقع پر پورے گجرات کے علمائے کرام، متعلقین حضرات اور بے شمار لوگوں نے مرحوم کے جنازے میں شرکت فرمائی، نیز وطن کے گوشے گوشے اور دنیا بھر سے، متعلقین، دینی اداروں اور متولی حضرات کی جانب سے فون اور خطوط کے ذریعہ سے ہمارے غم میں شریک ہونے کا سلسلہ مسلسل جاری رہا، ان سب حضرات کے ہم دل سے ممنون ومشکور ہیں اور ہم بارگاہِ الٰہی میں دعا گو ہیں کہ اللہ

تعالیٰ مرحوم کے درجات کو بلند و بالا فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہم سب کو مرحوم کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ہم سب دعا کے طلبگار:

(۱) احمد سلیمان حافظ جی (بارڈولی)

(۲) مولانا محمد سلیمان حافظ جی (لیسٹر)

(۳) مفتی محمود سلیمان حافظ جی (ڈابھیل)

(۴) مریم بی بی سلیمان حافظ جی (لندن)

(۵) خدیجہ گوری محمد کیات (براڈفورڈ، برطانیہ)

(۶) قاری عبد اللہ احمد حافظ جی (پناما)

(۷) مولوی عبید اللہ احمد حافظ جی (دیوبند)

(از: ماہ نامہ الاصلاح، محرم، صفر ۱۴۳۱ھ مطابق جنوری ۲۰۱۰ء)

نوٹ: یہ شکریہ نامہ برادرِ بزرگوار بھائی احمد صاحب نے ''الاصلاح'' میں خود شائع کروایا تھا۔

افسوس! اس کتاب کی اشاعت کے وقت برادرِ مکرم ''مولانا محمد سلیمانؒ'' دنیا میں نہیں ہے اور میری بڑی ہمشیرہ ''مریم بی بی'' کا بھی لندن میں بروز منگل ۱۰/نومبر ۲۰۱۵ء کو انتقال ہو گیا۔

باب دہم

تعزیتی خطوط

تعزیتی خط نمبر(۱)

از: مناظرِ اسلام، ترجمانِ احناف حضرت مولانا ابوبکر صاحب غازی پوری

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

انتہائی رنج وغم کے ساتھ مفتی رشید احمد فریدی صاحب کے ذریعہ آپ کے والدِ بزرگوار کے انتقال کی خبر پہنچی، پھر یہی خبر رات کے وقت امریکہ سے مولوی یوسف بھولا سے معلوم ہوئی، خبر سن کر پہلے تو میں سکتہ میں آگیا، پھر ہوش آیا تو ''إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون'' پڑھا۔

آپ کے والدؒ ان بزرگوں میں سے تھے جن کے دیدار سے قلب کو مسرت اور ان کی زیارت سے آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوتی تھی، آپ تقویٰ، طہارت کے ساتھ پوری زندگی پابندِ شریعت رہے اور جنت الفردوس میں لے جانے والے اعمال میں لگے رہے۔

مرحوم جہاں تک حیات رہے آپ کا ''ذکرِ محمود'' ہوتا رہا اور بوقتِ وفات اپنے پیچھے بطورِ ذخیرہ ''محمود'' چھوڑ گئے، ان شاء اللہ! آخرت میں بھی آپ ''محمود'' رہیں گے۔

کل نفس ذائقۃ الموت، اس مشکل گھڑی میں آپ کا اور جمیع اہلِ خانہ کا شریکِ غم ہوں، ایسے مصائب کے وقت بندۂ مومن کو صبر اختیار کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، متعلقین کو میرا سلام۔

آپ کا شریکِ غم: محمد ابوبکر غازی پوری

۲۵/۱/اکتوبر ۲۰۰۹ء

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

إلی الأخ الفاضل المفتی محمود حافظ جی سلمه اللّٰہ تعالی وحفظه

السلام علیکم ورحمة اللّٰہ وبرکاته

وبعد! بأسف شدید وحزن بالغ سمعت نبأ وفاة والدکم الجلیل عن طریق الأخ المفتی رشید أحمد الفریدی جوّالا، ثم جاء الخبر نفس الیوم لیلا من الأخ ”محمد یوسف بهولا“ من أمریکا وقد دتهنی الخبر ملیا، ثم أفقت وقلت: إنا للّٰہ وإنا إلیه راجعون۔

وکان والدکم رحمه اللّٰہ من أولئک الصالحین الذین تکون رویتهم نزهة للقلوب وزیارتهم قرَّة للعیون، عاش رحمه اللّٰہ حیاته کلهم فی تقوی وعفاف، ملتزما بالشَّریعة وأدابها، وفي أعمال تهدی إلی الجنة وحسن الثواب۔

عاش رحمه اللّٰہ محمود الذِّکر فی الدنیا، وخلف محموداً ذخیرة له ”یوم تبیضّ وجوه وتسودّ وجوه“ فهو محمود الاٰخرة إن شاء اللّٰہ!

”وکلّ نفس ذائقة الموت“

وأنا أشارککم وأهلکم جمیعاً أسیً وحزنا فی هذا المصاب، والصبر خیر ما یعتصم به المؤمن فی مثل هذه الفجائع، وإن اللّٰہ مع الصابرین وبلغوا سلامي علی من لدیکم، أرجوکم التفضّل باشعارنا بوصول هذه الرِّسالة، وشکراً، والسَّلام علیکم ورحمة اللّٰہ۔

وأنا شریک حزنکم: (الشیخ) محمد أبوبکر الغازي فوري

تعزیتی خط نمبر (۲)

برادرِ حزیں مفتی محمود صاحب، عافاکم اللّٰہ وإیانا

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ

والدِ بزرگوار داغِ مفارقت دے گئے، دلی صدمہ ہوا "إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون"

کل شئ عندہ بأجل مسمی فلتصبر ولتحتسب۔

والدِ مرحوم ایک باخدا، ذاکر، شاغل، حمیتِ ایمانی وغیرتِ دینی سے معمور عالم تھے، اکابر ومشائخ کے سچے عاشق تھے، آخر سانس تک خدمتِ دین، اور جمعیتِ علما سے وابستگی، ان شاء اللہ! رفعِ درجات کا باعث بنے گی اور آپ جیسی قابل ومقبول اولاد صدقۂ جاریہ بنی رہے گی، دل کے نہاں خانوں سے نکلی ہوئی دعائیں آپ کے لیے ذخیرۂ دارین ثابت ہوگی۔

بلاشبہ دنیا میں ایمان کے بعد والدین انمول نعمت ہوتی ہے، پھر عالم اور خادمِ دین والد تو نعمتِ عظمیٰ ہے، جن کی جدائی پر صدمہ بدیہی بات ہے، یہ فقط ایک گھر کا حادثہ نہیں؛ بلکہ پورے علاقے کا حادثہ ہے؛ لیکن دنیا کی ہر شئی فانی ہے، باقی فقط اللہ کی ذات ہے، لہٰذا اس خدائی اٹل فیصلے پر صبر واحتساب کے علاوہ چارۂ کار نہیں۔

جامعہ ہانسوٹ برادری آپ کے غم میں برابر کی شریک ہیں، ایصالِ ثواب کے ساتھ دعا گو ہے کہ ربِ کریم مرحوم کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ نصیب فرمائے، پس ماندگان کو صبرِ جمیل نصیب فرمائے۔ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

والسلام: (حضرت مولانا مفتی) عبداللہ مظاہری (صاحب)

بانی ومہتمم وشیخ الحدیث: جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ، گجرات

تعزیتی خط نمبر(۳)

باٹلی، برطانیہ کے علمائے کرام

محترم ومکرم جناب حاجی احمد صاحب ومولانا مفتی محمود صاحب مدظلہم رزقکم اللہ صبراً جمیلاً:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون! امید کہ مزاج بخیر ہوگا، گذشتہ آں جناب کے والدِ محترم رحمۃ اللہ علیہ کے حادثۂ جانکاہ کی خبر سنی:

"إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون" اللھم أجرنا في مصیبتنا وعوضنا خیرا منھا، للّٰہ ما أخذ، ولہ ما أعطی وکل شئی عندہ بمقدار، ندعوا من اللّٰہ تعالی أن یرزقکم صبراً جمیلا، وعلی مافقدتم أجرا عظیما، إن العین تدمع، والقلب یحزن، ولا نقول إلا مایرضی ربنا۔

اس میں شک نہیں کہ آپ بہت بڑی نعمت سے محروم ہوگئے، والدِ محترم کے سایۂ عاطفت کا سر سے اٹھ جانا، ایک عظیم نقصان ہے، جس کی تلافی نہیں ہوسکتی، ایسے نازک اور افسوس ناک موقع پر آپ کا رنج والم اور فطری تأثر ایک قدرتی چیز ہے؛ مگر اس راہ سے کس کو مفر ہے کل نفس ذائقة الموت کا فیصلہ حتمی ہے، ہم سب کو اس منزل سے گذرنا ہے، سنتِ نبوی ﷺ کی اتباع میں چند سطریں قلم بند کرتے ہیں۔

اس وقت حضرت امام شافعیؒ کے وہ اشعار جو انھوں نے عبد الرحمن بن مہدی کو ان کے صاحب زادے کی تعزیت میں تحریر فرمائے تھے، نقل کررہے ہیں:

إني أعزّيک لا أنّي على طمَعٍ	مِنَ الخُلُودِ لكنْ سُنّةَ الدِّيْنِ
فَما المُعزّي بِباقٍ بَعْدَ صاحِبِهِ	وَلا المُعزّى وَإنْ عاشَ إلى حِيْنِ

ترجمہ: میں تعزیت پیش کرتا ہوں؛ مگر خلود کی لالچ میں نہیں؛ بلکہ اس لیے کہ یہ دینِ اسلام کا طریقہ ہے۔

نہ تعزیت کنندہ باقی رہنے والا ہے اس کے دوست کے بعد، نہ تعزیت کیے جانے والا، اگرچہ یہ دونوں اجلِ مسمّٰی تک زندہ رہے۔

آپ کو رنج ہوگا؛ کیوں کہ آپ یتیم ہو گئے؛ مگر مؤمن کا سب سے بڑا ہتھیار صبر ہے۔ اس وقت رہ رہ کر مولانا کی خوبیاں یاد آرہی ہیں۔

خود بھی ایصالِ ثواب کیا اور دوستوں کو بھی ایصالِ ثواب کی تاکید کی، اللہ تعالیٰ مرحوم کے ساتھ اپنی خصوصی رحمت کا معاملہ فرمائے اور ہم سب ناقدروں کی طرف سے بہتر سے بہتر بدلہ نصیب فرمائے اور جملہ پس ماندگان خصوصاً آپ کو صبرِ جمیل نصیب فرمائے، آمین۔

مرحوم اپنے پیچھے دو عالم صاحب زادے چھوڑ گئے ہیں، جو ان کے لیے بے شمار نیکیوں اور بلندیٔ درجات کا ذریعہ بنیں گے۔

مرحوم کی دینی خدمات خاص طور سے ''مجلسِ خدام الدین'' کے ذریعہ نہ جانے کتنے مکاتب ورفاہی کام آں مرحوم سے اللہ تعالیٰ نے لیے ہوں گے، یقیناً آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہیں۔

برسوں گجرات کی عظیم دینی درس گاہ جامعہ ڈابھیل کی شوریٰ کے ممبر بھی رہے،

آپ کے مفید مشوروں سے جامعہ کو فائدہ ہوا، اس میں بھی آپ کا حصہ رہا۔

اخیر میں ایک بدوی کے دو شعروں پر تعزیتی عریضہ ختم کرتے ہیں، جو انھوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی وفات پر، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو سنائے تھے، ممکن ہے کہ آپ کے لیے بھی یہ اشعار سامانِ تسلی بنیں:

اِصْبِرْ نَكُنْ بِكَ صَابِرِيْنَ فَإِنَّمَا	صَبْرُ الرَّعِيَّةِ بَعْدَ صَبْرِ الرَّأْسِ
خَيْرٌ مِنَ الْعَبَّاسِ أَجْرُكَ بَعْدَهٗ	وَاللّٰهُ خَيْرٌ مِّنْكَ لِلْعَبَّاسِ

آپ صبر کیجیے تو ہم بھی آپ کی اتباع میں صبر کریں گے؛ کیوں کہ رعایا اسی وقت صبر سے کام لیتی ہے، جب بادشاہ صبر سے کام لے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کا اجر زیادہ باعثِ خیر ہے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لیے آپ کے مقابلے میں اللہ زیادہ بہتر ہے، فقط والسلام۔

کتبہ: مرغوب لاجپوری، ڈیوزبری

(۱) حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی مدظلہ
(۲) حضرت مولانا اسحاق صاحب کچھولوی مدظلہ
(۳) حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب مدظلہ
(۴) حضرت مولانا یوسف ساچا صاحب مدظلہ
(۵) حضرت مولانا یوسف ماما صاحب مدظلہ
(۶) حضرت مولانا احمد سرکار صاحب مدظلہ

۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ مطابق ۳/ نومبر ۲۰۰۹ء، بروز منگل

تعزیتی خط نمبر(۴)

جامعہ قاسمیہ عربیہ،کھروڈ،ضلع بھروچ، گجرات

باسمہ تعالیٰ

بخدمتِ گرامی قدر مولانا مفتی محمود صاحب بارڈولی (زید مجدہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام! کل گذشتہ ہی آپ کے قبلہ والدِ محترم حضرت مولانا سلیمان صاحب کے انتقالِ پُرملال کی غمناک خبر پہونچی،،"انا للہ وانا الیہ راجعون"خبر سنتے ہی بے حد قلق ہوا،اور مولانا مرحوم کی یادوں اور اداؤں میں مستغرق ہوگیا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائیں اور ان کی حسنات کو شرفِ قبولیت عطا فرما کر اعلیٰ علیّین میں جگہ مرحمت فرمائیں اور آپ سبھی پس ماندگان کو اللہ تعالیٰ صبرِ جمیل عطا فرمائیں، آمین۔

قبلہ والدِ محترم گو اپنی طبعی عمر پا کر ہی جہاں جانے کے لیے آئے تھے وہاں پہنچے ہیں، اس میں کسی کا کوئی تقدّم اور تأخر نہیں ہوسکتا"ان اجل اللّٰہ اذا جاء لا یؤخر" قرآنی قانون ہے؛لیکن عمرِ طبعی پانے کے باوجود بھی اولاد کے لیے تو بہر حال انتہا درجہ کا صدمہ ہی ہے؛ کیوں کہ اب ان کی محبت بھری نظر سے محرومی، ان کی دعاؤں سے محرومی اور ان کی جوٹوٹی پھوٹی خدمت کررہے تھے اس سے محرومی، یہ چیزیں ایسی ہیں جس کا کوئی بدل نہیں ہے، الا الدعا۔

مولانا سلیمان صاحب کو ہم نے بہت قریب سے دیکھا ہے، بڑے اصولی اور

متقی انسان تھے، حق گوئی ان کی فطرتِ ثانیہ تھی، اور خود تو عالم باعمل تھے ہی، مزید آپ جیسے مؤقر عالمِ دین کو صدقۂ جاریہ بنا کر چھوڑا ہے، یہ کیا کچھ کم سعادت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے علم وتقویٰ کی ضرور قدر فرمائی ہوگی۔

یہاں ہم لوگوں نے اور طلبہ نے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کیا ہے، اللہ اسے قبول فرما کر مرحوم کی روح کو پہنچادے، آمین۔

آپ جیسے مؤقر عالمِ دین کو تعزیت کے لیے کچھ لکھنا لقمان حکیم کو حکمت سکھانے کے برابر ہے، یہ چند جملے بھی قبلہ والد صاحب کی محبت میں زیرِ قلم آگئے ہیں، اللہ تعالیٰ مرحوم کے ساتھ اپنی رحمتِ بے کراں کا معاملہ فرمائے اور آپ سب کو صبرِ جمیل عطا فرما کر آپ کے درجات کو بلند فرمائیں، آمین۔

گھر میں اپنے بھائی بہنوں کو ہماری طرف سے تعزیت پیش فرمائے۔

فقط والسلام

(حضرت مولانا) ابراہیم مظاہری (صاحب)

مہتمم: جامعہ قاسمیہ عربیہ کھروڈ



تعزیتی خط نمبر (۵)

جامعہ امین القرآن، پانپور، ہمت نگر، سابر کانٹھا، گجرات

تاریخ: ۲۱ر ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۰ر نومبر ۲۰۰۹ء

مکرمی و محترمی حضرت مفتی صاحب، زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد تحیۂ مسنونہ! عرض ہے کہ حضرتِ والا کے والدِ محترم مولانا سلیمان صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کی دارِ فانی سے رحلت کی خبر پہنچ کر بہت صدمہ ہوا، اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کو درجاتِ عالیہ نصیب فرمائیں اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل نصیب فرمائیں، مرحوم کے حق میں دعا اور ایصالِ ثواب کیا گیا۔

آں جناب کو والدِ محترم کے ظلِّ عاطفت سے محرومی کا یقیناً قلق ہوگا؛ مگر قضا و قدر پر ہر مؤمن خوش ہوتا ہے، حضرت والا ماشاء اللہ! ایک اچھے عالم ہیں، یقیناً تلقینِ صبر فرماتے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اور جملہ متعلقین کو صبر نصیب فرمائے، ہم اہلِ جامعہ آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور دعا کرتے ہیں، حضرتِ والا سے بھی دعا کی درخواست ہے۔

فقط والسلام

من جانب: (مولانا) ابوبکر کیسرپوری (صاحب)

مہتمم: جامعہ امین القرآن، پانپور

تعزیتی خط نمبر (۶)

مجلسِ تحقیقاتِ شرعیہ، ملاوی (افریقہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی قدر حضرت مولانا مفتی محمود صاحب بارڈولی حفظہ اللہ ورعاہ لخدمۃ الاسلام

بعد التحیۃ المسنونۃ! امید ہے کہ مزاجِ گرامی قرینِ عافیت ہوں گے، بعدہ عرضِ خدمت ایں کہ آں محترم کے والدِ مرحوم - شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے تربیت یافتہ اور شاگردِ رشید و عاشقِ صادق - راہیٔ عالمِ عقبیٰ ہو گئے "إنا للہ وإنا إلیہ راجعون" حضرت مرحوم کے انتقال کی خبر سن کر صدمہ ہوا، اولاد خواہ عمر کے کسی بھی مرحلہ میں ہو، والدین کا سایہ اولاد کے حق میں بڑی نعمت و رحمت ہے۔

والدِ مرحوم نے تادمِ آخر خدمتِ خلق، اشاعتِ دین میں اپنے آپ کو اسلاف کی راہ پر گامزن رکھا اور تربیتِ اولاد جیسے مشکل ترین امور کو بہ حسن و خوبی انجام دے کر اپنی اولاد کو دینی تعلیم و تربیت سے اس طرح آراستہ فرمایا کہ ارشاد و تربیت اور تلقین و تزکیہ کی دنیا میں اولاد نہ صرف قابلِ تقلید نمونہ بن گئی؛ بلکہ حضرت والد صاحب کے حق میں بہترین صدقۂ جاریہ ثابت ہوئی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے مخلصین کے ساتھ یہی معاملہ کرتا رہا ہے کہ ان کی بلندیٔ درجات کے لیے ان ہی کی اولاد کو اصلاح و تربیتِ خلق کی خدمت انجام دینے کے لیے چن لیتا ہے:

چاہا خدا نے تو تیری محفل کا یہ چراغ	یونہی جلا کرے گا، بجھایا نہ جائے گا

مجلس کے اراکین دعا گو ہیں کہ: حق تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، اوراعلیٰ علیّین میں جگہ نصیب فرمائے، پس ماندگان کوصبرِ جمیل سے نوازے۔

مع رجاء دعواتکم فی الخلوات والجلوات،والسلام علیکم ورحمة اللّٰہ وبرکاتہ۔

(حضرت مولانا) محمد معاذ ندوی (دامت برکاتہم العالیہ)

بقلم (حضرت مولانا) ایوب (دیولوی صاحب) عفی عنہ

۲۵/ذیقعدۃ الحرام ۱۴۳۰ھ

حسب ایما: حضرت مولانا سلیم احمد ایسات کمکوتری، مقیم ملاوی،

خلیفۃ: عارف باللہ شیخ الحدیث حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ



تعزیتی خط نمبر (۷)

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

من طلحه بن الشیخ رشید بزرگ

إلی أستاذ و محسن فضیلة الشیخ المفتي محمود حفظه اللّٰہ تعالی

السلام علیکم ور حمة اللّٰہ و بر کاته

امید ہے کہ مزاجِ گرامی بعافیت ہوں گے، بندہ اللہ کے فضل واحسان پھر آپ کی دعاؤں سے خیریت سے ہے۔

آپ کے والدِ ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ کے سانحۂ ارتحال کی خبر سن کر از حد صدمہ ہوا، مرحوم بڑے صاحبِ فضل و کمال تھے؛ مگر کریں کیا؟ دستور ہی یہی ہے، جو آیا اس کو ضرور بالضرور جانا ہے۔

بس بارگاہِ خداوندی میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے مرحوم کی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشیں، ان کے درجات کو بلند فرمائیں اور اپنے سایۂ عاطفت میں جگہ عطا فرمائیں، نیز آں جناب اور دیگر پس ماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائیں۔

أعظم اللّٰہ أجرک۔

نیز درخواست ہے کہ بندے کو اپنی دعائے خیر میں فراموش نہ فرمائیں۔

أسئل اللّٰہ أخیر أن یهدینا إلی الحق و یمیتنا مع الإیمان و یحشرنا یوم القیامة مع المتقین و الابرار، آمین۔

طالبِ دعا: (حافظ قاری مولوی) طلحہ بن مولوی رشید احمد بزرگ ریونین (فرانس)

تعزیتی خط نمبر (۸)

جامعہ زکریا سید پور، کرنکیا، ضلع ارریہ، بہار

محترم جناب مفتی محمود صاحب

السلام علیکم ورحمة اللّٰہ وبرکاتہ

امید کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے۔

عرضِ خدمتِ اقدس ایں کہ جناب حضرت مولانا کبیر الدین صاحب فاران کے ذریعہ اطلاع ہوئی کہ آپ کے والدِ ماجد اس دارِ فانی سے دار البقاء رحلت فرما گئے، ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ اس سانحہ سے ہم مغموم ہیں، ہم میں سے کسی کو دوام نہیں۔ آپ کے غم میں ہم بھی غم زدہ ہیں، اساتذہ اور طلبۂ مدرسہ نے کلام اللّٰہ پڑھ کر مرحوم کے لیے ایصالِ ثواب کیا اور مغفرت کے لیے بارگاہِ خداوندی میں دعائیں مانگیں۔

اللّٰہ رب العزت مرحوم کو جنت الفردوس میں بلند مرتبہ اور مقام نصیب فرمائے اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل عطا کرے، آمین۔

والسلام

ادنیٰ خادم، ادارۂ ہذا

(مولانا) محمد ابراہیم

۲۵؍ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ مطابق ۴؍ نومبر ۲۰۰۹ء

تعزیتی خط نمبر (۹)

جناب حضرت مفتی محمود صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون! آپ خیریت سے ہوں گے، آپ کے والدِ محترم کے انتقالِ پُر ملال کی خبر دوسرے دن معلوم ہوئی، بہت صدمہ، رنج و غم ہوا کہ ایک قرآن سیکھنے والے اور سکھانے والے بہترین انسان مانے جاتے ہیں، ویسے سادہ دل اور سادی زندگی جینے والے آپ کے والدِ محترم حقیقت میں زندگی گزار گئے۔

موت اس کی ہے کہ کرے جس پر زمانہ افسوس
یوں تو آتے ہیں سبھی دنیا میں مرنے کے لیے

خدا آپ کو اور آپ کے سبھی بھائیوں اور گھر والوں کو صبر عطا فرمائیں اور ان کے جیسی سادگی، اخلاص، اور خدمت کرنے کی ہدایت عطا فرمائیں۔

آپ جیسے خاموش خدمت گزار عالم کی تربیت ہی مرحوم کی مغفرت کے لیے کافی ہے، خدا ہی بہتر بدلہ دینے والا ہے، ہر ایک کو خدا ہی کی طرف واپس لوٹنا ہے، خدا مغفرت فرمائیں اور بہتر دوست بنائیں۔

فقط والسلام

من جانب: احقر: عبدالقیوم حق

سیکریٹری جمعیتِ علمائے گجرات و گجرات پبلیکیشن سوسائٹی، سورت

تاریخ، یکم نومبر ۲۰۰۹ء

خط نمبر (۱۰)

سورتی سنی ووہرا، مسلم ایجوکیشن سوسائٹی

محترم حضرت مفتی محمود حافظ جی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام! آپ کے والد حضرت مولانا سلیمان صاحب کے انتقال کی خبر موصول ہوئی ''اناللہ وانا الیہ راجعون''

معبودِ کریم ان کی بال بال مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور آپ کے ساتھ ساتھ گھر کے ہر ہر فرد کو صبرِ جمیل عطا فرمائیں، آمین۔

سوسائٹی کے سبھی شرکا آپ کے غم میں شریک ہیں۔

من جانب: محمود آئی بانگی

۳۱/اکتوبر ۲۰۰۹ء

تعزیتی خط نمبر (۱)

بچوں کا گھر، آمود، ضلع بھروچ، گجرات

باسمہ تعالی

محترم ومکرم الحاج حضرت مفتی محمود صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام! امید ہے کہ آپ محترم خیریت سے ہوں گے، والدِ محترم کے انتقال کی درد بھری خبر اسی دن رات کو ہوئی، دکھ ہوا اور دل سے دعا نکلی "إنا للہ وإنا إلیہ راجعون" اور تدفین میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، بزرگوں سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

ماشاء اللہ! آپ تو صاحبِ علم ہو؛ اس لیے موت وحیات کے بارے میں کچھ لکھنا یہ آپ کی بے ادبی ہوگی، اس لیے زیادہ نہ لکھتے ہوئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم والدِ محترم "حضرت مولانا سلیمان صاحب" کی کروٹ کروٹ مغفرت فرما کر درجات کو بلند فرمائیں اور جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائیں، آمین۔

مرحوم والد صاحب تو ایک عالمِ دین تھے اور بڑے علما میں ان کا شمار تھا اور وہ قوم کے ہمدرد تھے، نیز گجرات کی قدیم اور مشہور درس گاہ، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کی مجلسِ شوریٰ میں زندگی کی آخری گھڑی تک خدمت انجام دیتے رہے اور آپ محترم جیسے نیک عالمِ دین صدقۂ جاریہ کے طور پر پیچھے چھوڑ کر گئے، ایسے تو مرحوم بہت ساری خوبیوں کے مالک تھے۔

اخیر میں پھر دعا ہے کہ اللہ مرحوم کی دینی خدمات قبول فرمائیں اوراس کا شایانِ شان بدلہ عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ آپ کے پورے خاندان کو صبرِ جمیل عطا فرمائیں، آمین۔

من جانب: ابراہیم بھائی سیکریٹری، بچوں کا گھر آمود

مؤرخہ: ۸/ ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ

مطابق: ۲۸/ اکتوبر ۲۰۱۰ء

تعزیتی خط نمبر (۱۲)

مدرسہ روضۃ المعارف، عزیز نگر، ضلع پورنیہ، بہار

مکارمِ اخلاق، لائقِ صد احترام حضرت اقدس مفتی محمود صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاجِ عالی بعافیت ہوگا۔

عرض ہے کہ ہمارے مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا کبیر الدین فاران مظاہری کی معرفت آپ کے پدرِ بزرگوار کی رحلت کی خبر ملی، سن کر کافی افسوس وصدمہ ہوا، ہم تمام خدام وطلبہ نے مل کر موصوف مرحوم کی مغفرت وایصالِ ثواب کے لیے، کلمہ خوانی و قرآن خوانی کی کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اوران کے درجات کو بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اوران کے پس ماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین۔

(مولانا) محمد سلیم اللہ عفی عنہ

خادم: مدرسۂ ہذا، ۵/ نومبر ۲۰۰۹ء

اس کتاب سے آپ کیا سیکھیں گے؟

(۱) ایک بندے کا اپنے اللہ سے کیسا تعلق ہونا چاہیے؟

(۲) احیائے سنت کی کیسی لگن ہونی چاہیے؟

(۳) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کس طرح کرنا چاہیے؟

(۴) طالبِ علم کو اپنے استاذ اور اپنے استاذ کے گھر والوں سے کیسا تعلق ہونا چاہیے؟

(۵) مادرِ علمی سے کس طرح وابستہ رہنا چاہیے؟

(۶) بنیادی مکتب کی تعلیم کس طرح دینی چاہیے؟

(۷) استاذ کا اپنے طلبہ سے کیسی شفقت کا برتاؤ ہونا چاہیے؟

(۸) مدارس و دینی اداروں کا حسابی، مالی نظام کیسا صاف ستھرا اور مستحکم ہونا چاہیے؟

(۹) ہر ایک کے ساتھ خاص طور پر ملازمین اور مزدوروں کے ساتھ کیسی خیر خواہی ہونی چاہیے؟

(۱۰) اپنے ماتحتوں کی عملی تربیت کس طرح کرنا ہے؟

(۱۱) مہمان نوازی کیسی ہونی چاہیے؟